عارف باللہ حضرت مولانا **جلال الدین رومی** رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آرا کتاب "**مثنوی معنوی**" کی جامع اور لاجواب شرح

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا **محمد اشرف علی تھانوی** نور اللہ مرقدہٗ

11

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے، حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس و ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی کوئی اور شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ
ملتان

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرِ روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

از:

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

جلد ۱۱

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ، ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ ہونے کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعارِ مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ • مُلتان

۱

بقیہ ربع ثانی دفتر ثالث

شرح شبیری

حس اسیر عقل باشد اے فلان　　عقل اسیر روح باشد ہم بدان

یعنی اے شخص حس تو اسیر عقل کی ہوتی ہے اور عقل اسیر روح کی ہوتی ہے۔ اسکو بھی جان لو مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حواس کو عقل کے تابع اور اوسکے محکوم اسلئے بنایا تھا تاکہ وہ ان حواس کو قید اور مغلوب رکھے اور عقل کو روح کا تابع اور محکوم اسلئے بنایا تھا تاکہ وہ اسکو رہا کرکے اور مطلق چھوڑکر اوس سے کام لے اسلئے کہ اسیر تو اپنے قبضہ میں ہوتا ہے خواہ اوسکو قید رکھو یا رہا کردو تو حواس اِس قابل تھے کہ اونکو قید رکھا جاوے اور عقل اس قابل تھی کہ اوسکو رہا کرکے اوس سے کام لیا جاوے۔ مگر دنیا میں پہنسکر نہ تو عقل نے اپنا کام کیا کہ حواس کو قید کرکے رکھتی۔ اور نہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کرکے اوس سے کام لیتی۔ بلکہ عقل نے تو حواس کو مطلق چھوڑ دیا۔ اور اونہوں نے خوب شرارت شروع کردی۔ اور روح نے عقل سے کام نہ لیا لہذا وہ امور غیبیہ جن کا انکشاف اوس وقت ہوتا جبکہ ہر ایک اپنے کام میں لگتا۔ اب نہ ہوئی لیکن اب جبکہ حواس کو مغلوب کردیا جیساکہ "برگ حس را او درخت الخ" سے معلوم ہوتا ہے تو جب حواس مغلوب ہوگئے تو اب روح نے اپنا کام کیا وہ یہ کہ

دست بستہ عقل را جان باز کرد　　کارہائے بستہ را ہم ساز کرد

یعنی روح نے عقل کے بندہے ہوئے ہاتھوں کو کھول دیا اور کارہائے بستہ کا بھی سامان کردیا مطلب یہ کہ عقل کے ہاتھ جو ہوا وہوس میں بندہے ہوئے تھے جب روح نے اپنا کام کیا تو اونکو کھول دیا اور عقل کو رہا کردیا۔ اور جو امور کہ پہلے غائب تھے اب اونکو ظاہر کردیا۔

حسہا و اندیشہ برآب صفا　　ہمچو خس بگرفتہ روئے آب را

یعنی حواس اور اندیشوں نے آب صفا پر خس کیطرح روئے آب کو چھپا رکہا تہا۔ حواس سے مراد حواس ظاہری اور اندیشہ سے مراد حواس باطنہ آب صفا سے مراد عقل نیز روئے آب سے مراد بھی عقل۔ مطلب یہ کہ قبل اسکے کہ روح اپنا کام کرے حواس اور اندیشوں نے عقل کو مغلوب کر رکھا تہا اور جسطرح کہ سطح آب پر خس و خاشاک آکر اوسکو چھپا دیتے ہیں اسیطرح حواس نے عقل کو مغلوب اور اُس کے کام کو پوشیدہ کر رکہا تہا اور امور غیبیہ ظاہر نہوتے تہے۔ مگر جبکہ روح نے اپنا کام کیا کہ عقل کو رہا کر کے اوس سے کام لیا تو عقل نے یہ کیا کہ

دست عقل آن خس بیکسو مے برد　　آب پیدا مے شود پیش خرد

یعنی عقل کا ہاتہ اوس خس کو ایک طرف لیجاتا ہے اور پانی عقل کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہاں آب سے مراد امور غیبیہ ہیں مطلب یہ ہو گیا کہ جب روح نے عقل کو رہا کیا تو اوس نے اپنا کام کیا کہ جو اسکو مغلوب کیا جب حواس مغلوب ہو گئے تو وہ امور غیبیہ جواب تک اس عقل سے پوشیدہ تہے اب ظاہر ہو گئے۔

خس بس انبہ بود برجو چون حباب　　خس چو یکسو رفت پیدا گشت آب

یعنی حباب کی طرح ندی پر خس بے انتہا تہے۔ تو جب خس ایک طرف ہوئے پانی ظاہر ہو گیا۔ جو سے مراد عقل اور آب سے مراد امور غیبیہ مطلب یہ ہوا کہ روح کے کام کرنے سے پہلے عقل میں حواس کے خس و خاشاک بہرے ہوئے تہے۔ لیکن جب عقل نے رہا ہو کر ان خس و خاشاک کو الگ کیا تو وہ امور غیبیہ ظاہر ہو گئے اور اِس عقل نے اونکا ادراک کر لیا

چونکہ دست عقل نکشاید خدا　　خس فزاید از ہوا بر آب ما

یعنی جبکہ دست عقل کو خدا نہ کہولے تو خس ہمارے پانی پر ہوا کی وجہہ سے بڑہ جاویں خدا کے

دست عقل کھولنے سے مراد روح کا کھولنا ہی ہے۔ اِس لئے کہ بے اسکے کہ خدا کا حکم ہو
روح کب کام کرسکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر روح دست عقل کو نہ کھولتی تو ہم پر وہ امور
ظاہر ہو ہی نہ سکتے تھے مگر اب عقل نے رہا ہو کر خس و خاشاک کو ایک طرف کر کے اُن امور کو
ہمارے سامنے ظاہر کر دیا۔

آب را ہر دم کند پوشیدہ او　　آں ہوا خنداں و گریاں عقل تو

یعنی آب کو وہ ہر دم پوشیدہ کر رہی ہے تو وہ ہوا ہنستی ہے اور تمہاری عقل
رو رہی ہے۔ آب سے مراد امور غیبیہ اور ہوا سے مراد ہوا و ہوس مطلب یہ کہ
وہ ہوا و ہوس کی ہوس خس و خاشاک کو لاکر اُن امور غیبیہ پر جمع کر دیتی ہے اور اُسکو
چھپا دیتی ہے تو اُس وقت وہ تو خوش ہوتی ہے کہ اُس نے اپنا کام کر لیا۔ مگر عقل
جب اپنا کام نہیں کر سکتی تو رو دیتی ہے۔

چونکہ تقوے بست دو دست ہوا　　حق کشاید ہر دو دستِ عقل را

یعنی جبکہ تقوےٰ ہوا کے دونوں ہاتھ باندھ دیتا ہے تو حق تعالیٰ عقل کے ہاتھ دونوں
کھول دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب تقوے نے آکر ہوا و ہوس کو مغلوب کر دیا تو اب
وہ عقل اپنا کام کرتی ہے تو یہ ہوتا ہے کہ

پس حواس چیرہ محکوم تو شد　　چوں خرد سالار و مخدوم تو شد

یعنی پھر حواس (جو کہ پہلے) غالب (تھے وہ) تمہارے محکوم ہو جاتے ہیں جبکہ
عقل تمہاری پیشرو اور مخدوم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب عقل نے اپنا کام کیا
اور وہ مخدوم اور پیشرو ہوئی تو اب جو حواس کہ پہلے غالب ہو رہے تھے
اب مغلوب اور محکوم ہو گئے اور عقل کے تابع ہو گئے اب عقل
یہ کرتی ہے کہ۔

حس را بیخواب خواب اندر کند — تاکہ غیبتہا ز جاں سر برزند

یعنی حس کو بیخواب کے خواب میں کر دیتی ہے یہاں تک غیوب جان سے سر نکالتے ہیں مطلب یہ کہ حواس تو اُس وقت ہی معطل ہوتے ہیں جبکہ انسان سو جاوے مگر یہ عقل اُن پر غالب ہو کر بے اُن کے سوتے ہوئے اُن کو معطل کر دیتی ہے بس جب وہ معطل ہو گئے تو اب روح پر غیوب فائض ہوتے ہیں۔ اور وہ اُن امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اور اُس وقت یہ ہوتا ہے کہ

ہم بہ بیداری بہ بیند خوابہا — ہم ز گردوں بر کشاید بابہا

یعنی بیداری ہی میں وہ بہت سے خواب دیکھتی ہے اور آسمان سے بہت سے ابواب کھول لیتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ بیداری ہی میں اُن حواس کو معطل کر کے اُن مغیبات کو دیکھ لیتی ہے اور آسمان سے ابواب کھل جاتے ہیں اور اُدہر سے اُس پر فیض ہونے لگتا ہے۔ تو بس اس ترکیب سے وہ صاحبزادوں کی زیارت فرماتے تھے۔ چونکہ بیان کیا ہے کہ ان حواس ظاہری کے باطل ہونیکے بعد امور غیبیہ کا ادراک ہوتا ہے۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک شیخ اندھا تھا مگر جب قرآن شریف پڑھتا تھا تو بینا ہو جاتا تھا تو دیکھو ان حواس کے زائل ہونیکے بعد دیکھ سکتا تھا اسی طرح ان حواس کے تعطل کے بعد انسان اون امور غیبیہ کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اب حکایت سنو۔

دید در ایام آں شیخ فقیر — مصحفے در خانۂ پیرِ ضریر

پیش او مہمان شد او وقت تموز — ہر دو زاہد جمع گشتہ چند روز

گفت اینجا ای عجب مصحف چراست — چونکہ نابیناست این درویش راست

اندرین اندیشہ تشویشش فزود — کہ جز او را نیست اینجا باش و بود

اوست تنہا مصحفے آویختہ — من نیم گستاخ یا آمیختہ

تا بپرسم نے خمش صبرے کنم — تا بصبرے بر مرادے بر زنم

صبر کرد و بود چندے در حرج — کشف شد کالصبر مفتاح الفرج

صبر گنج ست اے برادر صبر کن — تا شفا یابی تو زین رنج کہن

صبر سوئے کشف بر سر رہبرست — صبر تلخ آمد بر او شکرست

رفت لقمان سوئے داؤد از صفا — دید کو میکرد ز آہن حلقہا

جملہ را با ہمدگر در مے فگند — ز آہن و پولاد آن شاہ بلند

صنعت زرّاد او کم دیدہ بود — در عجب مے ماند و وسواسش فزود

کاین چه شاید بود وا پرسم ازو — که چه می سازی ز حلقه تو بتو

باز با خود گفت صبر اولی ترست — صبر با مقصود زوتر رهبرست

چون نپرسی زودتر کشفت شود — مرغ صبر از جمله پران تر شود

ور بپرسی دیرتر حاصل شود — سهل از بی صبریت مشکل شود

چونکه لقمان تن بزد اندر زمان — شد تمام از صنعت داؤد آن

پس زره سازید و در پوشید او — پیش لقمان حکیم صبر خو

گفت این نیکو لباس است ای فتی — در مصاف و جنگ دفع زخم را

گفت لقمان صبر نیکو همدمیست — کو پناه و دافع هر جا غمیست

صبر را با حق قرین کرد ای فلان — آخر والعصر را آگه بخوان

صد هزاران کیمیا حق آفرید — کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

مرد مهمان صبر کرد و ناگهان — کشف گشتش حال مشکل در زمان

نیم شب آواز قرآن را شنید ‌‌ ‌ جست از خواب آن عجائب را بدید

که ز مصحف کور میخواند درست ‌ ‌ گشت بیصبر و ز کور آن حال جُست

گفت چون در چشمهایت نیست نور ‌ ‌ چون ہمی بینی ہمی خوانی سطور

آنچہ میخوانی بر آن اُفتادۂ ‌ ‌ دست را بر حرف آن بنہادۂ

اصبعت در سیر پیدا مے کند ‌ ‌ کہ نظر بر حرف داری مستند

گفت اے گشتہ ز جہل تن جُدا ‌ ‌ این عجب مے داری از صنع خُدا

من ز حق در خواستم کای مستعان ‌ ‌ بر قرأت من حریصم ہمچو جان

نیستم حافظ مرا نورے بدہ ‌ ‌ در دو دیدہ وقت خواندن بے گرہ

باز دہ دو دیدہ ام را آن زمان ‌ ‌ کہ بگیرم مصحف و خوانم عیان

آمد از حضرت ندا کاے مرد کار ‌ ‌ اے بہر رنجے بما امیدوار

حُسن ظن ست و امیدے خوش ترا ‌ ‌ کہ ترا گویم بہر دم بر تر آ

هر زمان که قصد خواندن باشدت
باز مصحفها قرائت بایدت

من در آندم وا دهم چشم ترا
تا فرو خوانی معظم جوهرا

همچنان کرد و هر آنگاهی که من
وا کشایم مصحف اندر خواندن

آن خبیرے که نشد غافل ز کار
آن گرامے بادشاه کردگار

باز بخشد بینشم آن شاه فرد
در زمان همچون چراغ شب نورد

زین سبب نبود ولی را اعتراض
هر چه بستاند فرستد اعتیاض

گر بسوزد باغت انگورے دهد
در میان ماتمت سورے دهد

آن شل بے دست را دستے دهد
کان غمها را دل مستے دهد

لا نسلم و اعتراض از ما برفت
چون عوض می آید از مفقود رفت

چونکه بے آتش مرا گرمی رسد
راضیم گر آتش ما را کشد

چونکه بے چشمت ببخشد دیدنے
این چنان کوریست چشم روشنی

بے چراغے چون دہد او روشنے ۔ گر چراغت شد چہ افغان میکنی

ایک وقت ایک بزرگ نے ایک نابینا بڑے میاں کے ہاں ایک قرآن دیکھا۔ یہ بزرگ اُن کے ہاں گرمی کے زمانہ میں مہمان ہوئے تھے۔ خیر کچھ عرصہ تک دونوں بزرگ یکجا رہے ایک روز اونکو خیال ہوا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہاں یہ قرآن کیوں ہے اِس لئے کہ یہ فقیر تحقیقاً نابینا ہیں اس لئے یہ نہیں پڑھ سکتے۔ وہ یوں تسکین حاصل کر سکتے تھے کہ شاید کوئی اور رہتا ہو اور وہ پڑھتا ہو لیکن جب یہ خیال ہوا کہ یہاں صرف وہی ہیں اور ان کے سوا اور کوئی رہتا بھی نہیں اور قرآن ٹنگا ہوا ہے تو اون کی تشویش اور بھی بڑھی پھر سوچا کہ میں گستاخ یا بے تکلف بھی نہیں کہ پوچھ ہی لوں۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے اسکے بعد سوچا کہ نہیں کچھ نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ خاموش رہنا اور صبر کرنا چاہئے۔ تاکہ صبر کی بدولت مجھے مقصود تک رسائی حاصل ہو۔ آخر کار اونہوں نے صبر کیا۔ چندروز تو اون کو پریشانی رہی مگر آخر کو وہ راز اون پر منکشف ہو گیا۔ کیونکہ صبر فراخی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اوس کی بدولت اون کو فراخی حاصل ہونا ضرور تھا۔ قبل اس کے کہ ہم تفصیل انکشاف بیان کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے متعلق نصیحت کریں سنو تمکو صبر کرنا چاہئے کیونکہ صبر ایک عظیم الشان دولت ہے اس کے باعث تمکو اس تکلیف سے نجات اور اُس پرانی بیماری سے شفا حاصل ہوگی جس میں تم مبتلا ہو۔ نیز یاد رکھو کہ صبر کو ہر راز کے انکشاف میں بہت بڑا دخل ہے۔ مگر بشرطیکہ کوئی اوس سے بڑی مصلحت مزاحم نہو اور صبر گو فی نفسہٖ ناگوار ہے مگر اس کا نتیجہ نہایت خوشگوار ہے۔ اب ہم ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس سے اسکی تصدیق ہو کہ صبر کو کشف راز میں دخل تام ہے۔ اور وہ کشف راز میں بالخاصیت مؤثر ہے۔ حضرت لقمان خلوص کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لے گئے اور دیکھا کہ وہ لوہے کے حلقے بنا رہے ہیں۔ اور ان لوہے اور فولاد کے حلقوں کو ایک دوسرے میں ڈال رہے ہیں تو چونکہ اونہوں نے زرہ سازی کا کام کبھی دیکھا نہ تھا اسلئے وہ بہت متعجب ہوئے۔ اور اون کے دل میں مختلف خیالات

پیچ و تاب کہانے لگے۔ اونہوں نے خیال کیا کہ یہ کیا ہوگا مجہے پوچہنا چاہئے کہ آپ حلقوں کو
اوپر تلے رکہہ کر کیا بنا رہے ہیں پہر اپنے دل میں کہا کہ پوچہنا مناسب نہیں۔ صبر ہی
بہتر ہے۔ کیونکہ صبر بہت جلد مقصود تک پہونچا دیتا ہے۔ جبکہ تم نہ پوچہوگے تو یہ راز
بہت جلد منکشف ہو جائیگا۔ کیونکہ پرندۂ صبر تمام پرندوں سے تیز اڑنے والا ہے
اور مقصود تک سب سے پہلے پہونچنے والا ہے اور اگر پوچہوگے تو مقصود دیر میں حاصل
ہوگا۔ کیونکہ بے صبری سے آسان کام بہی مشکل ہو جاتا ہے خیر تو جبکہ حضرت لقمان
اوسوقت خاموش رہے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اوسکو مکمل کر لیا۔ پس اونہوں نے
زرہ بنا کر اوسکو حضرت لقمان صاحب کے سامنے پہنا اور فرمایا کہ یہ لڑائی اور مقابلہ کے
وقت زخم کو دفع کرنے کے لئے بہتر لباس ہے جبکہ حضرت لقمان کو صبر کا پہل مل گیا
تو اُنہوں نے فرمایا کہ واقعی صبر اچہا رفیق ہے کہ وہ ہر جگہ غم سے پناہ دینے والا اور
اوسکو دفع کرنے والا ہے تمکو صبر کی عظمت اور مہتم بالشان ہونا اس سے معلوم ہو سکتا
ہے کہ حق سبحانہ نے صبر کو حق کے ساتہ مقارن کیا ہے۔ سورۂ والعصر کو غور سے پڑہ کر
دیکہو اوس میں ہے وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔

(تنبیہ) مولانا کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے حق سے
مراد حق سبحانہ سمجہا ہے۔ اوسوقت معنی یہ ہوں گے کہ تم کو حق سبحانہ کا لحاظ رکہنا چاہئے
کہ کوئی بات اوسکی مرضی کے خلاف نہو۔ اور صبر کا بہی لحاظ رکہنا چاہئے کہ وہ چہوٹنے
نہ پاوے۔ تو جس طرح حق سبحانہ نے اپنے خیال رکہنے کی بابت امر فرمایا یوں ہی صبر
کے لحاظ رکہنے کی بہی ہدایت کی ہے۔ اِس سے اوس کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہے۔ اور
مفسرین نے حق سے ایمان یا مطلق امر شرعی مراد لیا ہے۔ پس اگر ایمان مراد ہو تو
حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح ایمان کے لحاظ رکہنے کا امر فرمایا یوں ہی صبر کا خیال رکہنے کی بہی ہدایت
کی اِس سے بہی اوسکی عظمت ظاہر ہے۔ اور اگر مراد مطلق امر شرعی ہو تو مطلب یہ ہوگا
کہ گو اولاً حق سبحانہ مطلق امر شرعی کا خیال رکہنے کی ہدایت فرما چکے تہے اور اوس میں
صبر بہی آگیا تہا مگر اسپر اکتفا نہیں کیا بلکہ استقلالاً اوس کے ساتہ اوسکو بیان کیا۔

اِس سے بہی اوسکی عظمت ظاہر ہے واللہ اعلم) خلاصہ کلام یہ کہ حق سبحانہ نے سیکڑوں اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی چیزیں اور قلب ماہیت کر دینے والی اشیا بنائیں۔ لیکن انسان کو تو صبر سے بڑھکر کوئی کیمیا ملی نہیں اِس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ صبر کتنی بڑی دولت ہے جب یہ مضمون ختم ہوا تو ہم پہر اصل قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور کشف راز کی تفصیل بیان کرتے ہیں سنو۔ اوس مہمان نے صبر کیا تو فوراً اوسپر وہ حال مشکل منکشف ہوگیا صورت اسکی یہ ہوئی کہ اوس نے آدہی رات کے وقت قرآن کی آواز سنی اوسکو سنکر وہ اوٹھ بیٹھا۔ اور اوسنے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ نابینا دیکھ کر قرآن پڑھ رہا ہے اور بالکل ٹھیک ٹھیک پڑھ رہا ہے یہ دیکھ کر وہ بیتاب ہوگیا اور اِس نابینا بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا راز ہے جبکہ آپکی آنکھوں میں روشنی نہیں ہے تو آپ دیکھتے کیونکر ہیں۔ اور سطریں کیونکر پڑہتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جو آپ پڑہتے ہیں اوسی پر آپکی توجہ بہی ہے اور اُسی لفظ پر ہاتہہ رکہا ہے آپکی انگلی کی حرکت بتلا رہی ہے کہ آپ بلاشبہ حروف کو دیکھتے ہیں۔ اونہوں نے جواب دیا کہ تم تو عارف اور جہل جسم سے الگ ہو تمکو حق سبحانہ کی اِس صنعت میں تعجب کیوں ہے بات یہ ہے کہ میں نے حق سبحانہ سے درخواست کی تہی کہ اے اللہ مجھے قرآن پڑہنے کا نہایت شوق ہے اور وہ مجھے جان کی طرح عزیز ہے میں حافظ تو ہوں نہیں کہ حفظ پڑھ لیا کروں۔ تو مجھے پڑہنے کے وقت روشنی عطا فرما دیا کر کہ مجھے پڑہنے میں وقت نہو اور جبکہ میں تلاوت کرنا چاہوں تو مجھے آنکھیں دیدیا کرتا کہ میں قرآن لیکر اور دیکھکر پڑھ سکوں تو حضرت حق سبحانہ کی طرف سے جواب ملا کہ تم بڑے کام کے آدمی ہو اور ہر مشکل کے حل کے ہمیں سے امیدوار رہتے ہو یہ تمہارا حسن ظن اور عمدہ امید ہی ہے جسکی بنا پر میں تمکو ہر لحظہ مزید قرب سے مشرف کرتا ہوں۔ اچھا جب تم قرآن پڑہنا چاہو یا یوں کہو کہ دیکھکر تلاوت کرنا چاہو (معطوف و معطوف علیہ میں فرق عنوان تعبیری کا ہے ورنہ مقصود ایک ہے اور دلی محمد کا اول کو تلاوت پر اور دوسرے کو اختلاف قرأت قرار جاننے پر محمول کرنا مجھے تکلف معلوم

ہوتا ہے واللہ علم تمیں وعدہ کرتا ہوں کہ تمکو آنکھیں دیدیا کروں گا تاکہ اے عظیم الذات تو قرآن پڑھ سکے۔ چنانچہ اوس نے ایسا ہی کیا۔ کہ جب میں پڑھنے کے لئے قرآن کھولتا ہوں تو وہ دانائے راز جو کبھی کسی کام سے غافل نہیں ہوتا اور وہ معظم شہنشاہ اور صانع عالم اور شہنشاہ لاشریک مجھے روشن آنکھیں عطا فرماتا ہے جو تاریکی عمی کو یوں لپیٹ کر رکھدیتی ہیں جیسے چراغ تاریکی شب کو۔ یہ قصہ تو ہو چکا اب سنو کہ ولی جو حق سبحانہ کے فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ وہ اوسکو بلا چون وچرا تسلیم کر لیتا ہے اوسکی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حق سبحانہ جو چیز لیتے ہیں اوس کا معاوضہ دیتے ہیں چنانچہ اگر وہ تمہارا باغ جلا دیتا ہے تو اوس کے عوض تم کو انگور دیتا ہی اور عین غم میں تمکو خوشی عطا کرتا ہے اور لنجے کو ہاتھ عنایت کرتا ہے اور غم سے لبریز لوگوں کو دل مست عطا کرتا ہے۔ پس جبکہ ہم نے یہ دیکھا کہ ہمارے مطلوب سے بھی بڑا عوض ہمکو ملجاتا ہے تو ہم نے چون وچرا اور اعتراض چھوڑ دیا کیونکہ ایسی حالت میں نکتہ چینی محض فضول ہے۔ مثلاً اگر ہم کو بدون آگ کے گرمی ملجاوے تو ہم کو آگ کے بجھہ جانیکا کیا غم اگر وہ ہماری آگ کو بجھاوے تو ہم رضامند ہیں اور جبکہ وہ تمکو بلا آنکھہ کے بینش عطا فرماویں تو تم کو کیا غم یہ اندھا پن تو خود ایک چشم روشن ہے پھر رنج کی کونسی وجہہ ہے علی ہذا اگر چراغ کے بدون وہ تم کو روشنی دیں تو اگر ایسی صورت میں تمہارے چراغ کو گل کر دیں تو تمہارے آہ وزاری کرنیکی کونسی وجہ ہے

شرح شبیری

ایک اندھے شیخ کا قصہ کہ وہ قرآن شریف کو

دیکھکر پڑھتے تھے اور قرآن پڑھنے کے وقت وہ اللہ کے حکم سے بینا ہوجایا کرتے تھے

دید در بغداد یک شیخ فقیر   مصحفے در خانۂ پیر ضریر

یعنی ایک درویش بزرگ نے بغداد میں ایک اندھے بوڑھے کے یہاں قرآن شریف دیکھا

گشت ضیفش در تموز پر ز سوز   ہر دو زاہد جمع گشتہ چند روز

یعنی یہ درویش اوس کے مہمان تموز گرم میں ہوگئے تھے تو دونوں زاہد چند روز تک جمع رہے یعنی یہ شیخ اون اندھے کے یہاں گرمی کے دنوں میں مہمان ہوئے تو تب اونہوں نے اون کے یہاں قرآن شریف رکھا ہوا دیکھا

گفت اینجا اے عجب مصحف چراست   چونکہ نابیناست این درویش راست

یعنی اوس درویش نے کہا کہ تعجب ہے کہ یہ قرآن شریف یہاں کیوں ہے جبکہ یقیناً یہ درویش نابینا ہے (دیکھئے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قرآن شریف کو فضول کوئی نہ رکھتا تھا۔ جب تو اون شیخ کو تعجب ہوا کہ یہ تو ہے اندھا پھر قرآن فضول کیوں رکھا ہے ورنہ اِس زمانہ میں تو چاہے عمر بھر کھول کر بھی نہ دیکھے مگر گھر میں رکھے ہونے سے کوئی تعجب نہیں ہوتا اسلئے کہ پڑھنے کی عادت ہی نہیں رہی افسوس صد افسوس)

اندرین اندیشہ تشویشش فزود   کہ جز او را نیست اینجا باش و بود

یعنی اِس فکر میں اونکو تشویش بڑھ گئی۔ کہ اسجگہ اور کسی کی تو بود و باش ہی نہیں ہے (کہ یہ کہا جاوے کہ وہ دوسرا آدمی پڑھتا ہوگا پھر کیوں رکھا ہے)

اوست تنہا مصحف آویختہ ۔ من نیم گستاخ یا آمیختہ

یعنی یہ تو تنہا ہی ہے اور مصحف لٹکا ہوا ہے اور میں بے تکلف یا ملا جلا نہیں ہوں۔

تا بہ پرسم زیں خمش صبرے کنم ۔ تا بصبرے بر مرادے بر زنم

یعنی تا کہ پوچھ ہی لوں اور نہ خاموش ہی رہ سکتا ہوں۔ (اب خود فیصلہ کرتے ہیں کہ) میں صبر کرتا ہوں تا کہ صبر کی وجہ سے مراد پر پہونچ جاؤں۔

صبر کرد و بود چندے در حرج ۔ کشف شد کالصبر مفتاح الفرج

یعنی اونہوں نے صبر کیا اور چندے تنگی میں رہے تو (اونپر وہ راز جیسا کہ آگے معلوم ہوگا) کھل گیا اسلئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

صبر گنجست اے برادر صبر کن ۔ تا شفا یابی تو زیں رنج کہن

یعنی اے بھائی صبر ایک خزانہ ہے تو تم صبر کیا کرو تا کہ اس رنج کہنہ سے تم شفا پاؤ یعنی جسقدر افکار وغیرہ تمکو ہوں گے صبر سے سب حل ہو جائیں گے انشاء اللہ۔

صبر سوئے کشف ہر سر رہبرست ۔ صبر تلخ آمد بر او شکرست

یعنی صبر ہر بھید کے کشف کی طرف رہبر ہے اور صبر خود تلخ ہے مگر اوس کا پھل شیریں ہے اس صبر پر آگے حضرت لقمان علیہ السلام کی حکایت لاتے ہیں کہ اونہوں نے بھی صبر کیا تھا تو انپر بھی وہ بھید جس کے وہ طالب تھے ظاہر ہو گیا۔

لقمان علیہ السلام کا جسوقت کہ انہوں نے دیکھا کہ داؤد علیہ السلام

لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں پوچھنے سے صبر کرنا اس سبب سے کہ صبر موجب راحت و فرح ہے

رفت لقمان سوئے داؤدؑ از صفا دید کو مے کرد ز آہن حلقہا

یعنی لقمان علیہ السلام داود علیہ السلام کے پاس صفا حاصل کرنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ وہ لوہے کی کڑیاں بنا رہے ہیں۔

جملہ را با ہمدگر در مے فگند ز آہن و پولاد آن شاہ بلند

یعنی سب کو ایک دوسرے میں لوہے اور فولاد سے وہ شاہ بلند ڈال رہے تھے

صنعت زرّاد او کم دیدہ بود در عجب مے ماند و وسواسش فزود

یعنی زرہ بنانے والے کی صنعت کو لقمان علیہ السلام نے دیکھا نہ تھا تو وہ تعجب میں رہ گئے اور اون کا وسوسہ بڑھا۔

کاین چہ شاید بود و اپرسم ازو کہ چہ مے سازی ز حلقہ تو بتو

یعنی کہ اس کا کیا ہوگا میں اون سے پوچھوں کہ تم تو بتو حلقے کیا بنا رہے ہو۔

باز با خود گفت صبر اولیٰ ترست صبر با مقصود زوتر رہبر ست

یعنی پھر اپنے سے کہا کہ صبر زیادہ اولیٰ ہے اور صبر مقصود تک جلدی رہبر ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون نپرسی زود تر کشفت شود مرغ صبر از جملہ پران تر شود

یعنی اگر تم نہ پوچھوگے تو تمکو جلدی ہی ظاہر ہوجاویگا اسلئے کہ مرغ صبر سب سے زیادہ اُڑنے والا ہوتا ہے۔

ور بپرسی دیر تر حاصل شود سہل از بے صبریت مشکل شود

یعنی اور اگر پوچھو تو وہ دیر میں حاصل ہوگا اور سہل تمہاری بے صبری کی وجہ سے مشکل ہوجاوے گا۔ پوچھنے یا نہ پوچھنے سے مراد صبر کرنا یا صبر کرنا ہے مطلب یہ کہ اگر صبر کروگے تو وہ بات جلدی معلوم ہوگی اور بے صبری سے معلوم ہوتی ہوتی بھی مشکل ہوجاوگی

چونکہ لقمان تن بزد اندر زمان شد تمام از صنعت داؤد آن

یعنی جبکہ لقمان اوسوقت چپ ہورہے تو وہ (زرہ) داؤد علیہ السلام کے بنانے سے پوری ہوگئی۔

پس زرہ سازید و در پوشید او پیش لقمان حکیم نیکخو

یعنی پھر داؤد علیہ السلام نے زرہ بناکر اوسکو لقمان حکیم نیکخو کے سامنے پہنا۔

گفت این نیکو لباس ست اے فتی در مصاف و جنگ دفع زخم را

یعنی داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فتی یہ مصاف اور جنگ میں زخم کے دفع کرنے کے لیے اچھا لباس ہے۔

گفت لقمان صبر نیکو ہمدمے است کو پناہ و دافع ہر جا غمے است

یعنی لقمانؒ نے فرمایا کہ صبر ایک اچھا ہمدم ہے کہ وہ ہر جگہ پناہ اور دافع غم کا ہی

مولانا فرماتے ہیں۔

صبر را باحق قرین کرد اے فلان　　آخر والعصر را آگہ بخوان

یعنی حق تعالیٰ نے صبر کو حق کے ساتہ قرین کیا ہے اے شخص۔ تو اوس وقت والعصر کے آخر کو پڑھ۔ والعصر میں ہے کہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر حق سے مراد عقائد ہیں مولانا کا مطلب یہ ہے کہ صبر وہ ہے کہ حق تعالے نے اوسکو عقائد کے ساتہ بیان فرمایا ہے تو کس درجہ کی شے ہوگی۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید　　کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

یعنی حق تعالے نے لاکھوں کیمیائیں پیدا فرمائیں مگر (بنی) آدم نے صبر جیسی کوئی کیمیا نہیں دیکھی۔ مطلب یہ ہوا کہ صبر بہت ہی عمدہ اور حصول مقصود میں امداد دینے والی شے ہے آگے اون شیخ نابینا کا بقیہ قصہ فرماتے ہیں کہ۔

اوس نابینا کا باقی قصہ اور اوس کا دیکھکر قرآن پڑھنا

مرد مہمان صبر کرد و ناگہان　　کشف گشتش حال مشکل در زمان

یعنی اوس مرد مہمان نے صبر کیا تو ناگاہ اوسی زمانہ میں وہ حال مشکل اوسپر کھل گیا (اِس طرح کہ)

نیم شب آواز قرآن را شنید　　جست از خواب آن عجائب را بدید

یعنی اوس مہمان نے آدہی رات کو قرآن کی آواز سُنی تو نیند سے اُٹھ بیٹھا اور یہ عجائب دیکھا کہ:۔

کہ ز مصحف کور میخواند درست گشت بیصبر و ز کور آن حال جست

یعنی کہ قرآن شریف سے وہ اندھا ٹھیک ٹھیک پڑھ رہا ہے تو یہ مہمان بے صبر ہوگیا۔ اور اندھے سے اس حال کی جستجو کی۔

گفت چون کوری عجب بے چشم و نور چون ہمی خوانی و می بینی سطور

یعنی اوسنے کہا کہ تو کیسا عجیب اندھا بے چشم و نور کے ہے اور تو کس طرح پڑھ رہا ہے اور کس طرح سطروں کو دیکھ رہا ہے۔

آنچہ میخوانی بر آن افتادہٗ دست را بر حرف آن بنہادہٗ

یعنی جو کچھ تو پڑہتا ہے اوسی پر پڑا ہوا ہے اور تو نے ہاتھ کو اوسی حرف پر رکھ رکھا ہے۔

اصبعت در سیر پیدا میکند کہ نظر بر حرف داری مستند

یعنی تیری اُنگلی چلنے میں ظاہر کر رہی ہے کہ تو یقیناً حرف پر نظر رکھتا ہے۔

گفت اے گشتہ ز جہل تن جُدا این عجب میداری از صنع خدا

یعنی اوس اندہے نے کہا کہ اے شخص جو جہل تن سے جُدا ہے کیا تو قدرت خدا سے یہ عجب بات سمجھا ہے۔ چونکہ یہ دوسرے بھی بزرگ ہیں اس لئے اوس نے کہا کہ آپ جہل باتوں سے جُدا ہیں اور آپکو اوس عالم کا انکشاف ہے پہر آپ اس سے تعجب کیوں کرتے ہیں۔ یہ تو قدرت حق ہے اور اسکی وجہ ظاہری یہ ہوئی ہے کہ

من ز حق در خواستم کاے مستعان بر قرات من حریصم ہمچو جان

یعنی میں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ اے مستعان میں قرآن پڑھنے پر جان کی طرح حریص ہوں۔ یعنی جس طرح کہ مجھے اپنی جان سے محبت ہے اسی طرح قرآن خوانی سے اُنس ہے۔

نیستم حافظ مرا نورے بدہ　　در دو دیدہ وقت خواندن بے گرہ

یعنی میں حافظ ہوں نہیں تو آپ میری دونوں آنکھوں میں قرآن پڑھنے کے وقت ایک نور بے رکاوٹ کے عطا فرما دیجئے۔

بازدہ دو دیدہ ام را آن زمان　　کہ بگیرم مصحف و خوانم عیان

یعنی وہ نور میری دونوں آنکھوں کو واپس دیدیا کیجئے جبکہ میں مصحف لوں اور عیاناً پڑھوں +

آمد از حضرت ندا کای مرد کار　　اے بہر رنجے بما امیدوار

یعنی حضرت حق سے ندا آئی کہ اے مرد کار اور اے وہ شخص جو کہ ہر تکلیف میں ہمارا اُمیدوار ہے

حسن ظن ست و امید خوش ترا　　کہ ترا گویم بہر دم بر ترا

یعنی تجھے حسن ظن اور امید خوش یہ ہے کہ میں تجھے ہر دم کہونگا کہ ترقی کر مطلب یہ کہ تجھے امید ہے کہ ہم تجھے ہر دم ترقی دیں گے اسی لئے تو ایسی باتیں ہم سے مانگتا ہے تو سن رکھہ کہ

ہر زمان کہ قصد خواندن باشدت　　یا ز مصحفہا قرارت بایدت

یعنی جسوقت کہ تیرا قصد قرآن پڑھنے کا ہو یا قرآن سے تجھے کچھہ پڑھنے کی

ضرورت ہو۔

من در آن دم وادہم چشم ترا۔ تا فرو خوانے معظم جوہرا

یعنی میں اوس وقت وہ نور تیری آنکھہ کو دیا کروں گا تاکہ تم پڑہ لیا کرو۔ اے معظم ذات۔ تو حق تعالےٰ نے یہ وعدہ فرمایا تہا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنان کرد و ہر آنگاہے کہ من واکشایم مصحف اندر خواندن

یعنی حق تعالےٰ نے ایسا ہی کیا کہ جسوقت میں قرآن شریف پڑہنے کے لئے کہولتا ہوں۔

آن خبیرے کہ نشد غافل ز کار آن گرامی بادشاہ کردگار

یعنی وہ خبیر جو کہ کسی کام سے غافل نہیں ہے اور وہ معظم بادشاہ حق تعالےٰ۔

باز بخشیدم بینشم آن شاہ فرد در زمان ہمچون چراغ شب نورد

یعنی وہ شاہ یکتا ہی بینش کو پہر اوسی وقت عطا فرما دیتا ہے۔ مثل چراغ شب نورد کے یعنی جس طرح کہ چراغ تاریکی کو زائل کر دیتا ہے اسی طرح وہ روشنی تاریکی کو زائل کر دیتی ہے۔ چونکہ مولانا نے یہاں ایک حکایت اون شیخ اقطع کی بیان کی ہے کہ وہ بے ہاتھ کے زنبیل بُن رہے تہے دوسری حکایت ان شیخ ضریر کی کہ بے آنکھوں کے قرآن خوانی میں مشغول تہے اسلئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

زین سبب نبود ولی را اعتراض ہرچہ بستاند فرستد اعتیاض

یعنی اسی لئے ولی کو اعتراض نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ جو کچھہ لیتے ہیں اوس کا عوض بہیج دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان دونوں قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے

ظاہری ہاتھ لے لئے تو باطنی ہاتھ عطا فرما دیئے اور ایک کی ظاہری آنکھیں لے لیں تو باطنی آنکھیں عطا فرما دیں - اور یہاں تو عوض مثل مقصود کے تہا - مگر ہمیشہ یہ ضروری نہیں ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ عوض تو ضرور ملتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ جو ہم چاہیں وہی ملجائے بلکہ جو علم حق میں بہتر ہوتا ہے وہی ملتا ہے آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ :-

گر بسوزد باغت انگورے دہد | درمیانِ ماتمت سورے دہد

یعنی اگر تمہارا باغ جلا دیں تو انگور دے دیتے ہیں اور ماتم کے درمیان میں تمکو خوشی عطا فرماتے ہیں -

آن شل بے دست را دستے دہد | کان غمہا را دلِ مستے دہد

یعنی وہ شل بے دست و پا کو ہاتھ عطا فرماتے ہیں اور معدن غموم کو دل مست (عن السرور) دیتے ہیں - مطلب یہ کہ جو کچھ بہی وہ لیلیں اوس کا عوض ضرور ملتا ہے خواہ وہ مرضی موافق اوس فاقد کے ہو یا نہو - اور خواہ دنیا میں ملے یا آخرت میں مگر ملے پر ملے - جب یہ حالت ہے تو فرماتے ہیں کہ -

لانسلم و اعتراض از ما برفت | چون عوض می آید از مقصود رفت

یعنی ہم سے لانسلم اور اعتراض جاتا رہا - جبکہ عوض مقصود کا عظیم ملجاتا ہے ما سے مراد فرقہ یعنی ہمارے گروہ میں اعتراض نہیں ہے - اور یہ گروہ اعتراض نہیں کرتی اسلئے کہ ہر مقصود کا اونکو اوس سے بڑھکر عوض ملجاتا ہے -

چونکہ بے آتش مرا گرمے دہد | راضیم گر آتشِ ما را کشد

یعنی جبکہ بے آتش کے مجھے گرمی عطا فرماتے ہیں تو میں راضی ہوں اگر

میری آگ کو بجھا دیں مطلب یہ کہ ہمیں یہ مجال نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ اس کام کو اس طریق سے انجام دیا جاوے بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اصل کام ہو جاوے سو اگر مثلاً وہ بے آگ کے ہمارے لئے گرمی پیدا کر دیں تو ہمارا کیا حرج ہے مقصود جو تھا وہ تو حاصل ہے۔

چونکہ بے چشمے بہ بخشد دیدنی — این چنین کوریست چشم روشنی

یعنی جبکہ بے (ظاہری) آنکھ کے بینائی عطا فرماتے ہیں تو ایسی کوری تو چشم روشن ہے۔ (پھر اس آنکھ کے مفقود ہونے سے کیا حرج ہوا۔)

بے چراغے چون دہد او روشنی — گر چراغت شد چہ افغان میکنی

یعنی بے چراغ کے جب وہ روشنی عطا فرماتے ہیں تو اگر تمہارے پاس چراغ نہ ہو تو فغاں کیوں کرتے ہو۔ اسلئے کہ مقصود تو حاصل ہے اب جس طرح وہ چاہیں اوس طرح کرتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے کہ تمہاری مرضی کے مطابق ہوا کرے آگے اولیاء اللہ کے مذاق کو ذکر فرماتے ہیں کہ بعض ایسے رضی برضا ہوتے ہیں کہ دعا کرنا بھی حرام جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ دعا کرنا گویا کہ قضا میں دخل دینا ہے مگر یہ ادن کا ایک حال ہوتا ہے کہ اس میں مغلوب ہو کر وہ دعا نہیں کر سکتے۔ باقی کامل وہ ہے جو کہ قضا پر راضی ہو۔ اور پھر رضا کے ساتھ دعا بھی کرے اسلئے کہ دیکھو یہ تو مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کامل تھے اور ادن کو رضا رکامل حاصل تھی مگر باوجود اس کے وہ دعا فرماتے تھے تو دعا کرنا تو ایک حال ہے اور رضا کے ساتھ دعا کو جمع کرنا یہ نشانی جامعیت کی ہے اور کمال یہی ہے مگر بعض مغلوب الحال بزرگوں کی یہ شان ہوئی ہے کہ وہ قضا کے سامنے دعا کو بھی اچھا نہیں سمجھتے۔ اب سنئے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

بشنو اکنون قصهٔ آن رهروان | که ندارند اعتراضی در جهان

ز اولیا اہل دعا خود دیگرند | که ہمی دوزند و گاہی می درند

قوم دیگر می شناسم ز اولیا | که دہان شان بسته باشد از دعا

از رضا که ہست رام آن کرام | جُستن دفع قضاشان شد حرام

در قضا ذوقی ہمی بینند خاص | کفرشان آید طلب کردن خلاص

حُسن ظنّی بر دلِ ایشان کشود | که نپوشند از غمی جامه کبود

ہرچه آید پیش ایشان خوش بود | آبِ حیوان گردد از آتش بود

زہر در حلقوم شان شکر بود | سنگ اندر راه شان گوہر بود

جملگی یکسان بود شان نیک و بد | از چه باشد این ز حسن ظنِ خود

کفر باشد نزد شان کردن دعا
کاے الٰہ از ما بگردان این قضا

گفت بہلول آن یکے درویش را
چونے اے درویش واقف کن مرا

گفت چون باشد کسے کہ جاودان
بر مراد او رود کار جہان

سیل و جوہا بر مراد او روند
اختران زان سان کہ او خواہد شوند

زندگی و مرگ سرہنگان او
بر مراد او روانہ کو بکو

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت
ہر کجا خواہد ببخشد تہنیت

سالکان راہ ہم بر کام او
ماندگان راہ ہم در دام او

ہیچ دندانے نہ خندد در جہان
بے رضا و امر او فرمان روان

بے رضاے او نیفتد ہیچ برگ
بے قضاے او نیاید ہیچ مرگ

بے مراد او نجنبد ہیچ رگ
در جہان زاوج ثریا تا سمک

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنین
در فر و سیماے تو پیداست این

آن صد چندانی ای صادق ولیک | شرح کن این را بیان کن نیک نیک

آنچنان کہ فاضل و مفضول ، | چون بگوش او رسد آرد قبول

آنچنانش شرح کن اندر کلام | کہ ازان ہم بہرہ یابد جانِ عام

ناطقِ کامل چو خوان باشی بود | بر سرِ خوانش ز ہر آشے بود

کہ نماند ہیچ مہماں بے نوا | ہر کسے یابد غذائے خود جدا

ہمچو قرآن کہ بمعنے ہفت توست | خاص را و عام را مطعم دروست

گفت این باری یقین شد پیش عام | کہ جہان در امر یزدانست رام

ہیچ برگے در نیفتد از درخت | بے قضا و حکم آن سلطان بخت

از دہان لقمہ نشد سوئے گلو | تا نگوید لقمہ را حق کادخلوا

میل و رغبت کان زمام آدمی ست | جنبش و آرام امر آن غنی است

در زمینہا و آسمانہا ذرہ | پر نجنباند نگردد پرّہ

جز بفرمانِ قدیم نافذش — شرح نتوان کرد و جلدی نیست خویش

که اثمر و برگ و درختان را تمام — بی نهایت کی شود در نطق رام

اینقدر بشنو که چون کلّی کار — می نگردد جز بامر کردگار

چون قضای حق رضای بنده شد — حکم او را بنده خواهنده شد

بی تکلف نی پی مزد و ثواب — بلکه طبع او چنین شد مستطاب

زندگی خود نخواهد بهر خود — نی پی ذوق حیات مستند

هر کجا امر قدم را مسلکی است — زندگی و مردگی پیشش یکی است

بهر یزدان می زید نی بهر گنج — بهر یزدان می مرد نز خوف و رنج

هست ایمانش برای خواهِ او — نی برای جنت و اشجار و جو

ترک کفرش هم برای حق بود — نی ز بیم آنکه در آتش شود

اینچنین آمد ز اصل آن خوی او — بی ریاضت نی ز جست و جوی او

آنگهان خندد که او بیند رضا — همچو حلوای شکر او را قضا

بندهٔ کش خوی و خصلت این بود — نی جهان بر امر و فرمانش رود

پس چرا لابه کند او یا دعا — که بگردان ای خداوند این قضا

مرگ او و مرگ فرزندان او — بهر حق پیشش چو حلوا در گلو

نزع فرزندان بر آن باوفا — چون قطائف پیش شیخ بینوا

پس چرا گوید دعا الا مگر — در دعا بیند رضای دادگر

آن شفاعت و آن دعا نز رحم خود — میکند آن بندهٔ صاحب رشد

رحم خود را او همان دم سوخته است — که چراغ عشق حق افروخته است

دوزخ اوصاف او عشق است و او — سوخت مر اوصاف خود را مو بمو

هر طروقی این فروقی کی شناخت — چون دقوقی کو درین دولت نتافت

اوپر مولانا نے رضا بالقضا کی ہدایت فرمائی تھی۔ اب اون اہل اللہ کی حالت بیان فرماتے ہیں جو قضا الٰہی پر رضامند ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اب ان سالکین کی حالت سنو۔

جو عام کے کسی تصرف کی بابت کوئی مزاحمت نہیں کرتے تفصیل اسکی یہ ہے کہ اہل اللہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ اولیا ہیں جو دعا کو مانتے ہیں اور اپنی دعاؤں سے عالم میں مختلف تصرف کرتے ہیں کبھی ایک شے کو بناتے ہیں اور کبھی بگاڑتے ہیں یہ تو اور لوگ ہیں ہماری گفتگو کا تعلق ان سے نہیں ہے۔ اور میں اہل اللہ میں۔ کچھ ایسے لوگ بھی جانتا ہوں جنہوں نے اپنے مُنہ کو دعا سے بند کر رکھا ہے اور وہ از خود اپنی غرض سے کبھی دعا نہیں کرتے تسلیم و رضا چونکہ ان بزرگونکو حاصل ہے اسلئے طلب دفع قضا اون کے نزدیک عملاً حرام ہے۔ گو اعتقاداً حرام نہیں جانتے۔ کیونکہ شریعت سے اسکی اجازت حاصل ہے اور عملاً حرام ہونیکا یہ مطلب ہے کہ وہ اِس سے یوں بچتے ہیں جس طرح کہ حرام اشیاء سے بچا کرتے ہیں اونکو قضائے الٰہی میں ایک خاص مزہ ملتا ہے۔ اس لئے اونکے نزدیک اوس سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش کرنا طبعاً ایسا ہی ناپسندیدہ ہے جیسا کہ شرعاً و عقلاً کفر۔ اونکو حق سبحانہ کے ساتھ ایسا حُسنِ ظن حاصل ہے کہ وہ کسی غم سے ماتمی لباس نہیں پہنتے۔ بلکہ اونکو جو کچھ پیش آتا ہے وہ اونکو اچھا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور آگ بھی ہوتی ہے تو اون کے لئے آبِ حیات ہوتی ہے اونکو گلے میں زہر بھی یوں ہی مزہ سے اوترتا ہے جیسے شکر اور اون کے رستہ میں اگر پتھر بھی آتا ہے تو وہ اوسکی ویسی ہی قدر کرتے ہیں جیسے موتی کی غرض کہ بھلائی اور بُرائی مصیبت و راحت خوشی و غم بحیثیت قضاء الٰہی ہونے کے اونکی نظر میں سب یکساں ہیں۔ یہ کیوں محض اس لئے کہ حق سبحانہ کے ساتھ وہ حُسنِ ظن رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دعا کرنا اور کہنا کہ اے اللہ اس قضا کو بدل دے اونکو طبعاً یوں ہی ناپسند ہے جس طرح کہ شرعاً و عقلاً کفر چنانچہ بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فقیر سے کہا کہ جناب والا مجھے مطلع فرمائیں کہ حضور کا مزاج کیسا ہے۔ فرمایا کہ اُسکے مزاج کی حالت کیا پوچھتے ہو جسکی یہ حالت ہو کہ عالم کا کاروبار ہمیشہ اوسکی

منشا کے موافق ہوتا ہو۔ ندیاں اوسکی مرضی کے موافق بہتی ہوں ستارے اوسی طرح چلتے ہوں جس طرح وہ چاہتا ہے حیات و موت جس کے دو پیادے ہوں کہ اسکی منشا کے موافق کام کرتے ہوں وہ جہاں چاہے غم بھیجدے اور جہاں چاہے خوشی عنایت کرے۔ رستہ چلنے والے بھی اوسکی مرضی کے موافق چلتے ہوں اور نہ چلنے والے بھی اوسی کے پھندے میں ہوں اوس حاکم کی رضا و حکم کے بغیر کوئی دانت منہ میں نہ ہل سکتا ہو اور اوسکی رضامندی کے بغیر کوئی پتا نہ گرتا ہو۔ اور اوسکے فیصلہ کے بغیر کوئی موت واقع نہ ہوتی ہو۔ اوسکی خواہش کے بغیر ثریا سے ثرے تک اور عالم بھر میں کوئی رگ حرکت نہ کرتی ہو۔ یہ سنکر بہلول علیہ الرحمۃ نے عرض کیا کہ حضور نے بہت بجا فرمایا اور حضور کی شان اور چہرہ ہی سے یہ بات ثابت ہے بلکہ اِس سے سوگُنا زیادہ ظاہر ہے لیکن میں اپنے قصور فہم سے اسکا مطلب نہیں سمجھا براہ مہربانی اس مضمون کی اچھی طرح تشریح فرما دیجئے اور تشریح ایسی ہو کہ ایک قابل آدمی اور ناقابل دونوں اوسکو سنکر مان لیں۔ اور ایسی شرح فرمایئے کہ اوس سے عوام کو بھی فائدہ پہونچے۔ قادر کلام شخص ایک ایسے مہمان نواز سے مشابہ ہے جس کے دسترخوان پر ہر قسم کا کھانا ہو کہ کوئی مہمان بھوکا نہ رہے بلکہ ہر ایک کو اوس کی غذا ملجائے جیسے قرآن کہ سات طبقے رکھتا ہے کہ خاص و عام سب کو اوس سے اون کی لیاقت و استعداد کے موافق غذا ملتی ہے عوام اپنے فہم کے مطابق سمجھتے ہیں اور خواص اپنے فہم کے موافق۔ اون بزرگ نے جواب دیا کہ یہ مقدمہ تو سب کو تسلیم ہے کہ تمام عالم حق سبحانہ کے قبضہ میں ہے حتی کہ کوئی پتا اُسکی حکم کے بغیر نہیں گرتا اور جب تک حق سبحانہ حلق میں جانیکا حکم نہ دیں لقمہ اوس میں نہیں جا سکتا۔ میلان اور رغبت جو کہ آدمی کے لئے بمنزلہ باگ کے ہیں اُنکی حرکات اوسی کے تابع ہیں اور اون کی حرکات و سکون سب اُسی کے حکم سے ہیں۔ زمین و آسمان میں ذرہ بھی پر ہلاتا ہے اور کوئی حرکت کرتا ہے

تو اوس کے حکم نافذ و قدیم سے کرتا ہے یہ اجمال ہے جس کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے
اور تفصیل کے لئے جلدی اچھی بھی نہیں کیونکہ کون ہے جو درختوں کے سب پتے
گن سکتا ہے۔ جب درختوں کے پتے باوجود متناہی ہونے کے کوئی نہیں
گن سکتا تو غیر متناہی تفصیل و ارگفتگو میں کب سما سکتا ہے۔ پس خلاصہ کے
طور پر اتنا سمجھ لو۔ کہ تمام کام بامر حق سبحانہ ہوتے ہیں جب یہ امر ممہد ہو گیا
تو اب سمجھو کہ جب رضائے حق پر بندہ راضی ہو گیا۔ اور اوس کا حکم ہی
اوس کا مطلوب ہو گیا۔ اور یہ سب کچھ بدون تکلف کے ہوا نہ تو تصنع سے
نہ اجر و ثواب کے لیئے بلکہ اوس کی طبیعت ہی اس طور پر واقع ہوئی
ہے وہ نہ اپنے لئے اپنی زندگی چاہتا ہے اور نہ زندگی کے مزہ دار ہونے
کی وجہ سے۔ بلکہ جدھر امر قدیم حق سبحانہ نافذ ہوا خواہ موت ہو یا حیات وہی
اوسکو بھی پسند ہے۔ اور موت و حیات اسکے نزدیک دونوں برابر ہیں وہ جیتا ہے
تو خدا کے لئے نہ کہ خزانہ جمع کرنے کے لئے اور مرتا ہے تو خدا کے لئے نہ کہ رنج اور
خوف سے۔ اوس کا ایمان بھی محض اوسکی رضامندی کے لئے ہے نہ جنت
کے لئے نہ پھلوں کے لیئے نہ نہروں کے لئے۔ اور کفر کو جو چھوڑتا ہے تو وہ
بھی خدا کے لیئے نہ کہ اس خوف سے کہ دوزخ میں جائیگا۔ اور یہ بات اوسکی
جبلی ہے نہ مجاہدوں سے حاصل ہوئی نہ کسب سے وہ ہنستا ہے تو اوسی وقت جبکہ
وہ رضائے حق دیکھتا ہے اور قضائے الہی اوسکو یوں ہی مرغوب ہے جیسے حلوا
پس جس بندہ کی یہ خصلت اور عادت ہو تو بتلاؤ کیا عالم کا کاروبار اوس کے
حکم کے موافق نہیں ہوتا۔ ضرور ہوتا ہے۔ جب یہ قصہ تم کو معلوم ہو گیا تو اب
سمجھو کہ جن لوگوں کی یہ حالت ہو وہ کیوں گڑگڑائیں اور کیوں دعا کریں کہ
اے اللہ اس قضا کو بدل دے ایسے لوگوں کے لئے تو اون کا مرنا اور اون کی
اولاد کا مرنا دونوں خدا کے لیئے ہیں اور یوں مرغوب ہیں جیسے حلوا کھانا۔ اوس
بظاہر بیوفا کے نزدیک بچوں کا دم توڑنا یوں ہی لذیذ ہے جیسے کسی محتاج

بڑھے کے سامنے میوے پس ایسا شخص دقوقی کی دعا کیوں کرے۔ ہاں لیکن اوسوقت جبکہ دعا میں حق سبحانہ کی رضا مندی دیکھے اور یہ خیال کرے کہ دعا بھی ایک مطلوب خداوندی ہے تو وہ اس حیثیت سے دعا کرتا ہے نہ کہ اپنی غرض سے۔ وہ مہتدی شفاعت و دعا کرتا ہے مگر اپنے رحم کی بنا پر نہیں کرتا۔ اپنے رحم کو تو اوس نے اوسی وقت آگ لگا دی تھی جبکہ عشق خداوندی کا چراغ جلایا تھا عشق حق اوس کے اوصاف کے لیئے ایک دوزخ ہے جس نے اوس کے تمام صفات کو بھسم کر دیا ہے ہر سالک کو یہ فرق معلوم نہیں اور وہ نہیں جانتا کہ اپنی غرض سے دعا اچھی نہیں اور خدا کے لیے اچھی ہے۔ مثلاً دقوقی ہی ہیں کہ وہ اُس دولت کو حاصل نہیں کر سکے

ف جاننا چاہیئے چونکہ ہر طروقی این فروقی کے شناخت الخ حل طلب شعر تھا اسلیئے اوسکی پوری تفصیل کیجاتی ہے۔ **قولہ**

ہر طروقے این فروقے کے شناخت   چون دقوقے کو درین دولت نتاخت

اس شعر میں مصرع ثانی میں تین نسخے ہیں (۱) چون دقوقے کو درین دولت بتاخت (۲) چون دقیقے کو درین دولت نتافت (۳) جز دقوقے کو درین دولت بتافت یا جز دقوقی کو درین دولت نتاخت + ان نسخوں میں نسخہ ثانیہ صحیح ہے۔ اور مطلب شعر یہ ہے کہ ہر راہ رو ایسے فرقوں سے کہ اپنی طرف سے دعا کرنا ناپسند ہے اور طلب حق سبحانہ کے وقت پسند و اقف نہیں۔ مثلاً دقوقی ہیں کہ باہمہ عظمت اس فرق کو نہ پہچان سکے۔ اور غلبۂ رحم طبعی سے دعا کر بیٹھے۔ اسکی صحت کے قرائن حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا نے اولاً فرمایا ہے ؎

مرگ او و مرگ فرزندان او   بہر حق پیشش چو حلوا در گلو
نزع فرزندان بر آن بے وفا   چو قطائف پیش شیخ بے نوا
رحم خود را او ہماندم سوختہ است   کہ چراغ عشق حق افروختہ است

بعد ازان قصۂ دقوقی میں دعائے دقوقی کے متعلق فرمایا ہے ؎

چون دقوقی آن قیامت را بدید — رحم او جوشید و اشک او دوید
گفت یارب منگر اندر فعل شان — دست شان گیر اے شہ نیکو نشان

الخ ہر دو کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اشعار ماسبق میں دقوقی پر تعریض ہے اور مقصود یہ ہے کہ اُن لوگوں نے اپنی رحم کو جلا دیا ہے۔ اِس لیے وہ دقوقی کی طرح نہیں ہیں کہ اُنہوں نے اہل کشتی پر رحم کہایا تہا۔ نیز وہ خود اپنے اور اپنے اولاد کے مرنے سے بہی خوش ہیں اور دقوقی کو اغیار کے بہی مرنے کا غم ہے اونکو اپنی اولاد کو نزع میں دیکہہ کر بہی کچہہ خیال نہیں ہوتا اور دقوقی اہل کشتی کو نزع میں دیکہہ کر بے تاب ہوجاتے ہیں۔

(۲) مولانا نے اولؔ دقوقی اور اونکی دعا کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ؎

اشک مے رفت از دو چشمش وان دعا — بیخود از وے مے برآمد بر سما
آن دعائے بیخودان خود دیگرست — آن دعا زو نیست گفت داورست
آن دعا حق میکند چوں او فناست — آن دعا و آن اجابت از خداست الخ

لیکن باانہمہ اعتراض معترضین کو بدین الفاظ نقل فرمایا ؎

او فضولے بودہ است از انقباض — کرد بر مختار مطلق اعتراض

اور اس کا کوئی جواب نہیں دیا اس کے بعد اون کا غائب ہوجانا اور دقوقے کا اُن کو نہ پہچان سکنا اور افسوس کرکے رہ جانا۔ بیان فرمایا۔ اِس کے بعد مولانا نے اونکی جستجو کی دقوقی کو بدین الفاظ ترغیب دی ؎

اے دقوقے با دو چشم ہمچو جو — ہین مبر امید وایشان را بجو
ہین بجو کہ رکن دولت جستن ست — ہر کشادے در دل اندر بستن است

یہ واقعات بصورت جہوری نداد ے رہے ہیں کہ دقوقی کی دعا از خود تہی اور وہ اس فریق میں سے نہے جو مثبت دعا ہیں۔ اور ان کا رتبہ منکرین دعا سے اتنا کم تہا کہ وہ اونکو پہچان نہ سکے اور اونکو ضرورت تہی کہ وہ ایسے لوگوں کو طلب کریں۔ اور ان سے مستفیض ہوکر کاملیت سے اکملیت پر پہونچیں

ان تمام واقعات سے نسخۂ ثانیہ کی صحت واضح ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دقوقی کے اپنے معترضین کے نہ پہچانتے کو مضمون مصرع اول کی تائید میں بیانا مقصود ہے انہیں واقعات میں غور کرنے سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ؎

اشک رفت از دو چشمش وان دعا بیخود از وے مے بر آمد بر سما

میں لفظ بیخود فرط شفقت کے باعث انہماک فی الدعا کے سبب استعمال کیا گیا ہے اور آن دعائے بیخودان خود دیگرست میں لفظ بے خودان بمعنی مطلق فانیان مستعمل ہوا ہے جس میں اہل اللہ مثبتین دعا مثل دقوقے اور نافین دعا سب داخل ہیں۔ چنانچہ مولانا نے خود اُسکو صاف کر دیا۔ اور فرما دیا ہے۔ آں دعا حق میکند چوں او فناست ۔الخ۔ اور آن دعا و آں اجابت از خداست ۔ میں نسبت دعا بجناب حق سبحانہ عام ہے اِس سے کہ وہ ابتداء ہی سے منسوب بحق ہو جیسے کہ دعائے منکرین دعا جن پر اول ہی سے فنا غالب ہے یا ابتداءً تو داعین ہی کی طرف سے ہو مگر بعد غلبہ فنا در حالت دعا منسوب بحق سبحانہ ہو گئی ہو اُسوقت دعاء دقوقے کا منسوب بحق سبحانہ ہونا بھی صحیح ہو گا۔ اور از خود ہونا بھی درست ہو گا۔ کیونکہ وہ ابتداءً تو خود دقوقے کی جانب سے تھی اور بعد غلبہ فنا بحالت اشتغال بدعا منسوب بحق ہو گئی تھی اور معترضین کا یہ فرمانا بھی درست ہو گا کہ ؎

او فضولے بودہ است از انقباض
کرد بر مختار مطلق اعتراض

اس وقت یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے یا تو دقوقے کی دعا منسوب بحق نہ ہو گی یا اعتراض معترضین صحیح نہ ہو گا۔ اور یہ دونوں باتیں ظاہر کلام مولانا کے خلاف ہیں۔ وتقریر الدفع واضح۔

شرح شبیری

بعض اولیاء اللہ کی صفت کہ وہ احکام الٰہی پر راضی ہوتے اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اے اللہ اس حکم کو پھیر دے

بشنو اکنون قصۂ آن رہروان ⁂ کہ ندارند اعتراضے در جہان

یعنی اب اون سالکوں کا قصہ سنو جو کہ دنیا میں اعتراض نہیں رکھتے ہیں۔

ز اولیاء اہل دعا خود دیگر اند ⁂ کہ ہمی دوزند و گاہے مے درند

یعنی اولیاء اللہ میں سے اہل دعا اور ہی ہیں جو کہ کبھی سیتے ہیں اور کبھی پھاڑتے ہیں مطلب یہ کہ صورتاً کچھ اپنی رائی بھی لگاتے ہیں تو ایسے حضرات تو اور ہیں

قوم دیگر می شناسم ز اولیا ⁂ کہ دہانشان بستہ باشد از دعا

یعنی میں اولیاء اللہ کی ایک اور قوم پہچانتا ہوں کہ اون کا منہ دعا سے سلا ہوا ہے

از رضا کہ ہست رام آن کرام ⁂ جستن دفع قضاشان شد حرام

یعنی رضا کی وجہ سے جو کہ اون کرام کی مطیع ہی قضا کا دفعیہ تلاش کرنا اون کے لئے

حرام ہے (اسلئے کہ)

در قضا ذوقے ہمی بینند خاص — کفرشان آید طلب کردن خلاص

یعنی یہ حضرات قضا میں ایک ذوق خاص دیکھتے ہیں تو اون کو خلاصی طلب کرنا کفر معلوم ہوتا ہے۔

حسن ظنے بر دل ایشان کشود — کہ نپوشند از غمے جامہ کبود

یعنی اون کے قلب پر ایک حُسن ظن کھُل گیا ہے کہ وہ کسی غم کی وجہ سے جامۂ کبود نہیں پہنتے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اون کو قضا سے ایک حُسن ظن ہے اسلئے وہ کسی ظاہری غم سے غم نہیں کرتے +

ہر چہ آید پیش ایشان خوش بود — آب حیواں گردد ار آتش بود

یعنی اون کے سامنے جو کچھہ آتا ہے اچھا ہی معلوم ہوتا ہے اور اگر آتش بھی ہو وہ آب حیوان بنجاتی ہے +

زہر در حلقوم شان شکر بود — سنگ اندر راہ شاں گوہر بود

یعنی اون کے حلقوم میں زہر بھی شکر ہو جاتا ہے اور پتھر اونکی راہ میں گوہر ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ کسی بات کو دیکھتے ہیں کہ یہ اقتضا قضا کا ہے تو وہ اسپر راضی رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ بظاہر کیسی ہی ناگوار بات ہو۔ مگر اونکو گوارا اور خوش ہی معلوم ہوتی ہے۔ اسکی مثال ایسی سمجھو کہ اگر کوئی محبوب مجازی کسی عاشق سے ملے اور پکڑ کر اوسکی ناک دبا دے زور سے بغل میں دبا دے کہ اوس عاشق کی ہڈی پسلی الگ الگ ہونے لگے تو چونکہ یہ جانتا ہے کہ یہ جو کچھہ کر رہا ہے میرا محبوب کر رہا ہے اوسکو ان ظاہری تکلیف دہ باتوں سے تکلیف نہیں ہوتی

بلکہ اوسپر وہ سرور وصال اسقدر غالب ہوتا ہے کہ اِس کلفت کو محسوس ہونے ہی نہیں دیتا۔ تو اسی طرح یہ حضرات قضا رحق پر اس طرح راضی ہوتے ہیں کہ سچ یہ ہے کہ اونکو اوس سرور کیوجہ سے کرب اور تکلیف معلوم ہی نہیں ہوتی ہے۔

جملگی یکسان بود شان نیک و بد   از چہ باشد این ز حسن ظن خود

یعنی اون حضرات کو سب نیک و بد یکساں ہی ہوتا ہے۔ اور یہ کس وجہ سے ہوتا ہے اپنے حُسن ظن کیوجہ سے مطلب یہ کہ بظاہر گوارا ہو یا ناگوار وہ ہر حالتمیں خوش ہی رہتے ہیں اور اونکی یہ خوشی صرف اِس لیے ہوتی ہے کہ جو اون کو حق تعالی سے ایک حُسن ظن ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ خوش ہی رہتے ہیں۔

کفر باشد نزد شان کردن دعا   کاے الہٰ از ما بگردان این قضا

یعنی اون کے نزدیک دعا کرنا کہ اے الٰہی ہم سے اِس قضا کو پھیر دے کفر ہے مطلب یہ کہ وہ اسکو مشیت ایزدی میں دخل دینا سمجھتے ہیں اور مشیت میں دخل دینا کفر ہے ہی۔ لہذا وہ اپنے گمان کے مطابق اسکو کفر خیال کرتے ہیں۔ اور یہ انکی ایک حالت ہوتی ہے باقی اصل وہی ہے جو حالت کہ انبیاؑ کی تھی کہ رضا کے ساتھ دعا ہو آگے دو حکایتیں ایسی کہ وہ دعا کو پسند نہیں کرتے اور قضا پر راضی رہتے ہیں لاتے ہیں۔ ایک تو حضرت بہلولؒ کی کہ اونہوں نے کسی بزرگ سے سوال کیا تھا کہ آپکا مزاج کیسا ہے اونہوں نے کہا کہ اوس شخص کا مزاج کیا پوچھتے ہو کہ جسکی مرضی کے خلاف تمام جہان میں ایک پتا نہ ہلتا ہو۔ حضرت بہلولؒ بولے کہ اسکے کیا معنی ہیں اون بزرگ نے کہا کہ یہ تو مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا۔ اور جس نے اپنی مرضی کو مرضی حق میں فنا کر دیا ہو۔ اور اوسکو اتحاد (اصطلاحی) نصیب ہو چکا ہو تو جو کام کہ مرضی حق کے موافق ہونگے لامحالہ اُس شخص کی مرضی کے بھی موافق ہوں گے اور بے مرضی حق کے کوئی پتا

ہل نہیں سکتا لہذا اُس کی مرضی کے خلاف بھی کوئی کام جہان میں نہیں ہوتا۔ تو دیکھئے کہ حضرت کیسے راضی بقضا تھے اور ایک حکایت شیخ دقوقی کی بیان فرماویں گے جسکا خلاصہ انشاء اللہ جب وہ شروع ہوگا بیان کیا جاویگا۔ اب حضرت بہلولؒ کی حکایت سنئے۔

حضرت بہلولؒ کا ایک صاحب دل سے سوال کرنا اور اُن کا جواب دینا

گفت بہلول آن یکے درویش را　　چونۓ اے درویش واقف کن مرا

یعنی حضرت بہلول نے ایک درویش سے سوال کیا کہ اے درویش تم کیسے ہو ذرا مجھے بتاؤ تو مطلب یہ کہ پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے۔

گفت چوں باشد کسے کہ جاوداں　　برمراد او رود کار جہاں

یعنی اُن درویش نے کہا کہ وہ شخص کیسا ہوگا کہ ہمیشہ اُس کی مراد کے موافق دنیا کا کام چلتا ہو۔

سیل جوہا برمراد او روند　　اختران زانسان کہ او خواہد شوند

یعنی دریا کی رو اُس کی مراد کے موافق چلتی ہیں اور ستارے جسطرح وہ چاہتا ہے چلتے ہیں

زندگی و مرگ سرہنگان او　　برمراد او روانہ کو بکو

یعنی زندگی اور موت اُس کے خادم ہیں اور اُسکی مراد کے موافق کوبکو روانہ ہوتے ہیں

ہر کجا خواہد فرستد تعزیت ہر کجا خواہد بہ بخشد تہنیت

یعنی جہاں چاہے تعزیت کو بھیجدے اور جہاں چاہے تہنیت بخشدے۔

سالکان راہ ہم بر گام او ماندگاں از راہ ہم در دام او

یعنی سالکین راہ (حق) اُس کے قدم پر ہیں اور جو راہ سے رہے ہوئے ہیں وہ اُس کے دام میں ہیں۔

ہیچ دندانے نخندد در جہاں بے رضائے امر آں فرمانروا

یعنی کوئی دانت جہان میں اُس حاکم کی رضا کے بغیر ہنستا نہیں ہے۔

بے رضائے او نیفتد ہیچ برگ بے قضائے او نیاید ہیچ مرگ

یعنی بے اُس کی رضا کے ایک پتا نہیں گرتا اور بے اُسکی قضا کے کوئی موت نہیں آتی،

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ در جہان ز اوج ثریا تا سمک

یعنی بے اُس کی مراد کے جہان میں اوج ثریا سے سمک تک کوئی رگ نہیں ہلتی مطلب یہ کہ اُوپر سے لیکر نیچے تک کوئی کام بے اُس کی رضا کے نہیں ہوتا۔ اب اُس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ رضا کاموں کے تابع ہو جاوے کہ جو ہو رضا وہاں چاہی جاوے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کام رضا کے تابع ہوں۔ کہ جیسے مرضی ہو ویسے کام ہوا کریں۔ مگر یہاں صورت اول مراد ہے کہ جہاں میں جس قدر کام ہوتے ہیں ہم سب پر راضی ہوتے ہیں۔ آگے خود ہی وہ اِس صورت کو معین فرماویں گے۔ غرضکہ جب اُنہوں نے ایسی بات کہی جس سے کہ ظاہر اً معلوم ہوتا ہے کہ سارا جہان اُنکے تابع ہے تو حضرت بہلول کو سُنکر حیرت ہوئی اور بولے کہ۔

گفت اے شہ راست گفتی ہمچنیں　　در فر و سیمائے تو پیداست ایں

یعنی حضرت بہلول بولے کہ اے شاہ صاحب آپ نے ٹھیک فرمایا اسی طرح ہے اور آپ کی حالت اور علامت سے یہی ظاہر ہے۔

ایں و صد چندیں اے صادق و لیک　　شرح کن ایں را بیاں کن نیک نیک

یعنی یہ اور سوگنا اس سے اے صادق (سب سچ ہے) لیکن اس کی شرح کرو اور اُسکو خوب اچھی طرح بیان کرو۔ مطلب یہ کہ حضرت بہلول نے کہا کہ آپ نے جو کہا آپکی شان مجذوبیت تو اس سے بھی اعلیٰ ہے یہ اور سوگنا اور سب درست ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا اس کی شرح فرما دیجئے اور ذرا صاف کرکے بیان فرما دیجئے

آنچنانکہ فاضل و مرد فضول　　چوں بگوش او رسد آرد قبول

یعنی اس طرح (بیان فرمائیے) کہ فاضل اور غیر فاضل جس کے کان میں پہونچے وہ اُس کو قبول کرلے۔

آنچنانش شرح کن اندر کلام　　کہ آزاں ہم بہرہ یابد عقل عام

یعنی کلام میں اُس کی اس طرح شرح فرما دیجئے کہ اُس سے عقل عوام بھی حصہ پاوے مطلب یہ کہ اس طرح سلیس کرکے بیان فرما دیجئے کہ عوام بھی سمجھہ لیں۔ آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

ناطق کامل چوں خوان باشی بود　　بر سر خوانش زہر آشے بود

یعنی ناطق کامل مانند خوان والے کے ہوتا ہے اور اُس کے خوان ہر ہر قسم سے ہوتا ہے۔

تا نماند ہیچ مہماں بے نوا ہر کسے یابد غذائے خود جدا

یعنی یہاں تک کہ کوئی مہمان بے نوا کے نہیں رہتا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی غذا الگ الگ پاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میزبان کامل وہ ہے کہ جس کے دسترخوان پر ہر شخص کے موافق غذا ہے اور ہر شخص اپنی اپنی غذا کھالے تو اسی طرح ناطق کامل وہ ہے جس کے کلام سے ہر خاص وعام منتفع ہوسکے لہذا آپ نے اس بات کو اب تو اس طرح فرمایا ہے کہ سمجھنے والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن آپ کا کمال یہ ہے کہ اس کو اس طرح بھی بیان فرماویں کہ عوام بھی سمجھ لیں۔ آگے ایک دوسری ایسی کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو قرآں کہ بمعنے ہفت توست خاص را وعام را مطعم دروست

یعنی قرآن کی طرح کہ معنیً تو وہ ہفت تو ہے اور خاص اور عام کو اس میں مطعم ہے۔ یعنی جس طرح کہ قرآن شریف ہے کہ اس میں سے ہر شخص اپنے مطلب کے موافق بنالیتا ہے اسی طرح آپ بھی اس مضمون کو اس طرح بیان فرماویں کہ سب لوگ سمجھ لیں حضرت بہلول نے ان سے پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ۔

گفت ایں بارے یقیں شد پیش عام کہ جہاں در امر یزدان است رام

یعنی انہوں نے فرمایا کہ یہ تو عوام کے سامنے یقینی بات ہے کہ جہان امر خداوندی کا مطیع ہے۔

ہیچ برگے در نیفتد از درخت بے قضا و حکم آں سلطان تخت

یعنی کوئی پتا درخت سے بے قضا اور حکم اس سلطان تخت کے نہیں گرتا ہے۔

از وہاں لقمہ نشد سوئے گلو　　　تا نہ گوید لقمہ را حق کادخلوا

یعنی مُنہ سے لقمہ گلے کی طرف نہیں جاتا ہے جب تک کہ حق تعالیٰ لقمہ سے نہ فرماویں کہ داخل ہوجا۔

میل و رغبت کان زمام آدمی ست　　　جنبش آں رام امر آن غنی است

یعنی میل و رغبت جو کہ انسان کی ماں کی طرف سے ہے تو اُس الُفت کی جنبش اُس غنی (ہی) کے حکم سے ہے۔

در زمینہا و آسمانہا ذرّۂ　　　پر نجنباند نہ گردد پرّۂ

یعنی زمین و آسمان میں کوئی ذرہ پر نہیں ہلاتا اور نہ اُڑتا ہے۔

جز بفرمان قدیم نافذش　　　شرح نتواں کرد جلدی نیست خوش

یعنی سوائے اُن کے اُس فرمان قدیم نافذ کے (جسکی) شرح کر نہیں سکتے ہیں اور جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اُن کے احکام کی شرح کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِکَلِمَاتِ رَبِّیْ۔ الخ تو اس میں جلدی کرنا اچھا نہیں ہے۔

کہ اشمرد برگ درختاں را تمام　　　بے نہایت کے شود در نطق رام

یعنی تمام درختوں کے پتوں کو کون گن سکتا ہے اور بے نہایت گفتگو میں کب رام ہوسکتا ہے۔

این قدر بشنو کہ چون کلّے کار　　　مے نہ گردد جز بامر کردگار

یعنی اس قدر سُن لو کہ جب تمام کام بجز امر حق تعالیٰ کے ہوتا نہیں ہے۔

چوں قضائے حق رضائے بندہ شد　　حکم او را بندہ خواہندہ شد

یعنی جب قضائے حق بندہ کی رضا ہوگئی اور اُس کے حکم کے لئے بندہ خواہندہ ہوگیا تو بس جب اُس نے اپنی رضا کو تابع قضا کردیا اور خلاف قضا کے کوئی کام ہوتا نہیں تو اُس کی رضا کے خلاف بھی کوئی کام نہیں ہوتا۔

بے تکلف نے پئے مزد و ثواب　　بلکہ طبع او چنیں شد مستطاب

یعنی (اُس کی یہ حالت) بے تکلف ہوتی ہے نہ کہ طلب اجر و ثواب میں بلکہ اُسکی طبیعت ہی اس طرح ہو جاتی ہے۔ یعنے رضا بر قضا اُس کی طبیعت بن جاتی ہے، وہ اس لئے نہیں کرتا کہ اُس کو ثواب ملیگا۔ بلکہ صرف اِس لئے کہ اللہ تعالےٰ راضی ہوں گے۔

زندگی خود نخواہد بہر خود　　بے پئے ذوق حیات مستند

یعنی اپنی زندگی اپنے لئے نہیں چاہتا ہے اور نہ حیات مستند کے مزہ کی وجہ سے (بلکہ)

ہر کجا امر قدم را مسلکے است　　زندگی و مردگی پیشش یکے است

یعنی امر قدیم کا جہاں کہیں مسلک ہے زندگی اور موت اُس کے آگے ایک ہے، مطلب یہ کہ اگر امر حق موت کا ہے تو وہ موت پر راضی ہے اور اگر زندگی کا ہے، تو زندگی پر راضی ہے۔

بہر یزداں مے زید نے بہر گنج　　بہر یزداں مے مرد نز خوف و رنج

یعنی وہ اللہ ہی کے واسطے جیتا ہے نہ کہ روپیہ پیسہ کے واسطے اور اللہ ہی کے واسطے مرتا ہے نہ خوف و رنج کی وجہ سے۔

ہست ایمانش برائے خواہ او	نے برائے جنت و اشجار وجو

یعنی اُس کا ایمان بھی خدا کی مرضی ہی کے واسطے ہے نہ کہ جنت اور اشجار اور نہروں کے واسطے۔

ترک کفرش ہم برائے حق بود	نے زبیم آنکہ در آتش شود

یعنی اُس کا ترک کفر بھی خدا ہی کے واسطے ہوتا ہے نہ اس خوف سے کہ وہ آگ میں جاوے گا۔

این چنین آمد اصل آں خوی او	نے ریاضت نے زجستجوئے او

یعنی اُس کی عادت اصل ہی سے ایسی ہے نہ کسی ریاضت اور جستجو کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خاص اسمیں ریاضت کو دخل نہیں ہے بلکہ یہ ایک حال ہے لیکن ریاضت بھی بے کار نہیں ہے اس لئے کہ اگر ریاضت نہ ہو تو اِن باتوں کا اظہار کب ہو سکتا ہے؟

آنگہاں خندد کہ او بیند رضا	ہمچو حلوائے شکر او را قضا

یعنی اُس وقت ہنستا ہے جبکہ وہ (ہنسنے میں) رضا دیکھتا ہے اور قضا اُس کو حلوا اور شکر کی طرح (گوارا) ہوتی ہے۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ ایک حال ہے، مقام نہیں ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ۔

بندۂ کش خوئے و خصلت این بود	نے جہاں بر امر و فرمانش رود

یعنی جس بندہ کی کہ یہ خصلت و خو ہو تو کیا جہان اُس کے حکم کے موافق نہ چلے گا۔ (استفہام انکاری ہے یعنی ضرور اسی کی رضا کے موافق چلے گا)

پس چرا لابہ کند او یا دعا ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بگرداں اے خداوند این قضا

یعنی پھر وہ اس دعا میں کیوں زاری کرے کہ اے اللہ اس قضا کو پھیر دے اسلیئے کہ یہ دعا تو وہ کرے جو اُس سے راضی نہ ہو اور جب وہ اُس پر راضی ہے تو اُس کے پھر جانے کی دعا کیوں کرنے لگا ہے۔ ظاہر بات ہے۔ اُس کی تو یہ حالت ہے کہ)

مرگ او و مرگ فرزندان او ‌ ‌ ‌ ‌ بہر حق پیشش چو حلوا در گلو

یعنی اُس کی موت اور اُس کے بچوں کی اللہ کے واسطے اُس کے آگے مثل حلوے کے ہے حلق میں۔

نزع فرزندان بر آن باوفا ‌ ‌ ‌ ‌ چوں قطائف پیش شیخ بے نوا

یعنی اُس باوفا کے نزدیک بچوں کا نزع (ایسا ہوتا ہے) جیسے کہ میوے کسی شیخ بے نوا کے سامنے۔ مطلب یہ کہ اُس کے سامنے رضا بر قضا اُس کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔

پس چرا گوید دعا الا مگر ‌ ‌ ‌ ‌ در دعا بیند رضائے دادگر

یعنی پھر وہ دعا کیوں کرے ہاں مگر دعا میں وہ حق تعالےٰ کی رضا دیکھے۔ یعنی اگر اُس کو دُعا میں یہ معلوم ہو جاوے کہ اب دعا سے راضی ہونگے تو دعا کرتا ہے غرضکہ جس میں رضاء حق ہوتی ہے وہی اُس کی رضا ہوتی ہے۔

آں شفاعت و آں دعا نز رحم خود ‌ ‌ ‌ ‌ میکند آں بندۂ صاحب رشد

یعنی (درگاہ حق میں) سفارش اور دعا وہ صاحب رشد بندہ اپنے رحم کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ وہ بھی جب ہی کرتا ہے جبکہ رضائے حق دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ،

رحم خود را او ہما ندم سوختہ است — کہ چراغ عشق حق افروختہ است

یعنی اوسنے اپنے رحم کو اوسیوقت جلا دیا ہے جبکہ عشق حق کا چراغ جلایا ہے۔

دوزخ اوصاف او عشق است واو — سوخت مر اوصاف او را مو بمو

یعنی اوسکے اوصاف کی دوزخ عشق ہے اور اوس نے اوس کے اوصاف کو بالکلیہ جلا دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشق حق اوسکے اوصاف کے لیئے دوزخ کی طرح ہے اُس کے آتے ہی سارے صفات جل بجھ گئے اون ہی میں وصف رحم بھی ختم ہوا اور یہ شخص اب فنا فی رضا الحق ہوگیا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر طرق این فرقہ کے شناخت — چون دقوقی کو درین دولت بتاخت

یعنی ہر سالک نے ان فرقوں کو مثل دقوقی کے کب پہچانا ہے کہ وہ تو اس دولت میں دوڑے ہیں مطلب یہ ہے رضا بر قضا میں اور صبر میں جو فرق ہے اونکو ہر شخص تو نہیں جانتا جو کامل ہو وہی سمجھہ سکتا ہے ہاں دقوقی جن کا آگے قصہ آتا ہے۔ چونکہ وہ بھی کامل ہیں وہ بے شک پہچانتے تھے قصہ یہ ہے کہ ایک بزرگ دقوقی نامے سیلح تھے ایک جگہ پہونچے وہاں سات بزرگ اور تھے اون ساتوں نے ان دقوقی کو نماز میں امام بنایا یہ نماز کو کھڑے ہوئے تو اون کو مکشوف ہوا کہ ایک جہاز ڈوب رہا ہے اور اوس کے بیٹھنے والے بڑا غل وشور کر رہے ہیں اونھوں نے کھڑے کھڑے دعا کی کہ یا الہی اُنکو بچالے تو وہ ساتوں بزرگ الگ ہو کر بیٹھ گئے اور اون کے پیچھے نماز شروع ہی نہ کی۔ اور کہا کہ یہ شخص حق تعالیٰ کے کاموں میں دخل دیتا ہے کہ وہ اس جہاز کو ڈبونا چاہیں اور یہ دخل دیتا ہے لہذا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ یہ تو خلاصہ ہوا اوس قصہ کا اب یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مولانا اس مقام پر اون لوگوں کی مدح کرتے ہیں

جو کہ راضی برضائے حق اور بقضائے حق ہوں۔ اور دقوقی کے قصے سے اون سات بزرگوں
کا راضی برضا رہنا بیان کرنا مقصود ہی ہے۔ مگر یہاں دقوقی کی تعریف کرنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ انکو بھی کامل سمجھتے ہیں اور انکی بھی تعریف کرتے ہیں۔ تو اب یہ خلط ہوتا ہے
کہ آیا مولانا کو کسکی تعریف مقصود ہے جواب اِس کا یہ ہے کہ مولانا کو اصل میں اون ساتوں کی
کے کمال کو بیان کرنا مقصود ہے اور دقوقی پر اون ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر ایک طرح
دقوقی کی بھی تعریف فرما دی۔ اور مولانا کے اِس مقصود کے تعیین کے لیے اول ایک بات
سمجھ لو۔ وہ یہ کہ حدیث میں غزوۂ اُحد کا قصہ مذکور ہے اور اوس میں جو قیدی پکڑ کر آئے
تھے اونکی بابت حق تعالیٰ نے صحابہ کو اختیار دیا کہ خواہ انکو فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ اس صورت
میں تو اگلے سال تم میں سے ستر مارے جاویں گے اور خواہ اون کو قتل کر دو۔ تو حضرات
صحابہ نے فدیہ لیکر رہا کرنا اختیار کر لیا تھا تو پھر اسپر عتاب نازل ہوا اِس کی تفسیر میں
مفسرین بھی کہتے ہیں کہ صحابہ کو حق تعالیٰ نے اختیار (بالایار التحتانی) نہ دیا تھا۔ بلکہ
اختیار (بالباء الموحدۃ) یعنی آزمایش مقصود تھی اور حق تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہ قتل کیے
جاویں تو چونکہ اون حضرات کی رائے صواب کو نہ پہونچی اِس لئے عتاب ہوا اب سمجھو کہ
معلوم ہوتا ہے کہ دقوقی کو جو الہام ہوا تھا وہ بطور تخییر کے تھا کہ اگر چاہو تو دعا کر سکتے ہو
مگر حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ تو اون کو تو صرف الہام تخییر ہوا تھا اِس لیے اونہوں نے
تو دعا کر دی اور اون ساتوں کو اِس کا الہام ہوا کہ وہ جہاز ڈوب رہا ہے اور اسکا
بھی الہام ہوا کہ دقوقی کو جو دعا کا الہام ہوا ہے اوس میں اختیار دیا گیا ہے
اور منظور حق یہ ہے کہ جہاز ڈوب جاوے تو ان دقوقی کی نظر تو وہاں تک پہونچی
مگر یہ حضرات اِس بات میں ان سے بڑھے ہوئے تھے لہذا ونہوں نے
اسکو سمجھا اور ان کا اقتدا درست نہ سمجھا۔ بس اب کوئی اشکال بحمداللہ باقی نہ رہا
وللہ درّ مولانا اب آگے دقوقی کا قصہ بیان فرماتے ہیں +

شرح حبیبی

آن دقوقی داشت خوش دیباچهٔ — عاشق و صاحب کرامت خواجهٔ

بر زمین مے شد چو مہ بر آسمان — شب روان را گشته زو روشن روان

در مقامے مسکنے کم ساختے — کم دو روز اندر دہے انداختے

گفت در یک خانہ باشم گر دو روز — عشق آن مسکن کند در من فروز

عزة المسکن احاذرہا انا — انقلی یا نفس سافر للغنا

لا اعود خلق قلبی بالمکان — کی یکون خالصًا فی الامتحان

روز اندر سیر شد شب در نماز — چشم اندر شاہ باز او ہمچو باز

منقطع از خلق نے از بدخوئے — منفرد از مرد و زن نے از دوئی

مشفقے بر خلق نافع ہمچو آب — خوش شفیعے و دعایش مستجاب

نیک بد را مهربان و مستقر — بهتر از مادر شهی تر از پدر

گفت پیغمبر شما را ای مهان — چون پدر هستم شفیق و مهربان

زان سبب که جمله اجزائے منید — جزو را از کل چرا بر میکنید

جزو از کل قطع شد بیکار شد — عضو از تن قطع شد مردار شد

تا نه پیوندد بکل بار دگر — مرده باشد نبودش از جان خبر

ور بجنبد نیست خود او را سند — عضو نو ببریده هم جنبش کند

جزو ازین کل گر بر دیکسو رود — این نه آن کل ست کو ناقص شود

قطع و وصل او نیاید در مقال — چیز ناقص گفته شد بهر مثال

مر علیؓ را بر مثال شیر خواند — شیر مثل او نباشد گرچه مد

از مثال و مثل فرق آن بران — جانب قصهٔ قوتی بازران

آنکه در تقوی امام خلق بود — گوئے تقوی از فرشته می ربود

آنکه اندر سیر مه را مات کرد　　هم ز دینداری او دین رشک خورد

با چنین تقوے و اوراد و قیام　　طالب خاصان حق بودے مدام

در سفر معظم مرادش آن بُدی　　که دمے با بندۂ خاصی زدی

این همی گفتے چو مے رفتے براه　　کن قرین خاصگانم اے آله

یارب آنها را که بشناسد دلم　　بندۂ بسته میان و مجملم

وانکه نشناسد تو اے یزدان جان　　بر من محجوب شان کن مهربان

حضرتش گفتے که اے صدر مهین　　این چه عشقست و چه استسقاست این

مهر من داری چه مے جوئی دگر　　چون خدا با تست چون جوئی بشر

او بگفتے یارب اے دانای راز　　تو گشودی در دلم راهِ نیاز

در میان بحر اگر بنشسته ام　　طمع در آب سبو هم بسته ام

همچو داؤدم نود نعجه مراست　　طمع در نعجه حریفم هم بخاست

حرص اندر عشق تو فخرست و جاه | حرص اندر غیر تو ننگ و تباه

شهوت و حرص نران بیشی بود | وان حیزان ننگ و زشتی بود

حرص مردان از ره پیشی بود | در مخنث حرص سوئے پس رود

آن یکے حرص از کمال مردی ست | وان دگر حرص افتضاح و سردی ست

آه سرے هست اینجا بس نهان | که سوئے خضرے شود موسیٰ دوان

همچو مستسقی کز آبش سیر نیست | بر هر آنچه یافتی بالله مایست

بے نهایت حضرتست این بارگاه | صدر را بگذار صدر تست راه

از کلیم حق بیاموز اے کریم | بین چه مے گوید ز مشتاقی کلیم

دقوقی کی حالت بہت اچھی تھی وہ عاشقِ خدا اور صاحب کرامت شخص تھے
جس طرح چاند آسمان پر چلتا ہے وہ زمین پر چلتے تھے اور جس طرح رات کے
چلنے والوں کو چاند سے بصیرت حاصل ہوتی ہے یوں ہی ظلمات میں چلنے
والے گمراہ لوگوں کو اِن کے ذریعہ سے نور معرفت حاصل ہوتا تھا وہ ایک مقام پر
نہیں رہتے تھے۔ بلکہ ایک گاؤں میں دو دن بھی نہ رہتے تھے۔ اور بارہا اسکا
یہ بیان فرماتے تھے کہ اگر کسی گاؤں میں دو دن بھی رہوں گا تو اوس جگہ کی

محبت میرے دلمیں پیدا ہو جاویگی اور میں گہر کی محبت سے بچنا چاہتا ہوں اسلیئے کہتا ہوں کہ ارے نفس تو چل یہاں سے اور سفر کرتا کہ تجہے دولت حقیقی حاصل ہو۔ السفر وسیلۃ الظفر۔ میں اپنے دل کو کسی مکان کا خوگر نہیں بنانا چاہتا تاکہ وہ امتحان میں خالص اور غیر اللہ کی محبت کی آمیزش سے پاک رہے وہ دن بہر تو چلتے اور رات بہر نماز پڑہتے تہے ہمیشہ حق سبحانہ پر نظر رکہتے اور باز کی طرح اطاعت شہنشاہ حقیقی پر کمربستہ رہتے۔ مخلوق سے جُدا رہتے۔ مگر اس کا سبب بدخوئی نہ تہی وہ عورتوں اور مردوں سے الگ رہتے مگر مغائرت کے سبب نہیں۔ بلکہ اپنی حفاظت کے لیئے وہ مخلوق پر بیحد شفیق اور اون کے لیے پانی کی طرح نافع تہے وہ مشفق ہی تہے اور مستجاب الدعوات ہی اس لیئے مخلوق کو اون سے بہت نفع ہوپہنچتا تہا وہ اچہوں اور بروں سب پر مہربان اور سب کا مرجع تہے۔ یعنی ہر طرح کے لوگ اون سے اپنی حوائج میں مدد لیتے تہے غرض کہ وہ اون کے حق میں ماں سے بہتر اور باپ سے افضل تہے۔ کیونکہ وہ جانشین پیغمبر تہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تمہارے باپ سے زیادہ مشفق اور مہربان ہوں اس لیئے کہ تم سب میرے ہی اجزا ہو۔ کیونکہ تمہاری بقا اور حیات مجہہ سے وابستہ ہے پس تم اپنے کو مجہہ سے کیوں الگ کرتے ہو۔ دیکہو جب جزو کل سے الگ ہوجاتا ہے تو نکما ہو جاتا ہے اور جب کسی عضو کو جسم سے کاٹ ڈالا جاتا ہے تو مردار ہو جاتا ہے اور جب تک دوبارہ نہیں ملجاتا مردہ ہی رہتا ہے اور حیات کی اس کو ہوا بہی نہیں لگتی اگر کوئی مجہہ سے علاقہ قطع کرکے چلتا پہرتا کہاتا پیتا ہے۔ اور دیگر کام کرتا ہی تو یہ خیال کچہہ قابل اعتبار اور ہرگز دلیل حیات نہیں دیکہو کٹا ہوا عضو بہی تو کچہہ دیر تڑپتا ہے مگر اوس کے بعد ٹہنڈا ہو جاتا ہے۔ پس یہ حرکات ظاہرہ حقیقی حیات کی دلیل نہیں ہوسکتیں بلکہ حقیقۃً تو وہ مردار ہی ہے گو بظاہر زندہ معلوم ہو۔ اسپر یہ شبہ نکرنا کہ جس طرح جزو کے اپنے کل سے جدا ہو جانیسے

اوسکی حیات جاتی رہتی ہے یوں ہی کل میں بھی نقصان آجاتا ہے تو اس سے لازم آیا
کہ لوگوں کے قطع تعلق سے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نعوذ باللہ
نقصان آجاوے۔ کیونکہ یہ وہ کل نہیں ہے جو جزو کے قطع تعلق کرنے اور علیحدہ
ہو جانے سے ناقص ہو جاوے۔ بلکہ یہ دوسرے طرح کا کل ہے۔ اور اصل بات
یہ ہے کہ یہ جزویت اور کلیت اور ایک کا دوسرے کی ساتھہ اتصال وانقطاع
حقیقی نہیں ہے بلکہ تشبیہی ہے اور وہ خاص تعلق جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم اور لوگوں میں ہے اون کے انقطاع و انصال کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی
اسلئے تقریب فہم کے لئے ایک ناقص مثال بیان کردی گئی ہے تم نے اسکو
مثل سمجھہ لیا۔ اور شبہ کردیا۔ حالانکہ مثال اور چیز ہے اور مثل اور شے۔ مثلاً
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اسد اللہ اور مثال شیر کہا گیا ہے لیکن شیر تو کرمثل نہیں ہے۔ اس سے اجمالاً تمکو مثال اور
مثل میں فرق معلوم ہوجائیگا اور جو شبہ تمنے مثال کو مثل سمجھکر کیا تہا وہ دفع ہو جاویگا اچھا اب مثال و مثل اور
ان کے فرق کے قصہ کو الگ کردو اور دقوقی کے قصہ کی طرف چلو خیر تو دقوقی وہ شخص تھے جو فتویٰ
میں مقتدائے خلق تھے۔ اور تقوی میں سبقت لے گئے تھے اور جنہوں نے
سرعت سیر الی اللہ میں چاند کو مات کر دیا تھا۔ اور
جن کی دینداری پر خود دین کو رشک ہوتا تہا۔ (یعنی نہایت دیندار تھے
اور یہ ایک عنوان عرفی ہے۔ اس مضمون کے ادا کا) غرض کہ وہ اس قدر
تو پرہیزگار۔ وظیفے اور نوافل پڑہنے والے تھے مگر باانیہمہ ہمیشہ اہل اللہ کو
تلاش کرتے رہتے تھے سفر میں بڑا مقصد اون کا یہ ہوتا تہا کہ کسی وقت کسی
کامل سے ملاقات ہو جاوے جب وہ سفر کرتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے
کہ اے اللہ مجھے اپنے خاص بندوں سے ملادے اور اے اللہ جن کو میں
جانتا ہوں اون کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تو میں کمربستہ اور کجاوہ
لادے بیٹھے ہوں ہی لیکن جنکو میں نہیں جانتا مجھہ محجوب پر تو اونکو مہربان
کردے کہ وہ اپنے کو مجھپر ظاہر کردیں اسپر حق سبحانہ اون کے منہ سے

جواب سننے کے لیئے اون سے فرماتے کہ کیسا عشق اور کیسی پیاس ہے جب تم کو مجھ سے محبت ہے تو غیروں کو کیوں ڈھونڈھتے ہو۔ اور جب ہم تمھارے ساتھ ہیں تو آدمیوں کو کیا تلاش کرتے ہو۔ وہ جواب دیتے کہ اے اللہ آپ تو تمام اسرار سے واقف ہیں کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ آپنے میرے اندر تواضع کی کیفیت پیدا فرما دی ہے اسلیئے اگرچہ میں سمندر میں بیٹھا ہوں لیکن پھر بھی میری نظر گھڑے پر ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میں پانی سے محروم ہوں۔ اور گھڑا اوس سے لبریز ہے اسلیئے اُس سے پانی حاصل کرنا چاہیئے داؤد کی طرح کچھ اوپر نوٹ ۹ بھیڑیں میرے پاس ہیں مگر با اینہمہ اوروں کی بھیڑوں کی خواہش بھی رہتی ہے (داؤد علیہ السلام کے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بے اصل ہے بنا بر مشہور اس کا ذکر کیا گیا ہے) آپ کے عشق میں جس قدر حرص ہو فخر کی بات ہے اور سراسر عزت ہے اور دیگر امور میں حرص نہایت شرم کی بات اور موجب تباہی ہے مردوں کی خواہش ترقی کی طرف ہوتی ہے اور نامردوں کی رغبت شرمناک باتوں اور بھیک مانگنے وغیرہ کی طرف اور مردوں کی حرص آگے سے تعلق رکھتی ہے اور مخنث کی حرص پیچھے پہونچ جاتی ہے۔ پس ایک کی حرص تو کمال مردی سے ناشی ہے اور دوسرے کی سراسر رسوائی اور نقص ہے۔ یہاں ایک بہت مخفی راز ہے۔ کہ موسےٰ علیہ السلام خضر کی طلب میں جاتے ہیں حالانکہ ہر دو کے مراتب میں بہت فرق ہے (اس مقام پر یہ مضمون استطرادی ہے آگے اس کا قصہ صریحاً مذکور ہے اس کے بعد مضمون سابق کی طرف عود ہے) تمکو چاہیئے کہ طلب حق سبحانہ سے کبھی دست بردار نہو۔ اور یوں ہی طالب رہو جس طرح استسقا والا پانی سے سیر نہیں ہوتا۔ اور جس مرتبہ پر پہونچ جاؤ۔ اور خدا کے ساتھ تم کو جسقدر تعلق ہو جاوے اوسپر قناعت نکرو یاد رکھو کہ یہ درگاہ بے نہایت ہے اِس کے صدر مقام پر آدمی کبھی پہونچ ہی نہیں سکتا۔ پس تم مشیخت اور کمال کے خیال کو چھوڑ دو اور چلتے رہو۔ یہی مشیخت اور کمال ہے تم کلیم اللہ سے

سبق حاصل کرو۔ اور دیکھو کہ وہ فرطِ اشتیاق میں کیا کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں

شرح شبیری

قصہ دقوقی اور اُن کے کرامات کا

آن دقوقی داشت خوش دیباچۂ عاشق وصاحب کرامت خواجۂ

یعنی وہ دقوقی ایک اچھا چہرہ رکھتے تھے اور ایک عاشق (حق) اور صاحب کرامت خواجہ تھے +

بر زمین مے شد چو مہ بر آسمان شب روان را گشتہ زو روشن روان

یعنی زمین پر وہ چلتے تھے جیسے کہ چاند آسمان پر اور سالکوں کے لیئے اونکی وجہ سے راہ روشن ہو گئی تھی۔

در مقامے مسکنے کم ساختے کم دو روز اندر دہے انداختے

یعنی کسی ایک جگہ میں مسکن نہ بناتے تھے اور دو روز (بھی) کسی گاؤں میں کم ٹہیرتے تھے۔

گفت در یک خانہ باشم گر دو روز عشق آن مسکن کند در من فروز

یعنی کہا کرتے تھے کہ ایک جگہ اگر میں دو روز تک رہوں تو اوس جگہ کی محبت سے

دلیں روشن ہوجاوے۔

انقلی یا نفس سافر للغنا ء عزۃ المسکن احاذر ہا انا

یعنی مسکن کی عزت سے میں بچتا ہوں تو اے نفس سفر کر غنا کے واسطے

لا اعود حلق قلبی فی المکان کے یکون خالصاً فی الامتحان

یعنی میں اپنے قلب کے حلق کو مکان کا عادی نہیں بناتا تاکہ وہ امتحان (حق) میں خالص ہو

روز اندر سیر بُد شب در نماز چشم اندر شاہ باز او ہمچو باز

یعنی دن کو تو چلتے ہیں اور رات کو نماز میں رہتے ہیں اور حق تعالیٰ میں آنکھ کھلی ہو مثل باز کے۔ یعنی جس طرح کہ باز شکار کرتا ہے۔ اسی طرح وہ شکار معانی کا کرتے تھے۔

منقطع از خلق لے از بدخوئی منفرد از مرد و زن نے از دوئی

یعنی مخلوق سے منقطع مگر نہ کہ بدخوئی کی وجہ سے اور مرد و زن سے منفرد نہ نفرت کیوجہ سے (بلکہ)

مشفقے بر خلق نافع ہمچو آب خوش شفیعے و دعائش مستجاب

یعنی خلق پر وہ مشفق تھے پانی کی طرح اور شفیع (درگاہ حق میں) اور اونکی دعا (بھی) مستجاب تھی۔

نیک و بد را مہربان و مستقر بہتر از مادر شہے تر از پدر

یعنی نیک و بد (سب کے لیے) مہربان اور جائے قرار تھے اور ماں سے بہتر اور باپ سے زیادہ مرغوب۔ غرضکہ جب وہ اس قدر شفیق تھے لوگوں سے نفرت اور بدخوئی

کی وجہ سے کیوں الگ ہوتے۔ بلکہ بات یہ تھی کہ وہ تنہائی کے واسطے الگ رہا کرتے تھے چونکہ بزرگانِ دین نائب رسول ہوتے ہیں اور مستفیض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتے ہیں لہذا آگے مولانا حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی کو بیان فرماتے ہیں کہ

گفت پیغمبر شما را ائے مہاں　　چون پدر ہستم شفیق و مہربان

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے سردار و میں تمہارے لئے باپ کی طرح شفیق اور مہربان ہوں۔

زاں سبب کہ جملہ اجزائے منید　　جزو را از کل چرا برمے کنید

یعنی اس سبب سے کہ تم میرے اجزاء ہو تو جزو کو کل سے قطع کیوں کرتے ہو۔ جزو سے مراد تابع ہے۔ مطلب یہ کہ تم میرے اس طرح تابع ہو جیسے کہ جزو کل کے تو پھر مجھے قطع تعلق مت کرو اسلئے کہ

جزو از کل قطع شد بیکار شد　　عضو از تن قطع شد مردار شد

یعنی جزو کل سے قطع ہو گیا تو وہ جزو بیکار ہو گیا۔ اور عضو بدن سے قطع ہو گیا تو مردار ہو گیا

تا نہ پیوندد بکل بار دگر　　مردہ باشد نبودش از جان خبر

یعنی جب تک کہ دوبارہ کل سے نہ جڑے یہ جزو مردہ رہے گا۔ اور اسکو جان کی خبر بھی نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ اگرچہ الگ بھی ہو جاؤ تو چاہیئے کہ پھر ملجاؤ۔ اور اگر الگ رہوگے تو پھر کبھی حیات نہ آوے گی۔ اور اگر جلدی سے ملجاؤ گے تو حیات پھر لوٹ آوے گی۔ جیسے کہ عضو نو بریدہ کو فوراً جوڑ دو تو وہ جڑ جاتا ہے اور اگر کچھ روز پڑا رہے تو پھر بالکل بے جان ہو جاتا ہے۔ اب یہاں کوئی شبہ

کرتا ہے کہ جناب بعض لوگوں نے قطع کیا مگر اون کی عقل وغیرہ سب ویسی ہی رہی
تو وہ مردہ کہاں ہوئے یعنی اون کے حواس وغیرہ جاتے رہتے یہ کہاں ہوا
مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

ور بجنبد نیست خود او را سند　　عضو نو ببریدہ ہم جنبش کند

یعنی اگر وہ حرکت کرتا ہے تو اوسکی کوئی سند نہیں ہے کہ نیا کٹا ہوا عضو
جنبش کیا ہی کرتا ہے۔ (تو چونکہ قطع کو زیادہ مدت نہیں گذری اس لیے
عقل وغیرہ باقی ہے ورنہ دیکھنا کہ کچھ روز میں سب رفو چکر ہو جاوے گی)
یہاں ایک اور شبہ یہ ہوا کہ اگر جزو کی علیحدگی سے وہ بے کار ہو جاتا ہے تو
کل بھی تو ناقص ہو جاتا ہے تو اگر یہ لوگ بیکار ہوئے تو نعوذ باللہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم میں بھی نقص آیا۔ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ

جزو ازین کل گر برد یکسو رود　　این نہ آن کل است کو ناقص شود

یعنی جزو اگر اس کل سے کٹکر جاوے اور ایک طرف چلا جاوے
تو یہ تو کل نہیں ہے جو ناقص ہو گا۔

قطع و وصل او نیاید در مقال　　چیز ناقص گفتہ شد بہر مثال

یعنی ان کا قطع و وصل مقال میں آ نہیں سکتا۔ اور ایک شئے ناقص مثال کے
طور پر کہی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ ہمنے جو اوپر جزو و کل کی مثال دی ہے وہ
ایک ناقص مثال ہے ورنہ اصل میں پوری طرح وہ اوس کے مثل نہیں ہے
اور یہ وہ کامل نہیں ہے جو ناقص ہو جاوے

مر علیؓ را بر مثالِ شیر خواند　　شیر مثل او نباشد گرچہ راند

یعنی علیؓ کو شیر کی طرح کہا ہے تو شیر انکی مثل (من کل الوجوہ) نہیں ہوتا اگرچہ (یہ مثال) جاری ہوگئی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اگرچہ .... حضرت علیؓ کو اسد اللہ کہتے ہیں مگر وہ من کل الوجوہ تو شیر نہیں ہیں اسیطرح اگرچہ مثال جزو و کل کی دی ہے مگر یہ مثال خود ناقص ہے تو جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جزو کل کی طرح شفیق تھے اسی طرح وہ دقوقے صاحب بھی لوگونپر بہت شفقت فرماتے تھے۔ آگے پھراون کا قصہ ہے۔

دقوقے کے قصہ کی طرف لوٹنا

از مثال و مثل و فرق آن بران　　جانب قصہ دقوقے اے جوان

یعنی اے جوان مثال اور اوس کے فرق (کے بیان) دقوقے کے قصے کی طرف چلو

آنکہ در فتوے امام خلق بود　　گوئے تقوے از فرشتہ مے ربود

یعنی وہ دقوقے کہ فتوے میں خلق کے امام تھے اور تقوے کی گیند فرشتہ سے لیجاتے تھے یعنی تقوے میں فرشتوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

آنکہ اندر سیر مہ رامات کرد　　ہم ز دینداری او دین رشک خورد

یعنی وہ کہ چلنے میں چاند کو مات کرتے تھے اور اونکی دینداری سے اہل دین رشک کہاتے تھے۔

با چنین تقوی و اوراد و قیام　　طالب خاصان حق بودے مدام

یعنی باوجود ایسے تقوے اور اوراد۔ اور قیام کے وہ ہمیشہ خاصان حق کے طالب رہا کرتے تھے +

در سفر معظم مرادش آن بُدی　　که دمے با بندۂ خاصی زدے

یعنی سفر میں بڑی مراد اونکی یہ ہوتی تھی کہ ایکدم کسی بندۂ خاص کے ساتھ ملیں +

این همی گفتے چو مے رفتے براہ　　کن قرین خاصگانم اے الٰہ

یعنی جب راہ چلتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ اے اللہ (اپنے) خاص لوگوں کا مجھے ساتھی بنادے اور عرض کرتے تھے کہ ۔

یارب آنہا را کہ بشناسد دلم　　بندہ و بستہ میان و مجملم

یعنی اے اللہ جنکو کہ میرا دل جانتا ہے اون کا تو غلام کمربستہ اور محمل ہوں +

وانکہ نشناسد تو اے یزدان جان　　بر من محجوبشان کن مہربان

یعنی اے اللہ اور جنکو کہ میرا دل نہیں پہچانتا اون کو آپ مجھ محجوب پہ مہربان فرما دیجئے

حضرتش گفتے کہ اے صدر مہین　　این چہ عشق است و چہ استسقا است این

یعنی حضرت حق اونسے فرماتے کہ اے صدر اعظم یہ کیسا عشق ہے اور کیسا استسقا ہے (اور ارشاد ہوتا کہ)

مہر من داری چہ میجوئی دگر　　چون خدا با تست چہ جوئی بشر

یعنی میری محبت تو رہتے ہو اور کیا تلاش کرتے ہو اور جب خدا تمہارے ساتھ ہے تو بشر کو کیا تلاش کرتے ہو یعنی جب اللہ ساتھ ہے تو اہل اللہ کو کیوں ڈھونڈتے ہو

او بگفتی یارب اے دانائے راز　　تو کشودی در دلم راہِ نیاز

یعنی وہ عرض کرتے کہ اے اللہ دانائے راز آپ نے ہی تو میرے دل میں راہ تواضع کھول دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو میرے قلب میں تواضع پیدا فرما دی ہے اوسیکا یہ اثر ہے کہ میں اپنی احتیاج انسانوں سے اور اون لوگوں سے جو مجھ سے تعلق رکھنے والے ہیں ظاہر کرتا ہوں بزرگوں نے کہا ہے کہ درود شریف کثرت سے پڑھنا ہی تکبر کا علاج ہے اسلئے کہ اِس میں اِس کا اظہار ہے کہ باوجودیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت بشریت کے سب کے مماثل ہیں مگر ہم اون کی توجہ کے بھی محتاج ہیں +

۲۷۰۰ در میان بحر اگر بنشستہ ام　　طمع در آب سبو ہم بستہ ام

یعنی اگرچہ بحر کے درمیان میں بیٹھا ہوا ہوں مگر گھڑے کے پانی کی بھی حرص رکھتا ہوں +

ہمچو داؤدم نود نعجہ مراست　　طمع در نعجہ حریفم ہم بجاست

یعنی مثل داؤد علیہ السلام کے کہ نوے بکریاں میرے پاس ہیں مگر اپنے ساتھی کی بکری میں طمع کرنا بھی میرے لئے بجا ہے۔ مولانا اِس قصہ کو بنا بر مشہور نقل فرماتے ہیں ورنہ اصل میں یہ قصہ بالکل غلط در غلط ہے مقصود یہ ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اگرچہ مجھے قرب کامل حاصل ہے مگر جہاں کہیں کچھ بھی قرب حاصل ہوتے دیکھتا ہوں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بھی حاصل ہوجاوے۔

حرص اندر عشق تو فخر است و جاہ   حرص اندر غیر تو ننگ و تباہ

یعنی آپکی محبت کی حرص تو فخر ہے اور جاہ ہے اور آپکے غیر میں حرص کرنا یہ شرم اور تباہی ہے +

شہوت و حرص نران پیشے بود   وان حیزان ننگ و دریشے بود

یعنی مردوں کی حرص و شہوت تو آگے کی طرف ہوتی ہے اور وہ حیزوں اور نامردونکی شرم اور گداگری ہوتی ہے +

حرص داں ازرہ پیشے بود   در مخنث حرص سوئے پس رود

یعنی مردونکو تو حرص آگے کی طرف ہوتی ہے اور مخنث میں حرص پیچھے کی طرف جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ جو مرد ہیں اون کو تو حرص یہ ہوتی ہے کہ آگے چلکر ترقی کریں اور جو نامرد ہیں وہ اس دنیا ہی میں پڑے رہتے ہیں۔

آن یکے حرص از کمال مردی است   وان دگر حرص افتضاح و سردی است

یعنی وہ ایک حرص تو مردی کے کمال کیوجہ سے ہے اور وہ دوسری فضیحت اور افسردگی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

آہ سرے ہست اینجا بس نہان   کہ سوئے خضر مے شود موسیٰ دوان

یعنی آہ اسجگہ ایک بہت پوشیدہ بھید ہے کہ موسیٰؑ خضرؑ کی طرف دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے۔ مطلب یہ کہ اس طلب میں ایک عجیب بھید ہو کہ دیکھو طلب وہ چیز ہے کہ موسےٰؑ جیسے جلیل القدر نبی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جاویں۔ دیکھو آخر طلب حق ہی تھی جب ہی تو ایسا ہوا۔

ہمچو مستسقی کزآبش سیر نیست | بر ہر آنچہ یافتی باللہ مایست

یعنی مستسقی کی طرح اوسکو پانی سے سیری نہیں ہوتی۔ تو تم جس چیز پر پہونچو خدا کی قسم کہڑے مت ہو۔ اِس لیئے کہ۔

چون گذشتی زان دگر نوتر رسد | آن یکے بالا تراز و در رسد

یعنی جب تم اوس سے گذر جاؤ گے تو ایک اور نئی شے ملیگی۔ اور وہ ایک اوس سے بالا ملے گا ÷

بے نہایت حضرتست این بارگاہ | صدر را بگذار صدر تست راہ

یعنی یہ درگاہ بے نہایت بارگاہ ہے تم صدر کو ترک کرو اسلئے تمہارا صدر تو راہ ہی ہے۔ مطلب یہ کہ تم کسی جگہ پر ٹھیرو مت کہ وہاں پہونچکر تم صدر بنالو بلکہ تمہارا صدر تو یہی ہے کہ بس راہ طے کرتے چلے جاؤ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

اے برادر بے نہایت درگہے است | ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

آگے حضرت موسٰی علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کے پاس جانیکا راز بیان فرماتے ہیں کہ

شرح حبیبی

با چنین جاہ و چنین پیغمبری | طالب خضرم زخود بینی برے

موسیا تو قوم خود را ہشتۂ	در پئے نیکو پئے سرگشتۂ
کیقبادے رستہ از خوف و رجا	چند گردی چند جوئے تا کجا
آن تو با تست و تو واقف برین	آسمانا چند پیمائے زمین
گفت موسے این ملامت کم کنید	آفتاب و ماہ را رہ کم زنید
میروم تا مجمع البحرین من	تا شوم مصحوب سلطان زمن
اجعل الخضر لامری سببا	ذاک او امضے و اسری حقبا
سالہا پرم ز پر و بالہا	سالہا چہ بود ہزاران سالہا
میروم یعنے نمی ارزد بدان	عشق جانان کم مدان از عشق نان
این سخن پایان ندارد ای عمو	داستان آن فتی قوتے باز گو

الحمد للہ کہ مجھے حق سبحانہ نے اسقدر مرتبہ اور پیغمبری کی اتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے لیکن با انیہمہ میں طالب خضر ہوں اور خود بینی سے مبرا۔ لوگوں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ اے موسےؑ تمنے اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور ایک نیک شخص کی طلب میں سرگرداں ہو۔ آپ تو اپنے وقت کے

شہنشاہ ہیں آپ کا مرتبہ خوف ورجا سے جو مبتدین کی حالت ہے نہایت ارفع ہے۔ بلکہ آپ تو ہیبت اور انس کے درجہ میں ہیں فرمایئے آپ کب تک گھومتے اور تلاش کرتے رہیں گے۔ اور یہ کیفیت کب تک رہے گی۔ آپ کا مطلوب آپکے پاس ہے اور آپ کو اس کا علم بھی ہے پھر آپ آسمان ہو کر زمین کے گرد کب تک چکر لگائیں گے۔ لیکن اونہوں نے یہ جواب دیا کہ صاحبو مجھپر ملامت نہ کرو۔ اور آفتاب و ماہتاب کے قران میں دراندازی مت کرو۔ میں مجمع البحرین پر ضرور جاؤں گا۔ تاکہ میں ایک بادشاہ وقت کی مصاحبت کا شرف حاصل کروں۔ میں خضرؑ کو اپنے مقصود کے تحصیل کا ذریعہ ضرور بناؤں گا۔ پس یا تو وہ ملجائیں گے یا میں گھومتے پھرتے زمانہ گذاردوں گا اور اپنی پوری قوت سے برسوں کوشش کروں گا۔ برسوں کیا بلکہ ہزاروں برسوں تک اِس کوشش کو نہ چھوڑوں گا۔ اچھا اب میں جاتا ہوں اب مولانا دریافت فرماتے ہیں کہ تم بتاؤ کہ کیا یہ ان کا جانا نازیبا تھا۔ ہرگز نہیں اسلئے کہ خدا کا عشق روٹی کی محبت سے کم نہیں جب روٹی کے لیے پھرنا گوارا ہوتا ہے اور ناپسند نہیں کیا جاتا تو طلب خدا کے لیے پھرنا ناگوار اور ناپسند کیوں ہوگا۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہوگئی اب پیردقوقی کا قصہ بیان کرنا چاہیئے +

شرح شبیری

موسیٰ علیہ السلام کے باوجود ان کے

کمال نبوت و تقرب حق کے خضر علیہ السلام کو تلاش کرنے کا بھید

از کلیم حق بیاموز اے کریم		ہین چہ میگوید ز مشتاقی کلیم

یعنی اے کریم کلیم حق سے سیکھو کہ وہ کلیم مشتاقی کیوجہ سے (طلب میں) کیا کہہ رہے ہیں ÷

با چنیں جاہ و چنین پیغمبری		طالب خضرم ز خود بینی بری

یعنی باوجود ایسے مرتبہ اور ایسی پیغمبری کے (رکھتے ہیں کہ) میں طالب خضر ہوں اور خود بینی سے بری ہوں۔ آگے ایک سوال جواب فرضی نقل فرماتے ہیں کہ مثلاً کوئی موسےٰ علیہ السلام سے یہ کہتا ہے کہ

موسیا تو قوم خود را ہشتۂ		در پئے آن نیکوئے سرگشتۂ

یعنی اے موسیٰؑ آپنے اپنی قوم کو چھوڑا ہے اور اوس ایک نیک کے پیچھے سرگشتہ ہو رہے ہو۔

کیقبادی رستہ از خوف و رجا		چند گردی چند جوئی تا کجا

یعنی آپ تو کیقباد ہیں اور خوف و رجا سے چھوٹے ہوئے ہیں تو آپ کہانتک پھریں گے اور کہاں تک تلاش کریں گے خوف و رجا بتدی کی حالت کو کہتے ہیں اور انس و محبت منتہی کی اور قبض و بسط متوسط کی حالت کو کہتے ہیں تو خوف و رجا سے رستہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ آپ حالت ابتدائی سے

چھوٹے ہوئے ہیں اور حالت انتہائی تک پہنچے ہوئے ہیں +

آن تو با تست و تو واقف بریں　　آسمانا چند پیمائے زمین

یعنی تمہاری چیز تو تمہارے ساتھ ہے اور تم اوس سے واقف بھی ہو تو اے آسمان تم زمین کو کب تک پیمایش کروگے مطلب یہ کہ تم کامل ہو کر اپنے سے کم درجہ والونکی طلب میں کیوں پھرتے ہو۔

گفت موسےٰ ایں ملامت کم کنید　　آفتاب و ماہ را رہ کم زنید

یعنی موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ملامت مت کرو۔ اور آفتاب و ماہ کی رہزنی مت کرو۔

می روم تا مجمع البحرین من　　تا شوم مصحوب سلطان زمن

یعنی میں مجمع البحرین تک جاؤں گا۔ جب تک کہ میں اوس سلطان زمن کا ساتھی نہ ہو جاؤں +

اجعل الخضر لامری سببا　　ذاک او امضی و اسری حقبا

یعنی میں خضر کو اپنی بات کے لیئے سبب بناؤں گا　یا یہ کو چلا جاؤں گا اور سالہا سال تک چلتا رہونگا +

سالہا پرم بہ پر و بالہا　　سالہا چہ بود ہزاران سالہا

یعنی میں سالہا سال تک پر و بال سے اڑونگا۔ اور سالہا کیا ہزاروں سال تک

می روم یعنی نمی ارزد بدان　　عشق جانان کم مدان از عشق نان

یعنی اگر ہزاروں سال تک چلتا رہوں گا یعنی یہ اوسکی برابر نہیں ہے اور عشق جانان کو عشق نان سے کم مت جانو۔ مطلب یہ کہ روٹی کے لیے انسان کیسی کیسی طلب کرتا ہے تو اگر حق تعالیٰ کے لیئے وہ طلب کرے تو کیا حرج ہے ÷

این سخن پایان ندارد ای عمو　　داستان آن دقوقی باز گو

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی ہے اے چچا تو اب تم دقوقی کی داستان پھر بیان کرو

شرح حبیبی

آن دقوقی رحمتہ اللہ علیہ	گفت سافرت مدتی لی خافقیہ
سالہا رفتم سفر از عشق راہ	بیخبر از راہ و حیران در الٰہ
پا برہنہ مے روی بر خار و سنگ	گفت من حیرانم و بیخویش و دنگ
تو مبین این پایہا را بر زمین	زانکہ بر دل میرود عاشق یقین
از رہ و منزل ز کوتاہ و دراز	دل چہ داند کوست مست دلنواز
این دراز و کوتہ اوصاف تن است	رفتن ارواح دیگر رفتن است

تو سفر کردی ز نطفه تا بعقل — بی لگامے بود منزل نی بنقل

سیر جان بیچون بود در دور و دیر — جسم ما از جان بیاموزید سیر

سیر جان هر کس نه بیند جان من — لیک سیر جسم باشد در علن

سیر جسمانه رها کرد او کنون — میرود بیچون نهان در شکل چون

گفت روزی می شدم مشتاق وار — تا ببینم در بشر انوار یار

تا ببینم قلزمے در قطرهٔ — آفتابی درج اندر ذرهٔ

چون رسیدم سوئے یک ساحل بگام — بود بیگه گشته روز و وقت شام

هفت شمع از دور دیدم ناگهان — اندران ساحل شتابیدم بدان

نور شعله هر یکے شمعے ازان — بر شده خوش تا عنان آسمان

خیره گشتم خیرگی هم خیره گشت — موج حیرت عقل را از سر گذشت

کاین چگونه شمعها افروخته است — این دو دیده خلق ازاینها دوخته است

خلق جویان چراغ کشته بود — پیش آن شمعی که بر مه می فزود

چشم بندی بد عجب بر دیده ها — بندشان میکرد یهدی من یشاء

باز می دیدم که میشد هفت یک — نور او بشگافتی جیب فلک

باز آن یکبار دیگر هفت شد — مستی و حیرانی من زفت شد

اتصالاتی میان شمعها — که نیاید بر زبان و گفت ما

آنکه یک دیدن کند ادراک آن — سالها نتوان نمودن از زبان

آنکه یکدم بیندش ادراک و هوش — سالها نتوان نمود آنرا بگوش

چونکه پایانی ندارد رو الیک — زانکه لا احصی ثنا را ما علیک

پیشتر رفتم دوان کان شمعها — تا چه چیزست از نشان کبریا

می شدم مدهوش و بیخویش و خراب — تا بیفتادم ز تعجیل و شتاب

ساعتی بی عقل و بیهوش اندرین — اوفتادم بر سر خاک زمین

باز با ہوش آمدم برخاستم — در روش گوئے نہ سرنے پاستم
ہفت شمع اندر نظر شد ہفت مرد — نور شان مے شد بہ سقف لاجورد
پیش آن انوار نور روز درد — از صلابت نورہا را مے سپرد
باز حیران گشتم اندر صنع رب — کاینچنین چون شد چگونہ است اے عجب
بیشتر رفتم کہ نیکو بنگرم — تا چہ حالست اینکہ مے گردد سرم
باز ہر یک مرد شد شکل درخت — چشم از سبزی ایشان نیکبخت
زانبہے برگ پیدا نیست شاخ — برگ ہم گم گشتہ از میوہ فراخ
ہر درختے شاخ بر سدرہ زدہ — سدرہ چہ بود از خلا بیرون شدہ
بیخ ہر یک رفتہ در قعر زمین — زیر تر از گاو و ماہی بد یقین
بیخ شان از شاخ خندان روئے تر — عقل از ان اشکالہا زیر و زبر
میوہ کہ بر شگافیدے عیان — ہمچو آب از میوہ جستی نور آن

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں ایک عرصہ تک اطراف عالم میں پھرتا اور سفر کرتا رہا۔ اور حالت یہ تھی کہ میں باوجودیکہ برسوں سفر کرتا رہا۔ مگر راہ حق کی محبت کے سبب مجھے رستہ کی کچھ خبر نہ تھی اور میں حق سبحانہ کی ذات میں بالکل محو تھا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب ان سے کوئی کہتا کہ آپ کانٹوں اور کنکروں پتھروں میں ننگے پاؤں چلتے ہیں تو وہ یہ جواب دیتے کہ مجھ پر حیرت غالب ہے اور میں آپے میں نہیں ہوں۔ اور بالکل متحیر ہوں مجھے نہ کانٹوں کی خبر ہوتی ہے نہ کنکروں پتھروں کی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ لوگو تم ان کے پاؤں کو زمین پر نہ دیکھو اس لئے کہ عاشق خدا گو بظاہر زمین پر چلتا ہے مگر حقیقت میں وہ دل پر چلتا اور منازل باطنیہ کو طے کرتا ہے اور متعارف رستہ اور متعارف منزل اور دور اور پاس سے دل کو کیا واسطہ۔ کیونکہ وہ تو حق سبحانہ کا مست اور لطیفہ غیبی ہے اور لمبا اور مختصر تو اوصاف جسمانیت سے ہیں سیر روحانی تو اور ہی قسم کی ہے اور اس میں نہ کانٹے لگتے ہیں نہ کنکریں چبھتی ہیں نہ راہ کی درازی اور کوتاہی محسوس ہوتی ہے دیکھو تم نے نطفہ سے عقل تک سفر کیا یعنی ایک وقت میں تم نطفہ تھے پھر عاقل ہو گئے لیکن نہ یہ مسافت قدم سے طے ہوئی ہے نہ انتقال مکانی سے بس سیر الی اللہ کو اسی پر قیاس کر لو۔ روح چونکہ مجردات سے ہے اس لئے اسکی سیر بیچون اور بے کیف ہے تم روح کی سیر کا انکار نہ کرنا اس لئے کہ ہمارے جسم نے یہ زمان و مکان میں چلنا اسی سے سیکھا ہے کیونکہ وہی محرک ہے پھر اسکی سیر میں کیا استبعاد ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ روح چونکہ خود غیر محسوس ہے اس لیے اسکی سیر بھی ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برخلاف جسم محسوس ہے اس لیے اسکی رفتار بھی محسوس ہوتی ہے اب دقوقی محض سیر جسمانی کو چھوڑ چکا ہے۔ بلکہ اسی سیر جسمانی کے پردہ میں وہ سیر روحانی کر رہا ہے اس لیئے نہ اسکو

کانٹے کی خبر ہوتی ہے نہ کنکر کی نہ قرب راہ کی نہ بُعد راہ کی خیر تو ضمنی گفتگو تھی اب ہم پھر اصل قصہ کیطرف عود کرتے ہیں سنو اونہوں نے کہا کہ میں ایک دن مشتاقانہ جا رہا تھا تا کہ کسی شخص کے اندر انوار حق سبحانہ مشاہدہ کروں اور تا کہ ایک قطرہ کے اندر قلزم اور ایک ذرہ کے اندر آفتاب دیکھوں جب میں چلتے چلتے ساحل تک پہونچا تو دن ڈہلے وقت ہو چکا تہا اور شام ہوگئی تہی اتنے میں میں نے اچانک دور سے سات شمعیں دیکھیں یہ دیکھکر میں اونکی طرف چلا ایک شمع کے نور اور شعلہ کی یہ حالت تہی کہ آسمان تک پہونچتا تہا۔ یہ دیکھ کر میں متحیر ہوگیا۔ میں کیا متحیر ہوگیا خود میری حیرت بہی متحیر ہوگئی اور دریائے حیرت کی موج عقل کے سر سے گذر گئی میں سوچتا تہا کہ کیسی شمعیں روشن ہیں اور لوگوں کی آنکھیں بند ہیں اون کو دکہلائی نہیں دیتیں کیونکہ لوگ ان شمعوں کے ہوتے ہوئے جو چاند سے بہی بڑہی ہوئی تہیں کسی ٹمٹمانے والے چراغ کو تلاش کر رہے تہے اور اون کی آنکھوں کی عجیب طرح سے نظر بندی کی ہوئی تہی تم جانتے ہو کہ وہ نظر بندی کس نے کر رکہی تہی سنو وہ نظر بندی حق سبحانہ کی صفت اضلال نے کر رکہی تہی۔ پہر میں نے دیکہا کہ وہ ساتوں شمعیں ایک بن گئیں اور اوس کا نور اس قدر تیز ہوا کہ آسمان کے پار جاتا تہا پہر میں نے دیکھا کہ وہ پہر سات ہوگئیں ابتو میری بیخودی اور حیرانی اور بہی بڑہ گئی ان شمعوں کے درمیان جو اتصالات اور ارتباطات تہے ہماری زبان اور الفاظ انکی حقیقت کے بیان کرنے کے لیے ناکافی ہیں اور صرف دیکھنے سے تعلق رکہتے ہیں کیونکہ جس حقیقت کا ادراک ایک نظر کر سکتی ہے اسکو برسوں میں بہی زبان سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا اور جو امر فہم سلیم سے ایکدم میں معلوم ہو سکتا ہے اوسکو کان میں برسوں میں بہی نہیں پہونچایا جا سکتا۔ چونکہ اسکا بیان بے انتہا ہے لہذا تم جاؤ اپنا کام کرو۔ ہمارے پیچھے نہ پڑو۔ کیونکہ اس کے

ذرا سے بھی اوصاف تمہارے سامنے بیان نہیں کرسکتے۔ خیر میں آگے بڑھا کہ دیکھوں تو سہی یہ خدا کی کیسی نشانی ہے میں مدہوش اور بیخود اور خستہ حال جا رہا تھا حتیٰ کہ میں جلدی کے مارے گر بھی گیا۔ کچھ دیر تک تو میں بے ہوش و حواس زمین پر پڑا رہا اسکے بعد مجھے ہوش آیا۔ تو میں اُٹھا اور یوں چلا کہ مجھے نہ سر کی خبر تھی نہ پاؤں کی اتنے میں وہ سات شمعیں سات آدمی دکھلائی دینے لگے اِن کے نور کی بھی یہی حالت تھی کہ آسمان تک پہونچتا تھا اون کے نور کے سامنے دنکا نور مکدر معلوم ہوتا تھا وہ اپنی قوت سے تمام نوروں کو فنا کئے دیتا تھا۔ یہ دیکھکر میں حق سبحانہ کی صنعت میں اور بھی حیران ہوگیا۔ کہ یہ قصہ کیا ہے اور یہ معاملہ کیونکر ہے میں اور آگے بڑھا کہ دیکھوں کیا حال ہے جس کے سبب سے میرا دماغ چکرا رہا ہے اِس کے بعد ہر شخص ایک درخت بن گیا جس کی سبزی سے آنکھوں کو سرور حاصل ہوتا تھا۔ اور پتے اسقدر کثرت سے تھے کہ شاخیں نظر نہ آتی تھیں۔ اور بڑے بڑے میووں کے اندر پتے بھی چھپ گئے تھے اور اونچے اسقدر تھے کہ ہر درخت کی شاخ سدرۃ المنتہیٰ سے ٹکراتی تھی بسدرہ کیا آسمانوں سے اوپر خلا میں پہونچتی تھی اور جڑ کی یہ حالت تھی کہ زمین کی تہ تک اور گاؤ زمین اور ماہی زمین کے نیچے پہونچی ہوئی تھی ایک عجیب بات یہ تھی کہ انکی جڑ شاخوں سے بھی زیادہ دلچسپ تھی ان صورتوں کو دیکھکر عقل اولٹ پلٹ ہوتی تھی اور کچھ راز سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جو میوہ پھٹتا تھا عرق کی طرح اوس میں سے نور نکلتا تھا۔

دقوقی علیہ الرحمۃ کے قصہ کیطرف رجوع

آن دقوقی رحمۃ اللہ علیہ
گفت سافرت مدی فی خافقیہ

یعنی اون دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک مدت تک اطراف عالم میں سفر کیا ہے۔

سال و مہ رفتم سفر از عشق ماہ
بیخبر از راہ و حیران در آلہ

یعنی میں نے برسوں اور مہینوں تک عشق حق میں سفر کیا ہے۔ کہ میں راہ سے بیخبر تہا اور حق تعالی میں حیران تہا۔

پا برہنہ رفتہ ام بر خار و سنگ
گفت من حیرانم و بیخویش و دنگ

یعنی میں پا برہنہ خار و سنگ پر چلا ہوں اور فرمایا ہے کہ میں حیران اور بے خویش اور دنگ ہوں ؛

تو مبین این پایہا را بر زمین
زانکہ بر دل میرود عاشق یقین

یعنی تم ان پاؤں کو زمین پرست دیکھو اسلئے کہ عاشق تو یقیناً دل پر چلتا ہے مطلب یہ کہ اس سے شبہ مت کرو کہ پاؤں سے یہ اسقدر مسافت کس طرح طے کرسکے۔ اس لیے کہ عاشق ان پاؤں سے چلتے نہیں بلکہ وہ دل سے چلتے ہیں۔ اور انکی یہ حالت ہے کہ۔

از رہ و منزل ز کوتاہ و دراز
دل چہ داند کوست مست دلنواز

یعنی راستہ اور منزل سے اور کوتاہ و دراز سے دل کیا جانے اس لیے کہ وہ تو دلنواز کا مست ہے۔

این دراز و کوتہ اوصاف تن است رفتن ارواح دیگر رفتن است

یعنی یہ دراز اور کوتاہ سب اوصاف تن سے ہے اور ارواح کا چلنا اور چلنا ہے (وہ ان ظاہری قدم کے چلنے پر موقوف نہیں ہے) یہاں کسیکو شبہ ہوا۔ کہ بھلا بے پاؤں کے کوئی کس طرح چل سکتا ہے۔ آگے بے پاؤں کے چلنے کی نظیر فرماتے ہیں کہ۔

تو سفر کردی ز نطفہ تا بعقل نے بگامے بود منزل نے بہ نقل

یعنی تمنے نطفہ سے عاقل ہونے تک سفر کیا نہ تو قدم سے ہنی یہ (طے) منزل اور نقل سے۔ مطلب یہ کہ نطفہ سے اتنے بڑے بن گئے اور اسقدر مسافت کو طے کر لیا تم ہی بتاؤ کہ کون سے قدم سے طے کیا ہے بس جس طرح وہاں طے کر لیا اوسیطرح یہ حضرات بھی بے ان قدموں کے چل سکتے ہیں:۔

سیر جان بیرون بود از دور و دیر جسم ما از جان بیاموزید سیر

یعنی سیر جان باہر ہوتی ہے اور ہمارے جسم دور و دیر میں جان ہی سے سیر سیکھی ہے۔ دور سے مراد مسافت مکانی اور دیر سے مراد مسافت زمانی مطلب یہ کہ سیر جان سب سے الگ ہوتی ہے اور مسافت زمانی اور مکانی سب جسم کو روح ہی کے بدولت میسر ہیں ورنہ اگر روح نہو تو جسم کیسے مسافت قطع کر سکتا ہے+

سیر جان ہر کس نہ بیند جان من لیک سیر جسم باشد در علن

یعنی پیارے سیر جان کو ہر شخص نہیں دیکھتا لیکن جسم کی سیر علانیہ ہوتی ہے (اسکیں سب دیکھتے ہیں۔ لہذا اونکو سیر روحانی کو سنکر تعجب ہوتا ہی کہ کیونکر ہو گئی ورنہ بعید نہیں)

سیر جسمانہ رہا کرد او کنون   میرود بیچون نہان در شکل چون

یعنی ان دقیقی نے سیر جسمی کو ترک کر دیا تھا اور اب وہ بے کیف شکل کیف میں چلا کرتے تھے مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ قدموں سے چلتے تھے مگر اصل میں وہ ترقی روحانی کیا کرتے تھے +

گفت روزی می شدم مشتاق وار   تا ببینم در بشر انوار یار

یعنی اونہوں نے کہا ہے کہ ایک روز میں مشتاق کی طرح چلا تا کہ میں بشر میں انوار یار دیکھوں +

تا ببینم قلزمی در قطرہ   آفتابی درج اندر ذرہ

یعنی تا کہ میں ایک قلزم کو ایک قطرہ میں دیکھوں اور ایک آفتاب کو ذرہ کے اندر دیکھوں قلزم سے مراد محبت حق قطرہ سے انسان آفتاب سے بھی حضرت حق اور ذرہ سے انسان۔ تو یہ اس تلاش میں تھے کہ کسی انسان میں تجلی حق دیکھوں آگے فرماتے ہیں کہ

ایک ساحل کیطرف ساتشمعونکی صورت دکھائی دینا

چون رسیدم سوئے یک ساحل بگام   بود بیگہ گشتہ روز و وقت شام

یعنی کہ جب میں ایک ساحل پر پہونچا تو دن بے وقت ہو گیا تھا اور شام کا وقت تھا۔

بعد ازان ناگہ چہ دیدم گو ہمیت   تا کہ دانی سر آن افزو ہمیت

یعنے بعد اس کے ناگاہ کیا دیکھا جو کہ میں تجھہ سے بیان کرتا ہوں تاکہ تم اوس کے بھید کو جان لو۔ اور کچھہ زیادہ بیان کروں گا۔ مطلب یہ ہے کہ میں وہ عجیب بات تم سے بیان کروں گا اور اوس سے کچھہ زائد بھی بیان کروں گا۔

ہفت شمع از دور دیدم ناگہان   اندران ساحل شتابیدم بدانؔ

یعنی ناگہاں دور سے میں نے سات شمعیں دیکھیں تو اوس ساحل میں میں اونکی طرف دوڑا

نور و شعلہ ہر یکے شمعے ازان   بر شدہ خوش تا عنان آسمانؔ

یعنی ہر ایک شمع کا اونمیں سے نور اور شعلہ عنان آسمان تک پہونچا ہوا تہا۔

خیرہ گشتم خیرگے ہم خیرہ گشت   موج حیرت عقل را از سر گذشت

یعنی میں حیران رہ گیا اور حیرانی بہی حیران ہوگئی اور حیرت کی موج عقل کے سر سے گذر گئی۔

کاین چگونہ شمعہا افروختست   کاین دو دیدہ خلق زینہا دوختہ ست

یعنی کہ یہ کیسی شمعیں روشن ہیں کہ جن سے مخلوق کی دونوں آنکھیں سلی ہوئی ہیں

خلق جویان چراغے گشتہ بود   پیش آن شمعے کہ بر مہ می فزود

یعنی مخلوق چراغ تلاش کر رہی تہی سامنے اوس شمع کے جو چاند سے سبقت لیگئی تہی (چونکہ وہ نور اولیاء اللہ کا تہا اسلیئے ان کو تو مکشوف ہوا مگر ہر ایک کو وہ نظر نہ آتا تہا اولیاء اوس کا اولیاء اللہ کا نور ہونا آگے خود معلوم ہوگا

بعض محشیین نے اسکو اسمار حق کا ظہور کہا ہے اور تاویلیں کی ہیں سب لغو ہے سیدھی بات یہ ہے کہ وہ سات اولیاء اللہ جن کا ذکر آگے آوے گا اونکا یہ نور ہی تھا ✤

چشم بندی بد عجب بر دیدہ ہا　　بند شان میکرد یہدی من یشاء

یعنی آنکھوں پر ایک عجیب پردہ تہا کہ اونکو وہ ذات بند کرتی تہی۔ جو کہ یہدی من تشاء ویفعل من یشاء ہے یعنی جس کی یہ شان ہے اوس نے وہ پردہ آنکھوں پر ڈال رکہے تھے ✤

اون سات شمعوں کا ایک ہوجانا

باز میدیدم کہ می شد ہفت یک　　مے شکافد نور او جیب فلک

یعنی پہر میں نے دیکھا کہ وہ سات ایک ہو گئیں کہ اوس کا نور جیب فلک کو پہاڑے ڈالتا ہے ✤

باز آن یکبار دیگر ہفت شد　　مستی و حیرانی من زفت شد

یعنی پہر وہ ایکبار ہی سات ہو گئیں اور میری مستی اور حیرانی عظیم ہو گئی۔

اتصالاتے میان شمعہا　　کہ نیاید بر زبان و گفت ما

یعنی وہ اتصالات درمیان اون شمعوں کے ہماری زبان اور گفتگو میں آ نہیں سکتے ✤

آنکہ یک دیدن کند ادراک آن　　سالہا نتوان نمودن از زبان

یعنی وہ بات کہ ایک دیکھنا اوس کا ادراک کرلیتا ہے سالہا سال تک اوسکو زبان سے بیان نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ اگر بیان بھی کیا جائے تو وہ حالت جو دقوقی کے دیکھنے کے وقت ہوئی تھی کب ہوسکتی ہے ❖

آنکہ یکدم بیندش ادراک ہوش　　سالہا نتوان نمودن آن بگوش

یعنی وہ چیز کہ ایکدم میں اسکو ادراک ہوش دیکھ لیتا ہے سالہا سال میں بھی اوسکو کان تک (اوس طرح) نہیں کرسکے ❖

چونکہ پایانے ندارد رو الیک　　زانکہ لا احصی ثناءً علیک

یعنی جبکہ یہ انتہا نہیں رکھتا تو تم اپنی طرف جاؤ (یعنی چپ رہو) اسلئے کہ لا احصی ثناء علیک (ارشاد ہے تو تم کہاں سے بیان کرسکتے ہو)

بیشتر رفتم دوان کان شمعہا　　تا چہ چیز ست از نشان کبریا

یعنی میں آگے کو دوڑتا ہوا چلا کہ وہ شمعیں آخر کہاں ہیں نشان کبریا سے ❖

میشدم مدہوش و بیخویش و خراب　　تا بیفتادم ز تعجیل و شتاب

یعنی میں مدہوش اور بیخود اور خراب ہوگیا۔ یہاں تک کہ جلدی اور دوڑنے کی وجہ سے گر بھی پڑا۔

ساعتے بے عقل و بیہوش اندرین　　اوفتادم بر سر خاک زمین

یعنی ایک گھڑی بے عقل و بے ہوش اسی حالت میں خاک زمین پر پڑا رہا ❖

باز با ہوش آمدم بر خاستم   در روش گوئی کہ بے سر پاستم

یعنی پھر میں ہوش میں اور چلنے میں اٹھا گویا کہ میرے نہ سر تھا اور نہ پاؤں
(غرض کہ عجب حال تھا)

اوس شیخ کی نظر میں اون شمعون کا سات آدمی دکھائی دینا

ہفت شمع اندر نظر شد ہفت مرد   نور شان می شد بہ سقف لاجورد

یعنی سات شمعیں دیکھنے میں سات آدمی ہو گئے کہ اون کا نور آسمان سے گذرتا تھا

پیش آن انوار نور روز درد   از صلابت نورہا را مے سترد

یعنی اون انوار کے آگے نور روز بھی درد تھا۔ اور تیزی کیوجہ سے نور کو
زائل کرتی تھی ؞

باز حیران گشتم اندر صنع رب   کانچنین چون شد چگونہ است اے عجب

یعنی میں پھر صنعت حق میں حیران ہوا کہ اس طرح کیونکر ہو گیا اور تعجب ہے کہ کس طرح ہو گیا

بیشتر رفتم کہ نیکو بنگرم   تا چہ حالست اینکہ میگردد سرم

یعنے کہ میں آگے چلا تاکہ اچھی طرح دیکھہ لوں کہ کیا حال ہے
آیا میرا سر پھر رہا ہے ؞

پھر اُن سات آدمیوں کا سات درخت ہو جانا

باز ہر یک مرد شد شکل درخت
چشم از سبزی ایشاں نیکبخت

یعنی پھر ہر ایک آدمی درخت کی شکل بنگیا۔ کہ آنکھ اُن کی سبزی سے ٹھنڈی ہوتی تھی۔

زانبہے برگ پیدا نیست شاخ
برگ ہم گم گشتہ از میوہ فراخ

یعنی پتوں کی زیادتی کی وجہ سے تو شاخ ظاہر نہ تھی اور میوہ کی زیادتی کی وجہ سے پتے ہی گم ہو گئے تھے

ہر درختے شاخ بر سدرہ زدہ
سدرہ چہ بود از خلا بیروں شدہ

یعنی ہر شاخ (اس قدر بلند تھی کہ) سدرہ سے نکلی ہوئی اور سدرہ کیا لامکان سے باہر نکلی ہوئی تھی۔

بیخ ہر ایک رفتہ در قعر زمین
زیر تر از گاؤ ماہی بد یقین

یعنی جڑ ہر ایک کی قعر زمین تک گئی ہوئی اور گائے اور مچھلی سے بھی یقیناً نیچے تھی مشہور ہے کہ ساتوں زمینوں کے نیچے ایک گائے اور ایک مچھلی ہے تو مولانا بھی اسی بنا پر مشہور پر فرماتے ہیں کہ اُنکی جڑ اُس گائے اور مچھلی سے بھی نیچے پہونچی تھی یعنی بہت ہی نیچے تک تھی۔

بیخ شاں از شاخ خنداں روی تر
عقل از اں اشکال شاں زیر و زبر

یعنی اُنکی جڑ شاخ سے زیادہ ہنستی ہوئی تو عقل اُنکی اشکال سے زیر و زبر (حیران) تھی مطلب یہ کہ جڑ اکثر بھدی ہوتی ہے مگر ان کی جڑ بھی بہت ہی خوبصورت تھی۔

میوہ کہ بر شگافیدے عیاں
ہمچو آب از میوہ جستے نور آں

یعنی جو میوہ کہ عیاناً پھٹتا تو پانی کی اُس کے اندر سے اُس کا نور نکلتا۔

شرح حبیبی

آن عجب تر کہ بر ایشان میگذشت | صد ہزاران خلق از صحرا و دشت

ز آرزوئے سایہ جان می باختند | از گلیمے سائبان مے ساختند

سایۂ آن را نمی دیدند ہیچ | صد تفو بر دیدہائے پیچ پیچ

ختم کردہ قہر حق بر دیدہا | کہ نہ بیند ماہ را بیند سہا

ذرۂ را بیند و خورشید نے | لیک از لطف و کرم نومید نے

کاروانہا بے نوا ویں میوہا | پختہ مے ریزد چہ سحر است ای خدا

سیب پوسیدہ ہمی چیدند خلق | درہم افتادہ ز یغما خشک حلق

گفتہ ہر برگ و شگوفہ آن غصون | دمبدم یالیت قومے یعلمون

بانگ مے آمد ز سوئے ہر درخت | سوئے ما آئید خلق شور بخت

بانگ مے آمد ز غیرت بر شجر | چشم شان بستیم کلا لا وزر

گر کسے مے گفت شان کانیسو روید | تا ازین اشجار مستعد شوید

جملہ می گفتند کاین مسکین سست / از قضاء اللہ دیوانہ شدست

مغز این مسکین ز سودائی دراز / وز ریاضت گشت فاسد چون پیاز

او عجب ماند یا رب حال چیست / خلق را این پردۂ اضلال چیست

خلق گوناگون و با صد رائی و عقل / یک قدم اینسو نمی آرند نقل

عاقلان و زیرکان شان ز اتفاق / گشتہ منکر زینچنین باغی عاق

یا منم دیوانہ و خیرہ شدہ / دیو برمن غالب و چیرہ شدہ

چشم میمالم بہر لحظہ کہ من / خواب بینم یا خیال اندر زمن

خواب چہ بود بر درختان میروم / میوہا شان میخورم چون نگروم

باز چون من بنگرم در منکران / کہ ہمی گیرند زین بستان کران

با کمال احتیاج و افتقار / ز آرزوئے نیم غورہ جان سپار

ز اشتیاق و حرص یک برگ درخت / مے زنند این بے نوایان آہ سخت

در ہزیمت زین درخت و زین ثمار / این خلائق صد ہزاران در ہزار

باز میگویم عجب من بیخودم / دست بر شاخ خیال در زدم

ہین بخوان استیاس الرسل ای عمو / تا بظنوا انہم قد کذبوا

این قرأت خوان بہ تخفیف کذب / این بود کہ خویش بیند محتجب

در گمان افتاد جان انبیا	ز اتفاق منکرے اشقیا
جاءهم بعد التشکک نصرنا	ترک شان گو بر درخت جان بیا
میخور و میده بدان کش روزی ست	هر دم و هر لحظه سحر آموزی ست
خلق گویان ای عجب این بانگ چیست	چونکه صحرا از درخت و بر تهیست
گیج گشتیم از دم سودائیان	که به نزدیک شما باغ ست و خوان
چشم میمالم که اینجا باغ نیست	یا بیابانے ست یا مشکل رهیست
این عجب چندین دراز این ماجرا	چون بود بیهوده و هزل و خطا
من همی گویم چو ایشان ای عجب	اینچنین مهرے چرا زد صنع رب
زین تنازعها محمد در عجب	در تعجب نیز مانده بولهب
زین عجب تا آن عجب فرقیست ژست	تا چه خواهد کرد سلطان شگرف
ای دمی توقی تیز تر دو هین خموش	چند گوئی چند چون قحطست گوش

مذکورہ بالا باتوں سے بھی زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ لاکھوں کروڑوں مخلوق اس جنگل سے ہوکر اور اُنکے پاس سے گذرتی تھی اور سایہ کے لئے جان دے رہی تھی اور کمبل سائبان بناتی تھی تاکہ شبنم وغیرہ نقصان نہ پہنچائے لیکن انکے سایہ کو ذرا بھی کوئی نہ دیکھتا تھا۔ پھٹکار ایسی غلط بین آنکھوں پر۔ قہر حق سبحانہ نے اُن آنکھوں پر مہر کردی ہے یا یوں کہو کہ حق سبحانہ نے اپنا قہر ختم کردیا ہے اُن آنکھوں پر جو اس قدر غلط بین ہوں کہ چاند کو تو نہ دیکھ سکیں اور سہا کو دیکھیں۔ اور اعلیٰ تو انکو نظر نہ آوے اور ادنیٰ نظر آوے۔ وہ ذرہ کو دیکھیں اور آفتاب کو

نہ دیکھیں۔ یہ سب کچھ ہے کہ حق سبحانہ نے اُن آنکھوں پر مہر ہی کر دی ہے اور اپنا قہر ہی
اُن پر ختم کر دیا ہے مگر مایوسی ایسی حالت میں بھی نہونی چاہئے اس لئے کہ ایک قضا
کو دوسری قضا بدل سکتی ہے اور جس نے مہر کی ہے وہ سب کو توڑ بھی سکتا ہے اور
جس نے قہر کو ختم کیا ہے وہ رحمت کاملہ بھی کر سکتا ہے۔ خیر تو کہنا یہ ہے کہ قافلہ بے
سروسامان ہے اور میوے پڑے ہوئے ہیں۔ اور کوئی نہیں دیکھتا اے اللہ یہ کیا
طلسم ہے۔ باوجودیکہ گلے سڑے سیبوں کے اُٹھانے کے لئے لوگ ایک دوسرے پر
گرے پڑتے ہیں۔ مگر اس نعمت سے محروم ہیں اور انکی طرف کوئی التفات بھی نہیں
کرتا۔ یہ حالت دیکھکر ہر پتا اور ہر شگوفہ یوں کہہ رہا تھا کہ اے کاش یہ لوگ ہمکو جان لیں
اور ہم سے منتفع ہوں اور ہر درخت ان کو یوں آواز دے رہا تھا اے بدبخت لوگو ہماری
طرف آؤ یہاں تم کو میوے بھی ملیں گے اور سایہ بھی ملیگا جب وہ اس ندا پر کچھ بھی التفات
نہ کرتے تھے تو غیرت حق سبحانہ درختوں کو آواز دیتی اور کہتی تھی کہ ہمنے انکی آنکھیں بند
کر دی ہیں اب ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔ نیز ان لوگوں کی یہ حالت تھی کہ
اگر کوئی شخص (مثلاً میں) ان سے کہتا کہ ارے اس طرف آؤ تا کہ ان درختوں سے
منتفع ہو تو اُس کا وہ یوں جواب دیتے کہ یہ بیچارہ اپنی ہوش میں نہیں ہے خدا کے
حکم سے پاگل ہو گیا ہے اور ظاہری سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ تک اوہام میں مبتلا رہا
ہے اور ریاضت شاقہ سے اس کا دماغ پیاز کی طرح سڑ گیا ہے وہ بیچارہ داعی یہ
سنکر متحیر رہجاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے اللہ یہ کیا بات ہے اور گمراہی کے پردے انکی
آنکھوں پر کیسے پڑے ہوئے ہیں۔ مختلف طرح کے لوگ ہیں اور بڑے بڑے عقلمند اور
اہل الرائے بھی ہیں۔ لیکن میری بات کوئی نہیں سمجھتا۔ اور اس طرف ایک قدم بھی نہیں
بڑھاتا۔ ان لوگوں میں جو لوگ عقلمند اور دانا ہیں وہ بھی مخالفانہ اس باغ کے منکر اور
نہ ماننے والے ہیں اور یا مجھ میں ہی پاگل اور حواس باختہ ہو گیا ہوں۔ اور شیطان مجھ پر
غالب ہو گیا ہے کہ وہ مجھے غیر واقعات کو واقعات دکھلا رہا ہے۔ میں ہر دم آنکھیں ملتا
ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا میری متخیلہ کا تصرف ہے۔ پھر کہتا ہوں

کہ نہیں جی خواب وخیال کیا جب میں انکے پاس جاتا ہوں اور انکے میوے چنتا اور کھاتا
ہوں تو کون سی جبر ہے کہ میں انکی واقعیت کا اعتقاد نہ رکھوں لیکن جب میں منکروں کی
حالت دیکھتا ہوں کہ باوجودیکہ ان کی کامل حاجت اور ضرورت ہے اور وہ نصف گوشہ
کے لئے جان دینے پر آمادہ ہیں اور درخت کی ایک پتی کے لئے بے سروسامان
لوگ ہائے وائے کرتے ہیں مگر باایں ہمہ یہ لاکھوں کروڑوں آدمی ان درختوں اور پہلوں سے
بھاگتے ہیں تو میں پھر مذبذب ہو جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں بھی عجیب بیہوش ہوں
کہ خیالی شاخ کو پکڑ رکھا ہے اور خیال کو حقیقت واقعیہ سمجھ رہا ہوں اب مولانا پر
ارشاد کا غلبہ ہوتا ہے اور صورت واقعہ اُنکی پیش نظر ہوتی ہے اور وہ اس مذبذب
کی دستگیری فرماتے اور کہتے ہیں کہ اے طالب حق تو ہمت نہ ہار اور حتی اذا استیئس
الرسل وظنوا انھم قد کذبوا بقراۃ تخفیف کذبوا پڑھ اس سے تجھ کو معلوم ہوگا
کہ اہل اللہ خواہ چھوٹے رتبے کے ہوں یا بڑے کے کبھی اپنی محجوب عن الحق ہونے کا
خیال ہو جاتا ہے گو اس خیال کے قوت اور اس کا ضعف اُن کے مرتبے کے موافق
ہوتا ہے حتی کہ انبیاء کو بھی یہ واقعہ پیش آیا ہے، مگر وہاں وہ خیال انکے مرتبہ کے
موافق اور وسوسہ غیر اختیاریہ کے درجہ میں تھا وہم وشک اور ظن اصطلاحی کے
مرتبہ میں نہ تھا چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار منکرین سے ان کو یہ وسوسہ ہوا
کہ کہیں یہ وحی جو ہم پر ہوتی ہے غلط تو نہیں کیونکہ اگر سچ ہوتی تو ان منکرین کو انکی ہٹ
دھرمی اور انکار پر سزا کیوں نہ ہوتی لیکن اس کے ساتھ ہی حق سبحانہ تائید بھی فرماتے
اور اس وسوسہ سے نجات بھی دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ (بلا اختیار) اُن کو یہ
وسوسہ ضرور ہوا مگر فوراً ہی ہم نے اُنکی تائید کی جس سے وہ وسوسہ مٹ گیا پس تو ان منکرین
کو ان کے حال پر چھوڑ اس درخت جان کے پاس آ۔ اور اُس کے میوے خود ہی کھا
اور جن کی قسمت میں ان کا کھانا ہے انکو بھی کھلا تو ایک ہی طلسم کو دیکھکر چکر میں آگیا۔ عالم
میں تو ہر دم اور لحظہ اس قسم کے لاکھوں طلسم نظر آتے ہیں اس مضمون کو ختم کرکے مولانا
پھر مضمون سابق کی طرف عود کرکے فرماتے ہیں کہ وہ داعی کہتا ہے کہ جب میں اُن کو درختوں

کی طرف بلاتا تو وہ کہتے کہ تعجب ہے یہ کیسی آواز ہے اور ان دیواروں کی گفتگو سے تو ہمارا دماغ خبط ہو گیا۔ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قریب ایک باغ ہے جس میں کھانے کے میوے ہیں ہم آنکھ مل کر غور سے دیکھتے ہیں تو نہ کہیں باغ ہے نہ میوہ یا تو جنگل ہی یا دشوار گذار راستہ اس پر میں کہتا کہ غضب کی بات ہے کہ ان کو دکھلائی نہیں دیتا اور یہ اس کو بے اصل سمجھتے ہیں بھلا اتنا طویل قصہ بیہودہ اور بے اصل اور غلط کیسے ہو سکتا ہے غرض کہ جس طرح ان کو تعجب ہوتا تھا کہ میں بھی متحیر تھا کہ دیکھو حق سبحانہ نے انکی آنکھوں پر کیسی مہر کر رکھی ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی قسم کے مجادلوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیرت ہوتی تھی۔ اور وہ تعجب کرتے تھے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ باایں ہمہ وضوح یہ لوگ حق کو نہیں سمجھتے اور ادھر ابو لہب کو تعجب ہوتا تھا کہ محمد کو کیا ہو گیا۔ کہ (نعوذ باللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے لیکن دونوں تعجبوں میں گہرا فرق تھا کیونکہ ایک کا منشا وضوح حق تھا اور دوسرے کا خفاء حق۔ اچھا اسے چھوڑو۔ اور یہ دیکھو کہ اب ولایت قلب کا عجیب بادشاہ وقتے کیا کرتا ہے۔ ہاں وقوقی شاہ صاحب آپ آپ جملہ معترضوں کے بیان میں کب تک مصروف رہینگے ان سے زبان بند کیجئے اور جلدی سے اصل قصہ بیان کیجئے ہمارے کان اصل قصہ سننے کے بیحد مشتاق ہیں

اُن درختوں کا لوگوں کی آنکھوں سے مخفی ہونا

ایں عجب تر کہ بر ایشاں میگذشت　　　صد ہزاران خلق از صحرا و دشت

یعنی یہ عجیب بات تھی کہ اُن پر لاکھو مخلوق صحرا و دشت سے گذرتی تھی۔

ز آرزوئے سایہ جاں می باختند　　　از گلیمے سائباں مے ساختند

یعنی سایہ کی آرزو میں جانبازی کرتے تھے اور کمبل کا سائبان بناتے تھے۔

سایہ آن را نمی دیدند ہیچ   صد تفو بر دیدہائے پیچ پیچ

یعنی وہ لوگ اُس درخت کے سایہ کو بالکل نہ دیکھتے تھے تو ایسی پیچ در پیچ آنکھوں پر تُف ہے

ختم کردہ قہر حق بر دیدہا   کہ نہ بیند ماہ را بیند سُہا

یعنی حق تعالے کے قہر نے آنکھوں پر مہر کر رکھی ہے کہ چاند کو دیکھتے نہیں ہیں اور سُہا کو دیکھتے ہیں۔ سہا نام ہے ایک ستارہ کا جو بنات النعش کے ساتھ ایک بہت ہی ذرا سا ستارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ناقص چیزوں پر تو نظر پڑتی ہے اور کامل پر نظر نہیں پڑتی۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ

ذرہ را بیند و خورشید نے   لیک از لطف و کرم نومید نے

یعنی ذرہ کو دیکھتے ہیں اور خورشید کو نہیں لیکن لطف و کرم (حق) سے ناامید (بھی) نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بصیرت حاصل نہیں ہے مگر پھر بھی اُنکو بھی لطف حق سے ناامیدی نہیں ہے اور یہ حالت تھی کہ

کاروانہا بے نوا وین میوہا   پختہ مے ریزد چہ سحرست اے خدا

یعنی قافلے بے توشہ کے ہیں اور یہ میوے پختہ گر رہے ہیں اے اللہ کیا سحر ہے۔

سیب پوسیدہ ہمی چیدند خلق   درہم افتادہ بہ یغما خشک حلق

یعنی مخلوق بوسیدہ سیبوں کو چنتی تھی اور لوٹ میں خشک حلق ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے

گفت ہر برگ و شگوفہ آن غصون   دمبدم یالیت قومے یعلمون

یعنی ہر پتا اور شگوفہ ان شاخوں کا دمبدم کہتا تھا کہ کاش میری قوم مجھے۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ تو آدمی تھے اس سے یہ کہتے تھے کہ دیکھو یہ لوگ فیض حاصل نہیں کرتے کاش اگر یہ ہماری حقیقت سے واقف ہوتے تو مستفیض ہوتے۔

بانگ می آمد ز سوئے ہر درخت   سوئے ما آیید خلق شور بخت

یعنی ہر درخت کی طرف سے آواز آتی تھی کہ اے شور بخت لوگو ہماری طرف آؤ ممکن نہ ہے یہ آواز آتی ہو اور لوگ نہ سن سکتے ہوں ۔

بانگ می آمد ز غیرت بر شجر　　چشم شان بستیم کلّا لا وزر

یعنی شجر پر غیرت (حق) کی وجہ سے آواز آتی تھی کہ ہمنے انکی آنکھیں بند کر دی ہیں تو اب کوئی بوجھ نہیں ہے مطلب یہ کہ جب وہ شجر لوگوں کو اپنی طرف بلاتے تھے تو غیب سے انکو آواز آتی تھی کہ بلانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہم نے انکی آنکھیں بند کر دی ہیں۔ یہ تمہارے انوار و برکات کو دیکھ نہیں سکتے ۔

گر کسے میگفت شان کایسو روید　　تا ازین اشجار مستسعد شوید

یعنی اگر کوئی اُن لوگوں سے کہتا کہ اس طرف دوڑو تاکہ ان اشجار سے سعادت حاصل کرنے والے ہو۔ گر کسے میگفت میں کسے سے مراد خود وہ قوقی ہی ہیں اول سے تو اپنے کو متکلم کے صیغہ سے تعبیر کر رہے تھے یہاں صنعت التفات ہے۔

جملہ می گفتند کایں مسکین مست　　از قضاء اللہ دیوانہ شد است

یعنی سارے کہتے ہیں کہ یہ بیچارہ مست قضاء الٰہی سے دیوانہ ہوگیا ہے (اور کہتے کہ)

مغز ایں مسکین ز سودائے دراز　　وز ریاضت گشت فاسد چوں پیاز

یعنی اس بیچارہ کا دماغ سودائے دراز اور ریاضت کی وجہ سے پیاز کی طرح فاسد ہوگیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب یہ لوگوں کو ان کے برکات حاصل کرنے کو بلاتے تو وہ لوگ ان کو دیوانہ بتاتے اور انکی یہ حالت تھی جس کو فرماتے ہیں کہ

او عجب می ماند یارب حال چیست　　خلق را ایں پردۂ اضلال چیست

یعنی وہ کہتے کہ اے اللہ یہ حال کیا ہے اور خلق کیلئے یہ کیا اضلال کا پردہ ہے۔

خلق گوناگون با صد رائے و عقل　　　　یکقدم اینسو نمی آرند نقل

یعنی قسم قسم کی مخلوق باوجود سو رائے اور عقل کے اس طرف کو ایک قدم بھی نقل (کرکے) نہیں لاتے۔

عاقلان و زیرکان شان ز اتفاق　　　　گشته منکر زینچنین باغے و عاق

یعنی اُن کے عاقل اور زیرک سب بالاتفاق ایسے باغ سے منکر اور عاق ہوگئے ہیں۔

چشم میمالم بهر لحظه که من　　　　خواب بینم یا خیال اندر زمن

یعنی میں ہر لحظہ آنکھ ملتا ہوں کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا کوئی خیال ہے زمانہ میں مطلب یہ کہ وہ لوگ اُنکو بیوقوف بتاتے اور یہ تعجب کرتے کہ دیکھو ایسا نفیس باغ ہے اور افسوس ہے کہ یہ لوگ منکر ہیں مگر پھر شبہ ہوتا ہے تو سوچتے کہ کہیں میں ہی دیوانہ تو نہیں ہوگیا یا کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا مگر پھر کہتے ہیں کہ

خواب چه بود بر درختان میروم　　　　میوہا شان می خورم چون نگروم

یعنی خواب کیا ہوتا ہے میں تو درختوں کے پاس چل رہا ہوں اور اُنکے میوے کھا رہا ہوں پھر کس طرح گرویدہ نہوں یعنی جب درختوں کے پاس ہوں اور اُنکے میوے کھاتا ہوں تو پھر کیسے شبہ کروں۔ مگر پھر فرماتے ہیں کہ

باز چون من بنگرم در منکران　　　　کہ ہمی گیرند زیں بستان کران

یعنی پھر جب میں منکروں میں نظر کرتا ہوں کہ اس باغ سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

با کمال احتیاج و افتقار　　　ز آرزوئے نیم غورہ جان سپار

یعنی باوجود کمال احتیاج و افتقار اور آدھے کچے انگور کی آرزو میں جان دینے والے

ز اشتیاق و حرص یک برگ درخت　　　میزنند ایں بینوایاں آہ سخت

یعنی درخت کے ایک پتے کے اشتیاق اور حرص کی وجہ سے یہ بینوا لوگ آہ سخت کرتے ہیں۔

در ہزیمت زیں درخت و زیں ثمار　　　ایں خلائق صد ہزار اندر ہزار

یعنی ان درختوں اور پھلوں سے یہ لاکھوں مخلوق ہزیمت میں ہے مطلب یہ کہ انکو شبہ ہوا کہ شاید ان پھلوں وغیرہ سے انکو استغنا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ تو ذرا ذرا سی چیزوں پر جان دیئے دیتے ہیں پھر یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسے پھلوں اور درختوں سے ان کو استغنا ہو لیکن پھر ان کو حیرت ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ

باز میگویم عجب من بیخودم　　　دست بر شاخ خیالے در زدم

یعنی پھر میں کہتا ہوں کہ میں عجیب بے خود ہوں کہ ایک خیالے شاخ پر ہاتھ مارتا ہوں مطلب یہ کہ اُن کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں یہ سب خیال ہی ہو تو کیا عجب ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ یہ جو ہمکو تعجب ہوگیا ہے اس سے تعجب مت کرنا اس لئے ایسے وقت میں انبیاء کو شبہ بھی پڑگیا ہے اس کو آیت اِذَا استیئاس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا سے ثابت فرماتے ہیں اول اس کو ویسے سمجھ لو پھر اشعار سے سمجھ میں آجاوے گا فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ استیئاس الرسل و ظنوا انہم قد کذبوا اکذبوا میں دو قرائتیں ہیں اور دونوں متواتر ہیں ایک تو بہ تشدید الذال المعجمہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں اس کی تفسیر

تو ظاہر ہے کہ رسول مایوس ہوگئے اور انھوں نے گمان کرلیا کہ وہ (کفار کی طرف سے) تکذیب کئے گئے ہیں دوسری قرأت تخفیف الذال ہے۔ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے حضرت عائشہؓ تو سرے سے اس قرأت ہی کا انکار کرتی ہیں مگر حضرت ابن عباسؓ اسکی تفسیر فرماتے ہیں اور وہی یہاں مقصود ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ظنوا میں ضمیر رسل کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ مایوس ہوگئے اور گمان کرلیا کہ وہ جھوٹ بولے گئے ہیں یعنی اُن سے جو نصر کا وعدہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے وہ غلط ہوا ہے۔ اب یہاں یہ اشکال رہا کہ بھلا انبیا کو کس طرح یہ گمان ہوسکتا تھا اسکا جواب یہ ہے کہ اسکا وسوسہ ہوتا تھا گمان سے یہی مراد ہے کہ اُنکو وسوسہ ہوتا تھا باقی اُن کو ظن بالیقین ہرگز نہ تھا اور وسوسہ میں شریعت نے کوئی مواخذہ یا گناہ وغیرہ کچھ رکھا ہی نہیں ہے تو اب صاف ہوگیا۔ پس فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ وہ مایوس ہوگئے تھے اور شبہ میں پڑگئے تھے اگرچہ درجہ وسوسہ ہی میں سہی مگر ہوا تو اسی طرح ان لوگوں سے انکار سے وقوقی کو بھی شبہ پڑگیا تھا کہ شاید مجھ ہی کو غلط دکھائی دیتا ہو۔ اب اشعار سے سمجھ لو۔ فرماتے ہیں کہ

ہیں بخواں استیاس الرسل ای عمو   تا بظنوا انہم قد کذبوا

یعنی اسے چچا استیاس الرسل کو ظنوا انہم قد کذبوا تک پڑھ لو۔

ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب   ایں بود کہ خویش بیند محتجب

یعنی اس قرأت کو کذب کی تخفیف سے پڑھو اور یہی ہوا کرتا ہے کہ اپنے کو محجوب دیکھا ہے یعنی اسیطرح شبہ پڑجاتا ہے کہ اپنے کو انسان اُس طرف سے مردود و مطرود خیال کرنے لگتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ بس جی جب یہ اتنے لوگ تکذیب کر رہے ہیں تو شاید یہ سب غلط ہی ہو مگر یہ یاد رہے کہ یہ سب درجہ وسوسہ میں ہوتا ہے یقین نہیں ہوتا۔

در گمان افتاد جان انبیا ز اتفاق منکرے اشقیا

یعنی حضرات انبیا علیہم السلام کی جان اشقیاء کے بالاتفاق انکار کرنے سے شک میں پڑ گئی۔ یعنی جب سب منکر ہوئے تو اُن کو بھی شک ہو گیا اور وسوسہ ہوا کہ کہیں سارے وعدے حق تعالیٰ کے غلط تو نہ تھے۔

جاءہم بعد التشکک نصرنا ترک شان گو بر درخت جان برا

یعنی شک کے بعد اُنکے پاس ہماری مدد آئی تو تم اُنکو چھوڑو اور درختِ جان پر آو۔ مطلب یہ کہ جب انبیاء کو وسوسہ ہوا تو اُس کے بعد انکے پاس مدد پہونچ گئی یہ تو وہ استدلال تھا اب آگے آوازِ غیبی ان وقتی کو آتی ہے کہ ارے ان لوگوں کو چھوڑو اور درخت جان اور درخت حیات پر آؤ اور ارشاد ہوتا ہے کہ

میخور و میدہ بدان کش روزی است ہر دم و ہر لحظہ سحر آموزی است

یعنی کھاتا رہ اور دیتا رہ جس کی روزی ہے ہر دم اور ہر لحظہ سحر آموزی ہے مطلب یہ کہ اے وقتی تم خود کھاؤ اور جو اُس کے اہل ہوں اُن کو کھلاؤ اور فیوض اور برکات پہونچاؤ۔ باقی نااہلوں کو تو سحر ہے کہ اُن کو کبھی بھی دکھائی نہ دے گا جب اُن کو یہ آواز آتی تھی تو اس طرح آتی تھی کہ لوگ بھی سنتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ۔

خلق گویا ای عجب این بانگ چیست چونکہ صحرا از درخت و بر تہیست

یعنی لوگ کہتے کہ تعجب ہے کہ یہ آواز کیا ہے جبکہ جنگل درخت و پھل سے خالی ہے یعنی لوگ کہتے تھے کہ اس جنگل میں نہ کوئی درخت ہے نہ میوہ ہے اور آواز آرہی ہے کہ کھاؤ اور تعجب تو یہ ہے کہ یہ آواز کیسی ہے۔ اور کہاں سے اور کہتے تھے کہ۔

گیج گشتیم از دم سودائیان | کہ بہ نزدیک شما باغ است و خوان

یعنی ہم اُن دیوانوں کی اُن آوازوں سے دیوانے ہو گئے ہیں کہ تمہارے پاس باغ ہے اور خوان ہے۔

چشم میمالیم کاینجا باغ نیست | یا بیابانے ست یا مشکل رہے ست

یعنی ہم آنکھیں ملتے ہیں کہ یہاں تو کوئی باغ نہیں ہے (بلکہ) یا تو بیابان ہے یا مشکل راستہ ہے۔

ای عجب چندین دراز ایں ماجرا | چون بود بیہودہ و ہزل و خطا

یعنی تعجب ہے کہ اتنا طویل ماجرا کس طرح بیہودہ اور ہزل اور خطا ہوگا مطلب یہ کہ اول تو ان لوگوں کو اس کے غلط ہونیکا گمان ہوا مگر پھر سوچا یہ اس قدر باتیں کہ باغ ہے اور پھل ہیں اور درخت ہیں وغیرہ وغیرہ جھوٹ بھی معلوم نہیں ہوتیں غرض کہ وہ لوگ تعجب میں تھے آگے فرماتے ہیں کہ۔

من ہمی گویم چو ایشان ای عجب | اینچنیں مہرے چرا زد صنع رب

یعنی میں اُن لوگوں کی طرح کہتا تھا کہ تعجب ہے کہ قدرت نے ایسی مہر کیوں لگادی ہے۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

زین تنازعہا محمدؐ در عجب | در تعجب نیز ماندہ بولہب

یعنی ان تنازعات سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تعجب میں تھے اور تعجب ہی میں ابولہب رہا ہوا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تعجب ہوتا تھا کہ یہ کفار میری رسالت کو جو اس قدر ظاہر ہے کیوں نہیں مانتے اور ابولہب کو تعجب ہوتا تھا کہ محمدؐ کو کیا ہو گیا

کہ وہ ایسا دعویٰ کرتے ہیں تو اسی طرح یہاں بھی دونوں طرف تعجب تھا۔

زین عجب تازان عجب فرقیست ژرف — تاچہ خواہد کرد سلطان شگرف

یعنی اس تعجب میں اور اس تعجب میں ایک فرق عظیم ہے تو اب دیکھئے وہ سلطان عظیم کیا کرے مطلب یہ کہ ان دونوں میں فرق ضرور ہے مگر اب حق تعالیٰ جس کو قبول فرماویں وہ قبول اور جس کو رد فرماویں وہ رد ہوگا۔ اور جو عجب کہ دونوں میں سے قبول ہے وہ ظاہر ہے کہ تعجب حضورؐ کا ہے کہ یہ تعجب ٹھیک تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ای دقوقی تیز تر رو ہین خموش — چند گوئی چند چون قحط است گوش

یعنی ای دقوقی اب (قصہ کی طرف) جلدی دوڑو (اوران اسرار کے بیان سے) چپ رہو۔ کہاں تک بیان کرو گے۔ جبکہ کان کا قحط ہے۔ مطلب یہ کہ جب کوئی سننے والا ہی نہیں ہے تو بیان سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس سے خاموش ہی رہو اور قصہ بیان کرو۔ بس مولانا کے فرماتے ہی دقوقی قصہ بیان کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

گفت راندم پیشتر من نیکبخت — باز شد آن ہفت جملہ یک درخت

ہفت مے شد فرد می شد ہر دمے — من حیران می گشتم از حیرت ہمے

بعد ازان دیدم درختان در نماز — صف کشیدہ چون جماعت کردہ ساز

یک درخت از پیش مانند امام — دیگران اندر پس او در قیام

آن قیام و آن رکوع و آن سجود — از درختان بس شگفتم می نمود

یاد کردم قول حق را آن زمان — گفت النجم و الشجر را یسجدان

این درختان را نه زانو نی میان — این چه ترتیب نماز ست آنچنان

آمد الهام خدا کای با فروز — می عجب داری ز کار ما هنوز

بعد دیری گشته آنها هفت مرد — جمله در قعده پی یزدان فرد

چشم میمالم که آن هفت ارسلان — تا کیانند و چه دارند از جهان

چون به نزدیکی رسیدم من ز راه — کردم ایشان را سلام از انتباه

قوم گفتندم جواب آن سلام — ای دقوقی مفخر و تاج کرام

گفتم آخر چون مرا بشناختند — پیش ازین بر من نظر نداختند

از ضمیر من بدانستند زود — یکدگر را بنگریدند از فرود

پاسخم دادند کای جان عزیز — چون بپوشیده است اینها بر تو نیز

بر دلی کو در تحیر با خداست — کی شود پوشیده راز چپ و راست

گفتم از سوی حقایق بشگفید — چون ز اسم و حرف رسمی واقفید

گفت اگر اسمی شود غیب از ولی — آن ز استغراق دان نز جاهلی

بعد از آن گفتند ما را آرزوست — اقتدا کردن بتو ای پاک دوست

گفتمش آرے لیک یک ساعت کہ من | مشکلاتے دارم از دور زمن
تا شود آن حل بصحبتہائے پاک | کہ بصحبت روید انگورے زخاک
دانۂ پر مغز با خاک دژم | خلوتے و صحبتے کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد | تا نماندش رنگ و بوی سرخ و زرد
از پس آن محو قبض او نماند | برکشاد و بسط شد مرکب براند
پیش اصل خویش چون بیخویش شد | رفت صورت جلوۂ معنیش شد
سر چنین کردند ہین فرمان تراست | تف دل زان سر چنین کردن بخاست
ساعتے با آن گروہ مجتبے | چون مراقب گشتم و از خود جدا
ہم از ان ساعت زساعت رست جان | زانکہ ساعت پیر گرداند جوان
جملہ تلوینہا زساعت خاستہ است | رست از تلوین کہ از ساعت برست
چون زساعت ساعتے بیرون شوی | چون نماند محرم بیچون شوی
ساعت از بے ساعتے آگاہ نیست | زانکہ آن سو جز تحیر راہ نیست

اُس کے بعد دقوقی نے بیان کیا کہ میں کچھ اور آگے بڑھا تو وہ ساتوں درخت ایک درخت بن گئے اس کے بعد کچھ عرصہ تک یہ حالت رہی کہ کبھی سات ہوجاتے تھے اور کبھی پھر ایک ہو جاتے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ مارے حیرت کے میری کیا حالت ہو رہی تھی۔ خیر اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ درخت صف بستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور ایک درخت اُن میں امام کی طرح آگے ہے اور دوسرے

درخت مقتدیوں کی طرح پیچھے کھڑے ہیں مجھے ان کا قیام ان کا رکوع بہت ہی عجیب معلوم ہوتا تھا۔ یہ منظر دیکھکر مجھے حق سبحانہ کا قول النجم والشجر یسجدان یاد آگیا اور میں نے اس کا عیاناً مشاہدہ کرلیا۔ میں متحیر تھا کہ نہ ان درختوں کے گھٹنے ہیں نہ کمر پھر یہ کس قسم کی نماز پڑھ رہے ہیں جب میرا تعجب بہت بڑھا تو حق سبحانہ کی طرف سے الہام ہوا کہ تمکو ابتک ہماری صناعی کا یقین نہیں ہوا۔ اور اب تک تم تعجب ہی کر رہے ہو۔ یہ بھی ہو چکا اس کے بعد وہ سات درخت سات آدمی ہوگئے۔ وہ سب کے سب وحدہٗ لاشریک کے سامنے قعدہ میں بیٹھے ہوئے تھے میں آنکھیں مَل ملکر دیکھتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا عالم میں کیا رتبہ ہے جب میں چلتے چلتے اُنکے پاس پہونچ گیا تو میں نے ہوش وحواس درست کرکے اُن کو سلام کیا۔ اُن لوگوں نے میرے سلام کا جواب میرا نام لیکر دیا۔ اب مجھے پھر حیرت ہوئی کہ ان کو میرا نام کیونکر معلوم ہوگیا۔ انھوں نے تو مجھے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ وہ میرے اس خطرہ پر بھی مطلع ہوگئے اور نیچی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے بعد مجھے جواب دیا کہ تم کو تو یہ تعجب ہے کہ انھیں معلوم کیونکر ہوگیا اور ہمکو یہ تعجب ہے کہ تیر اس کا سبب مخفی کیونکر رہا یاد رکھو جو لوگ ذات حق کے والہ وشیدا ہیں اُن پر ادھر اُدھر کی باتیں اکثر پوشیدہ نہیں رہتیں اس پر میں نے کہا کہ اگر آپ کو حقائق سے دلچسپی ہے جیسا کہ واقع بھی ہے تو آپ حروف واسمار رسمیہ کو کیونکر جانتے ہو یعنی حقائق تو کشف وغیرہ سے معلوم ہوتے ہیں مگر حروف واسمار رسمیہ تو بطرق متعارف ہی معلوم کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں پھر آپ ان سے کیسے واقف ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ غلط ہے کہ حروف واسمار کشف وغیرہ سے معلوم نہیں ہو سکتے بلکہ جب کوئی اسم کسی ولی کی نظر سے غائب ہوتا ہے تو اُس کی وجہ ناواقفیت نہیں ہوتی بلکہ استغراق ہوتا ہے کہ اُس کے سبب اسم کی طرف التفات نہیں ہوتا دلیکن یاد رکھو کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے اور یہ مقصود نہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے) اس

گفتگو کے بعد انھوں نے کہا کہ ہمکو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی نہایت تمنا ہے آپ امامت کیجئے اس پر میں نے کہا بہت بہتر ہے۔ مگر انقلابات زمانہ کے سبب میں بعض باطنی مشکلات میں گرفتار ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پیشتر وہ مشکلات آپ حضرات کی صحبت سے حل ہو جائیں۔ کیونکہ صحبت میں بڑی برکت ہے۔ صحبت ہی کے سبب خاک سے انگور پیدا ہوتا ہے اور دانہ پر مغز نے خاک کے ساتھ صحبت اور خلوت اختیار کی اور خاک میں اپنے کو بالکل محو کر دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا تلوّن سب فنا ہو گیا نہ اسمیں رنگ سرخ و زرد وغیرہ رہا نہ وہ بو رہی اور اس محویت کے بعد سارا قبض رفو چکر ہو گیا۔ اور کشاد و بسط حاصل ہو کر میدان ترقی میں گھوڑا ڈال دیا پس دیکھو جب اس نے اپنی اصل کے سامنے فنا اختیار کی اور خودی کو چھوڑا تو صورت تو فنا ہو گئی اور معنی جلوہ گر ہو گئے یہ سنکر انھوں نے سر ہلایا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم حاضر ہیں جیسی آپ کی مرضی ہو۔ اس سر ہلانے نے میرے دل کے اندر ایک حرارت پیدا کر دی اور میں اُن کی ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو گیا جب میں کچھ دیر تک مراقب رہا اور خودی کو اپنی فنا کر دیا فوراً مجھے ترقی ہو گئی اور تاثیرات زمانہ کی بلا سے نجات پا گیا۔ جس کی مجھے سخت ضرورت تھی۔ کیونکہ زمانہ بُری بلا ہے یہ جوان کو بڈھا اور اہل اللہ کے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور میری ساری تلوینیں مبدل بہ تمکین ہو گئیں۔ کیونکہ میں قید زمانہ سے آزاد ہو چکا تھا۔ اور جو قید زمانہ سے رہا ہو جاتا ہے وہ تلوینات سے بھی چھوٹ جاتا ہے کیونکہ تمام تلوینیں تغیر زمانہ ہی کے سبب ہوتی ہیں۔ یاد رکھو جس وقت تم قید زمانہ سے آزاد ہو گئے اور قید زمانہ تمہارے لئے نہ رہے گی فوراً حق سبحانہ کے راز دار ہو جاؤ گے پس اس بندش کو اُٹھاؤ اور اپنی طبیعت کے اندر وہ کیفیت پیدا کرو جو تاثر از تقلبات زمانہ سے مانع ہو اور جب تک تم پابند زمانہ ہو گے اُس وقت تک وصول ناممکن ہے۔ اس لئے کہ ساعت بے ساعتی کو اور تقید اطلاق کو اور پابند زمان متعالی عن الزمان کو کیا جانے کیونکہ وہاں تو تحیر ہی کی رسائی ہے اور متا ئہین فی الحق کے سوا اور کی رسائی نہیں۔

شرح شبیری

دقوقی کی نظر میں اُن سات درختوں کا ایک درخت ہوجانا

گفت راندم پیشتر من نیکبخت　　باز شد آن ہفت جملہ یک درخت

یعنی میں نیکبخت پھر آگے کو چلا تو وہ سات سارے پھر ایک درخت ہوگئے۔

ہفت مے شد فرد مے شد ہر دمے　　من چساں می گشتم از حیرت ہمے

یعنی ہر وقت وہ سات ہوتے تھے اور ایک ہوتے تھے، تو میں حیرت سے ویسا کا ویسا ہی ہوگیا

بعد ازان دیدم درختان در نماز　　صف کشیدہ چون جماعت کردہ ساز

یعنی بعد اسکے میں نے درختوں کو نماز میں دیکھا کہ صف بناتے ہوئے اور جماعت کی طرح سامان کئے ہوئی ہیں۔

یک درخت از پیش مانند امام　　دیگران اندر پس او در قیام

یعنی ایک درخت اونکی امام کی طرح اور دوسرے قیام میں اُسکے پیچھے۔

آن قیام و آن رکوع و آن سجود　　از درختان بس شگفتم مے نمود

یعنی وہ قیام اور وہ رکوع اور وہ سجدہ درختوں سے مجھے عجیب معلوم ہو رہا تھا۔

یاد کردم قول حق را آن زمان　　گفت والنجم و شجر را یسجدان

یعنی میں نے اس وقت حق تعالیٰ کا قول یاد کیا کہ نجم و شجر کو فرمایا ہے کہ سجدہ کرتے ہیں (اور یہ بھی سوچا کہ)

این درختان را نہ زانو نے میان　　این چہ ترتیب نماز ست آنچنان

یعنی ان درختوں کے نہ زانو ہیں اور نہ کمر ہے تو یہ اس طرح نماز کی ترتیب کیونکر ہے۔

آمد الہام خدا کاے با فروز　　می عجب داری ز کار ما ہنوز

یعنی الہام حق آیا کہ اے با فروز تم ہمارے کام سے ابتک تعجب کرتے ہو

اُن ساتوں درختوں کا سات آدمی ہو جانا

بعد دیرے گشتہ آنہا ہفت مرد ... جملہ در قعدہ پئے یزداں فرد

یعنی بعد کچھ دیر کے وہ سات آدمی بن گئے اور سارے خدائے یکتا کے سامنے قعدہ میں تھے۔

چشم میمالم کہ آن ہفت ارسلاں ... تا کیانند و چہ دارند از جہاں

یعنی آنکھ ملتے تھے کہ یہ سات شیر کون ہیں اور جہاں سے کیا (رتبہ) رکھتے ہیں

چوں بہ نزدیکی رسیدم من ز راہ ... کردم ایشاں را سلام از انتباہ

یعنی جب میں راستہ سے اُنکے نزدیک پہونچا تو میں نے اُنکو آگاہی کیلئے سلام کیا

قوم گفتندم جواب آں سلام ... اے دقوقی مفخر و تاج کرام

یعنی اُس قوم نے میرا جواب سلام دیا (اور کہا) اے دقوقی کرام کے جائے فخر اور تاج

گفتم آخر چوں مرا بشناختند ... پیش ازیں بر من نظر نداختند

یعنی میں نے (دل میں) کہا کہ مجھے انھوں نے کس طرح پہچان لیا۔ اس سے پہلے تو مجھے کہیں دیکھا نہیں۔

از ضمیر من بدانستند زود ... یکدگر را بنگریدند از فرود

یعنی میرے دل سے اُنھوں نے (اس وسوسہ کو) معلوم کر لیا تو ایک دوسرے کو نیچے ہی نیچے دیکھا یعنی اس لئے دیکھا کہ کون اس وسوسہ کا جواب دے اسکے بعد

پاسخم دادند کاے جان عزیز　　چون بپوشیدست اینها بر تو نیز

یعنی اُنھوں نے مجھے جواب دیا کہ اے جان عزیز تم پر یہ بھی کیوں پوشیدہ ہے

بر دلے کو در تحیر با خداست　　نے شود پوشیدہ راز چپ و راست

یعنی اُس دل پر جو کہ تحیر میں خدا کے ساتھ ہے کوئی راز چپ و راست پوشیدہ نہیں ہوتا یعنی اُنکو سب معلوم ہو جاتا ہے تو اگر تمہارا نام معلوم ہو گیا تو کیا تعجب ہے۔

گفتم ار سوئے حقائق بشگفید　　چہ ز اسم و حرف رسمی واقفید

یعنی میں نے کہا کہ اگر حقائق کی طرف تم کہلو تو نام اور حروف رسمی سے کس طرح واقف ہو۔ مطلب یہ کہ اُنھوں نے سوچا کہ علوم و معانی کا کشف تو ہو سکتا ہے مگر الفاظ اور اسمار کا کشف کیسے ہوا۔

این سخن چون آمد از من در خطاب　　آن شہان در حال گفتندم جواب

یعنی یہ بات جب میری طرف سے خطاب میں آئی تو اُن شاہوں نے مجھے اسیوقت جواب دیا۔

گفت اگر اسمے شود غیب از ولے　　آن ز استغراق دان نز جاہلے

یعنی اگر کوئی نام کسی دل سے غائب ہو جاوے تو یہ استغراق کی وجہ سے سمجھو نہ جاہلی کی وجہ سے۔

بعد ازان گفتند ما را آرزوست　　اقتدا کردن بتو اے پاک دوست

یعنی بعد اس کے اُن لوگوں نے کہا کہ اے پاک دوست ہمیں آپ کا اقتدا کرنے کی آرزو ہے۔ یعنی سب نے کہا کہ ہمیں آرزو ہے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھیں۔

گفتم آرے لیک یک ساعت کہ من　　مشکلاتے دارم از دور زمن

یعنی میں نے کہا کہ ہاں لیکن ایک گھڑی (بعد) اس لئے کہ میں دور زمن سے کچھ مشکلات رکھتا ہوں۔

تا شود آن حل بصحبتہائے پاک　　کہ بصحبت روید انگورے زخاک

یعنی جب تک کہ وہ آپکی پاک صحبتوں سے حل ہو جاویں کہ صحبت کی وجہ سے انگور خاک سے اوگتا ہے۔ مطلب یہ کہ اُنھوں نے کہا کہ امامت تو کرلونگا مگر مجھے کچھ مشکلات باطنی ہیں اُن کو حل کردو اُس کے بعد امامت کرونگا مجھے آپ کی صحبت سے اُمید ہے کہ حل ہو جاوینگے اس لئے کہ دیکھو انگور کو صحبت زمین ہوتی ہے تو اُس کے اندر پھل آتا ہے وہ اوگتا ہے تو اس طرح تمہاری صحبت کی برکت سے وہ عقدے بھی حل ہو جاوینگے۔ آگے صحبت سے مستفیض ہونیکی ایک مثال فرماتے ہیں۔

دانۂ پُر مغز را خاک دژم　　خلوتے و صحبتے کرد از کرم

یعنی دانہ پُر مغز کو خاک افسردہ نے اپنا خلوتے اور صحبتی کرم کی وجہ سے کرلیا

خویشتن در خاک کلی محو کرد　　تا نماندش رنگ و بوی و سُرخ و زرد

یعنی (دانہ نے) اپنے کو خاک میں بالکل محو کردیا یہانتک کہ اُس کا رنگ و بو اور سُرخ و زرد وغیرہ کچھ نہ رہا۔

از پس آن محو قبض او نماند　　برکشاد و بسط شد مرکب براند

یعنی بعد اُس محو کے اُس کا قبض جاتا رہا اور کھُل گیا اور بسط ہوگیا تو سواری چلا دی۔

پیش اصل خویش چون بیخویش شد　　رفت صورت جلوۂ معنیش شد

یعنی اپنی اصل کے آگے جب بیخود ہوگیا تو صورت جاتی رہی اور اُس کے معنی کا جلوہ ہوگیا (تو بس اسی طرح اگر یہ اُنکے آگے بیخود ہوجاوینگے تو اُن کو بھی یہ حالت حاصل ہوجاویگی۔ غرض کہ جب اُنھوں نے کہا تو اُنھوں نے انکے کہنے کو مان لیا اس طرح کہ)

سر چنین کردند ہین فرمان تراست　　تف دل زان سر چنین کردن بجاست

یعنی اُنھوں نے سر کو اس طرح کرلیا (یعنی جھکا لیا اور کہا) کہ اچھا حکم آپکا ہی ہے (یعنی ہم مانتے ہیں) اور گرمے دل کو اُس طرف سے اس طرح کرنا بجا ہے۔

ساعتے با آن گروہے مجتبےٰ　　چون مراقب گشتم واز خود جدا

یعنی اُس گروہ برگزیدہ کی ساتھ ایک گھڑی میں جب مراقب ہوا اور اپنے سے جُدا ہوا

ہم دران ساعت ز ساعت رست جان　　زانکہ ساعت پیر گرداند جوان

یعنی اُسی وقت جان ساعت سے چھوٹ گئی اس لئے کہ ساعت تو جوان کو بڈھا کردیتی ہے مطلب یہ کہ ان ساعات کے گذر نے ہی سے تو انسان جوان سے بوڑھا ہوتا ہے اور یہ ساعات ان دنیا کی ہیں تو بس جسوقت اودھر توجہ ہوئی اُسی وقت اس دنیا سے بالکل بے تعلق ہوگئے اور ادھر کے ہوش وحواس غائب ہوگئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ تلوینہا ز ساعت خاستہ است　　رست از تلوین کہ از ساعت برست

یعنی ساری تلوینات ساعت ہی سے اُٹھی ہیں اور جو ساعت سے چھوٹ گیا وہ تلوین سے چھوٹ گیا۔ مطلب یہ کہ جو اس دنیا کے تغیرات سے چھوٹا وہ تلوین سے بھی الگ ہوگیا

آگے فرماتے ہیں کہ۔

ساعتے بیرون شو از ساعت دلا — تا زچون وا رہی وا ز چرا

یعنی اے دل ایک گھڑی اس ساعت سے باہر ہو تاکہ تم چو سے اور چرا سے چھوٹ جاؤ۔

چون زساعت ساعتے بیرون شوی — چون نماند محرم بیچون شوی

یعنی جب ایک گھڑی کیلئے اس ساعت سے باہر ہو جاؤ تو جب چون نہ رہے تو بیچون ہو جاؤ گے۔

ساعت از بے ساعتی آگاہ نیست — زانکہ آنسو جز تحیر راہ نیست

یعنی ساعت بے ساعتی سے آگاہ نہیں ہے اس لئے کہ اُس طرف تو سوائی تحیر کے (کسیکو) راہ ہی نہیں ہے مطلب یہ کہ اس عالم میں پھنسکر اُس عالم کی خبر نہیں رہتی اس لئے کہ وہاں تو حیرت ہی حیرت ہے اور کچھ بھی نہیں ہے اور اس عالم دنیا میں حیرت ہے نہیں بلکہ یہ عالم خودی کا ہے تو اس عالم کو اُس کی خبر ہی نہیں ہے۔

شرح حبیبی

ہر نفر را بر طویلہ خاص او — بستہ اند اندر جہان جستجو
منتصب بر ہر طویلہ رائضے — جز بدستوری نیاید رافضے
از ہوس از یک طویلہ گر زفر — در طویلہ دیگرے اندر شود
در زمان آخرجیان چست و خوش — گوشۂ افسار او گیرند وکس

حافظان را گر نہ بینی اے عیار ‌‌ اختیارت را ببین بے اختیار

اختیارے میکنی و دست و پا ‌‌ بر کشا دستت چرا حبسے چرا

روئے در انکار حافظ بردۂ ‌‌ نام تہدیدات نفسش کردۂ

این سخن پایان ندارد تیز رو ‌‌ ہین نماز آمد وقوتی پیش شو

اے یگانہ ہین دوگانہ برگذار ‌‌ تا مزین گردد از تو روزگار

ای امام چشم روشن الصلا ‌‌ چشم روشن مے بباید پیشوا

در شریعت ہست مکروہ ای کیا ‌‌ در امامت پیش کردن کور را

گرچہ حافظ باشد و چست و فقیہ ‌‌ چشم روشن بہ و گر باشد سفیہ

کور را پرہیز نبود از قذر ‌‌ چشم باشد اصل پرہیز و حذر

او پلیدی را نہ بیند در عبور ‌‌ ہیچ مومن را مبادا چشم کور

کوری باطن بود کان سرشر ‌‌ زانکہ اندر فعل و قولش نیست نور

کور ظاہر در نجاست ظاہرست ‌‌ کور باطن در نجاسات سرست

این نجاست ظاہر از آبے رود ‌‌ وان نجاست باطن افزون میشود

جز بآب چشم نتوان شستن آن ‌‌ چون نجاسات بواطن شد عیان

چون نجس خواندہ است کافر را خدا ‌‌ آن نجاست نیست در ظاہر ورا

طاہر کافر ملوث نیست زین ‏ آن نجاست ہست در اخلاق دین

این نجاست بویش آید بیست گام ‏ وان نجاست بویش از رے تا بشام

بلکہ بویش آسمانہا بر رود ‏ بر دماغ حور و رضوان بر شود

آنچہ میگویم بقدر فہم تست ‏ مردم اندر حسرت فہم درست

فہم آب است و وجود تن سبو ‏ چون سبو بشکست ریزد آب او

این سبو را پنج سوراخ است ژرف ‏ اندرو نے آب ماند خود نہ برف

امر غضوا غضۃً ابصارکم ‏ ہم شنیدی راست ننہادی قدم

از دہانت نطق فہمت را برد ‏ گوش چون زنگ ست فہمت را خورد

ہمچنیں سوراخہائے دیگرت ‏ می کشاید آب فہم مضمرت

گر ز دریا آب را بیرون کنی ‏ بے عوض آن بحر را ہامون کنی

بیگہ است ار نہ بگویم حال را ‏ مدخل اعواض را و ابدال را

کان عوضہا وان بدلہا بحر را ‏ از کجا آید ز بعد خرجہا

صد ہزاران جانور زو میخورند ‏ ابرہا ہم از برونش مے برند

باز دریا آن عوضہا می کشد ‏ از کجا دانند اصحاب رشد

مولانا نے اوپر بیان کیا تھا کہ مقید زماں کی حق سبحانہ تک رسائی نہیں ہو سکتی اور غیر مقیدین کی ہوتی ہے اب اس کا ایک لازبیان فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہر

ایک شخص کے لئے اُس کی صفات واحوال کے لحاظ سے ایک خاص مقام معین ہے
اور ہر مقام پر ایک پہرہ دار مسلط ہے۔ پس جو شخص بدون امر حق سبحانہ اپنے اصلی مقام
کو چھوڑ کر دوسرے مقام تک پہونچنا چاہتا ہے۔ فوراً وہ پہرہ دار جو اپنے فرض منصبی
کی انجام دہی میں ہر وقت مشغول رہتے ہیں۔ اور کبھی غافل نہیں ہوتے کہ کوئی
چھپکر نکل جاوے۔ اُس کو زبردستی ہٹا دیتے ہیں اور جب خدا چاہتا ہے اُس وقت
وہ آگے جا سکتے ہیں تم کو اگر وہ پہرہ دار نظر نہ آتے ہوں تو ہم تمکو ایک شناخت
بتلاتے ہیں اس سے پہچان لو وہ یہ کہ تم اپنے اختیار میں بھی مختار نہیں ہو۔ ورنہ
تم اپنے اختیار کو کام میں لاؤ۔ اور اپنے مرتبہ سے آگے بڑھ جاؤ۔ آخر تمہارے
ہاتھ پاؤں تو کھلے ہوئے ہیں پھر کیوں مقید ہو کیوں نہیں بڑھ جاتے اور
کیوں بایزید بسطامی وغیرہ نہیں ہو جاتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
کوئی پہرہ دار ہے جو روکتا ہے مگر تم نے اُس پہرہ دار کے انکار کا ایک بیہودہ
عذر تراش رکھا ہے۔ وہ یہ کہ جی نہیں چاہتا اور نفس ڈراتا ہے کہ دیکھو تم نے
ایسا کیا تو یہ ہو جاوے گا۔ وہ ہو جاوے گا لیکن یہ لغو ہے اس لئے کہ تم اپنی طبیعت
اور اپنے نفس کو یوں سمجھا سکتے ہو کہ اچھا امتحان تو کر لو اگر اس میں کچھ ضرر مشاہد
ہو تو پھر ہمارا اختیار سلب تو نہ ہو جاویگا۔ ہم پھر اپنی جگہ پر آجاوینگے۔ پس ذرا تم
امتحاناً ہی بڑھ کے دیکھ لو۔ دیکھو بڑھ سکتے ہو یا نہیں۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہوگی ہاں وقوقی
شاہ صاحب ذرا جلدی کیجئے نماز کا وقت آگیا ہے۔ آگے تشریف لے چلئے اور
اے یکتائے زمانہ آپ دوگانہ ادا کیجئے۔ تاکہ آپکی امامت سے زمانہ مزین ہوجاوے
اور اے امام صاحب چشم روشن ہم آپ کو امامت کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ امام
کے لئے بینا ہونا چاہئے۔ اور شریعت نے اندھے کی امامت کو مکروہ کہا ہے۔ خواہ
حافظ ہو۔ خواہ مستعد اور فقیہ ہر حالت میں بینا شخص بہتر ہے۔ گو وہ علوم رسمیہ سے
واقف نہو۔ پھر آپ تو علوم رسمیہ میں بھی ماہر ہیں اور راز اس کا یہ ہے۔ کہ اندھا
آدمی ناپاکی سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ مدار احتیاط تو بینائی ہے اور وہ اس میں

مفقود ہے وہ رہروی میں نجاست کو نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ اُس سے اقوال
وافعال بدون روشنی چشم کے سرزد ہوتے ہیں پھر چشم ظاہر کے نابینا اور
چشم باطن کے نابینا ہونا میں بھی فرق ہے۔ ظاہر کا اندھا تو نجاسات ظاہرہ میں
لتھڑا ہونا ہے اور باطن کا اندھا نجاسات باطنیہ میں آلودہ ہونا ہے
اور نجاست ظاہرہ تو پانی سے دور ہو جاتی ہے مگر نجاست باطنی اس قدر
قوی ہے کہ وہ پانی سے دور نہیں ہو سکتی۔ بلکہ بعض اوقات بڑھ جاتی
ہے کیونکہ اس کے سبب بعض وقت آدمی تکبر اور عجب میں مبتلا ہو جاتا
ہے اور جبکہ نجاست باطنی پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اکثر احوال میں بدون
آب چشم کے نہیں جا سکتی یعنی جب آدمی خوب ریاضت اور مجاہدے
کرتا ہے اور حق سبحانہ کی محبت میں روتا ہے اُس وقت زائل ہوتی
ہے۔ تمکو اگر نجاست باطنی میں کچھ شبہ ہو تو یوں تشفی کرلو کہ جب حق سبحانہ
نے انما المشرکون نجس فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ نجاست اُس کے جسم پر
تو لگی ہوئی ہے نہیں اور ظاہر کافر تو اُس سے ملوث نہیں تو لامحالہ وہ نجاست
نجاست باطنی اور اخلاق اور دین میں ہو گی۔ پس اب شبہ نہ رہا اور نجاست
باطنی کا تحقق ثابت ہو گیا۔ ایک فرق تو نجاست ظاہری و باطنی میں وہ تھا
جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ نجاست ظاہری کی بو تو
مثلاً بیس ہی قدم تک پہونچتی ہے اور نجاست باطنی کی بو ایک ملک سے
دوسرے ملک میں بلکہ عالم سفلی سے عالم علوی میں پہونچتی اور حور و
رضوان کے دماغ سے ٹکراتی ہے چنانچہ بعض گناہوں کی نسبت وارد
ہے کہ ان سے فرشتوں اور حوروں کو تکلیف ہوتی ہے یہ جس قدر میں
نے بیان کیا ہے یہ تو تمہاری سمجھ کے موافق ہے۔ کیا کہوں کوئی سمجھدار
نہیں۔ ورنہ میں اور بھی بہت کچھ بیان کرتا۔ اگر تم کو اسرار کا شوق ہے تو
سمجھ حاصل کرو اب جو تمہارے اندر سمجھ نہیں اُس کی ایک خاص وجہ ہے

اور وہ یہ کہ سمجھ ایسی ہے جیسے پانی اور جسم اُس کے لئے ایسا ہے جیسے برتن اور قاعدہ ہے کہ برتن ٹوٹ جاتا ہے تو پانی اُس میں نہیں ٹھیر سکتا بلکہ بہہ جاتا ہے اب سمجھو کہ تمہارے جسم کے اندر پانچ سوراخ ہیں۔ اس لئے اس میں آب فہم نہیں ٹھہرا۔ مثلاً ایک سوراخ آنکھ ہے تم نے اُس کو کھول رکھا اور باوجودیکہ تمکو تنبیہ کی گئی۔ اور عضوا ابصار کم فرمایا۔ مگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا اور اُس سوراخ کو کھولے رکھا دوسرا سوراخ منہ ہے بہت بڑا حصہ فہم کا کثرت کلام کے ذریعہ سے ضائع ہوتا ہے تم نے اس کی بھی کچھ پرواہ نہیں کی تیسرا سوراخ کان ہے یہ بھی تمہاری فہم کو زنگ کی طرح کھاتا ہے۔ تم نے اس کی بھی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ علی ہذالقیاس اور بھی سوراخ ہیں جن سے تمہارا آب فہم نکلا جا رہا ہے۔ تم نے اُن کو بھی بند نہ کیا۔ نیز اس کی بھی فکر نہ کی کہ اس کا عوض بھی پہونچ جاوے پس لامحالہ سمجھ بہت کم ہو گئی دیکھو اگر سمندر میں سے پانی نکالا جاوے اور اُس کی عوض اور پانی اس میں نہ ڈالا جاوے تو ایک دن خشک ہو کر صحرا ہو جاوے گا۔ موقع نہیں ہے نہیں تو ہم اعواض و ابدال کی بھی تفصیل کرتے کہ کہاں سے آتے ہیں اور کیونکر آتے ہیں جو بعض دریا باوجودیکہ ان کا پانی بہت صرف ہوتا ہے کیونکہ سینکڑوں جانور اس سے پانی پیتے ہیں اور ابر ان ہی سے پانی لے جاتے ہیں مگر بایںہمہ وہ کم نہیں ہوتا اور برابر خرچ شدہ پانی کا بدل اُنہیں آتا رہتا ہے۔ رہی یہ بات کہ کہاں سے آتا ہے اُس کو صاحب ہدایت اور مہتدی لوگ ہی جانتے ہیں (اس مضمون میں مولانا نے ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ یہ سوراخ تو اہل اللہ کے بھی کھلے ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ باتیں بھی کرتے ہیں۔ وہ دیکھتے بھی ہیں۔ وہ سنتے بھی ہیں۔ خود آپ ہی اپنے کو دیکھ لیجئے کہ کتنی بڑی مثنوی لکھی ہے۔ پھر انکے افہام کیوں نہیں گھٹے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو بدل ملتا رہتا ہے۔ وہاں جتنا صرف ہوتا ہے اُس کے برابر یا اس سے زیادہ اُن کو پھر مل جاتا ہے

اس لئے ان میں کمی نہیں آتی۔ اور یہ کہ کہاں سے ملتا ہے اور کیونکر ملتا ہے
اس کی تفصیل ہم اس مقام پر نہیں کر سکتے۔ برخلاف تمہارے کہ وہاں خرچ تو
ہے اور آمدنی یا تو ہے نہیں یا بہت کم ہے اس لئے تمہارے افہام کم ہوتے
ہیں۔

شرح شبیری

ہر نفر را بر طویلۂ خاص او — بستہ اند اندر جہان جستجو

یعنی ہر شخص کو اُس کے طویلۂ خاص پر اس جہان جستجو میں باندھ دیا ہے
(چونکہ یہ جہان تو طلب کے لئے ہے اس لئے جہان جستجو کہدیا) مطلب یہ کہ
جس طرح کہ گھوڑے الگ الگ طویلوں میں بندھے ہوتے ہیں اسی طرح ہر
ہر شخص اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے کام پر لگا ہوا ہے۔

منتصب ہر ہر طویلہ رائضے — جز بدستورے نیابد رافضے

یعنی ہر ہر طویلہ پر ایک چابک سوار (محافظ) مقرر ہے تو وہ بلا اجازت کے
رافض نہیں ہوتا۔ رائض چابک سوار اور رافض علحدہ ہونے والا۔ مطلب
یہ کہ ہر ہر شخص پر ایک ایک محافظ ہے جو اُس سے کام لے رہا ہے اور جب
تک حکم حق نہیں ہوتا اُس وقت تک وہ رائض اُس سے علحدہ نہیں ہو سکتا۔

از ہوس از یک طویلہ گر رود — در طویلۂ دیگرے اندر شود

یعنی اگر ہوس کی وجہ سے ایک طویلہ سے جاوے۔ اور کسی دوسرے
طویلہ میں جانے لگے۔

در زمان آخر چیان چست و خوش — گوشۂ افسار او گیرند و کش

یعنی اُسی وقت وچست وچالاک سائیس اُس کی باگ ڈور کا گوشہ پکڑیں اور کھینچ لیں۔ مطلب یہ کہ جو محافظ ہر شخص پر مسلط ہے اگر یہ ادہر اودھر جاتا ہی وہ فوراً اس کو روک لیتے ہیں اور جس کام کے لئے بنایا گیا ہے اُس میں لگائے رکھتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

حافظاں را گر نہ بینی اے عیار　　　اختیارت را بہ بین بے اختیار

یعنی اے عیار اگر تو محافظوں کو نہیں دیکھتا تو اپنے اختیار کو دیکھ۔ مطلب یہ کہ اگر تم کو وہ محافظ نہیں نظر آتے تو تم یوں سمجھو کہ تمہارا جو اختیار ہے یہ تو تمہارے اختیار میں نہیں ہے ورنہ اگر یہ اختیار میں ہو تو ہم اُس سے پہلے اختیار کو لیں گے کہ وہ اختیار میں ہے یا نہیں اگر وہ بھی اختیار میں ہے اور اسی طرح اس کے آگے سب اختیار میں ہیں تو تسلسل لازم آتا ہے بس معلوم ہوا کہ کوئی جگہ ایسی نکلتی ہے کہ وہاں اختیار اختیار میں نہیں ہے تو بس یہی بے اختیاری ہے اور اُسی کو تم محافظ سمجھ لو۔ اور دیکھ لو کہ۔

اختیارے میکنی و دست و پا　　　بر کشادست چرا حبسے چرا

یعنی تم ایک اختیار کرتے ہو اور ہاتھ پاؤں تمہارے کھلے ہوئے ہیں تو یہ حبس کیا ہے۔ کہ کام کرنا چاہتے ہو اور کام نہیں ہوتا۔ بس معلوم ہوا کہ کوئی چیز ہے کہ جس نے مجھکو اس مقصد کے پورا کرنے سے روک رکھا ہے۔

روئے در انکار حافظ بردۂ　　　نام تہدیدات نفسش کردہ

یعنی تم نے انکار محافظ میں توجہ کی ہے اور اُس کو تہدیدات نفس نام رکھا ہے (حالانکہ یہی وہ محافظ ہے اور اسی نے تم کو روک رکھا ہے) آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ

دقوقی کا اُس قوم کی امامت کیلئے آگے چلنا

این سخن پایان ندارد تیز رو   هین نماز آمد دقوقی پیش شو

یعنی یہ باتیں تو انتہا نہیں رکھتیں اب تم تیز چلو اور اے دقوقی نماز کا وقت آگیا۔ آگے چلو۔

ای یگانہ ہیں دوگانہ برگذار   تا مزین گردد از تو روزگار

یعنی اے یکتا تم دوگانہ ادا کرو تاکہ تم سے زمانہ مزین ہو جاوے۔

اے امام چشم روشن الصلا   چشم روشن باید اندر پیشوا

یعنی اے امام چشم روشن نماز (قریب) ہے اور امامت میں چشم روشن ہی کی ضرورت ہے (اس لئے کہ)

در شریعت ہست مکروہ ای کیا   در امامت پیش کردن کور را

یعنی اے زیرک شریعت میں اندھے کو امامت میں آگے کرنا مکروہ ہے۔

گرچہ حافظ باشد و چست و فقیہ   چشم روشن بہ اگر باشد سفیہ

یعنی وہ اندھا اگرچہ حافظ اور چست اور فقیہ ہو تو چشم روشن اُس سے بہتر ہے اگرچہ جاہل ہو۔ (اس لئے کہ)

کور را پرہیز نبود از قذر   چشم باشد اصل پرہیز و حذر

یعنی اندھے کو نجاست سے پرہیز نہیں ہوتا اور پرہیز اور حذر کے لئے چشم ہی ہوا

کرتی ہے۔

او پلیدی را نہ بیند در عبور　　　ہیچ مومن را مبادا چشم کور

یعنی وہ اندھا عبور میں پلیدی کو نہیں دیکھتا۔ کسی مومن کی خدا کرے آنکھیں کور نہو

کوری باطن بود کان شرور　　　زانکہ اندر فعل و قولش نیست نور

یعنی باطن کی کوری تو معدن شرور ہے اس لئے کہ اُس کے فعل و قول میں نور نہیں ہے۔

کور ظاہر در نجاست ظاہر است　　　کور باطن در نجاسات سرست

یعنی ظاہری اندھا تو ظاہری نجاست میں ہے اور باطن کا کور نجاسات باطنی میں ہے

این نجاست ظاہر از آبے رود　　　وان نجاست باطن افزون می شود

یعنی ظاہری نجاست تو پانی سے جاتی رہتی ہے اور وہ نجاست باطنی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

جز بآب چشم نتوان شستن آن　　　چون نجاسات بواطن شد عیان

یعنی سوائے آب چشم کے اُس کو دھو نہیں سکتے۔ جبکہ باطنی نجاسات ظاہر ہوگئیں مطلب یہ ہے کہ دیکھو جب ظاہری اندھے کو اس لئے امام بنانا مکروہ ہے کہ وہ نجاسات ظاہری سے پوری طرح نہیں بچ سکتا تو جو کور باطن ہو اُس کو امام بنانا تو بدرجہ اولیٰ درست نہو گا۔ اس لئے کہ وہ نجاسات باطنی سے جو کہ نجاسات ظاہری سے اشد ہیں نہیں بچ سکتا ہے لہذا ضرورت ہے کہ امام چشم روشن ہو جیسا اوپر کہا تھا کہ چشم روشن باید اندر پیشوا۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ جناب

کوری باطن کی وجہ سے انسان ناپاک تو نہیں ہوتا۔ اور آپ نے نجس کہدیا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

چون نجس خوانده است کافر را خدا | آن نجاست نیست در ظاهر ورا

یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے کافر کو نجس کہا ہے اور وہ نجاست اُس کے ظاہر پر نہیں

ظاہر کافر ملوث نیست زین | آن نجاست ہست در اخلاق و دین

یعنی کافر کا ظاہر اُس (نجاست) سے تو ملوث ہے نہیں ہاں وہ نجاست اخلاق و دین میں ہے۔

این نجاست بویش آید بست گام | وان نجاست بویش از رے تا بشام

یعنی یہ نجاست ظاہری تو بو اُس کی بیس قدم سے آتی ہے اور اُس نجاست کی رے سے شام تک۔

بلکہ بویش آسمانہا بر رود | بر دماغ حور و رضوان بر شود

یعنی اُس کی بو آسمانوں پر جاتی ہے اور حور و رضوان کے دماغ پر غالب آتی ہے۔ مطلب یہ کہ نجاست ظاہری کی بدبو تو تھوڑی ہی دور تک ہوتی ہے۔ مگر باطنی کی نجاست کی بو تو آسمان پر جاتی ہے اور اُس سے حور و رضوان کو اذیت ہوتی ہے حدیث میں ہے کہ انسان جب جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اُس سے کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں اس لئے کہ اُس کے منہ سے بڑی سخت بو آتی ہے تو دیکھو ملائکہ کو اُس نجاست باطنی سے کس قدر سخت نفرت ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ

آنچہ میگویم بقدر فہم تست | مُردم اندر حسرت فہم درست

یعنی میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ سب تمہاری فہم کی قدر ہے اور میں تو فہم درست کی حسرت ہی میں مرگیا۔ یعنی فہم درست ہی کو تلاش کرتے کرتے قریب المرگ ہو گئے مگر یہ بھی نہ میسر ہوا۔ آگے فہم کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

فہم آبست او وجود تن سبو چون سبو بشکست ریزد آب او

یعنی فہم تو پانی ہے اور وجود تن ایک سبو ہے تو جب گھڑا ٹوٹ گیا اُس کا پانی گر جاتا ہے اس سبو کے ٹوٹنے کو خود آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

این سبو را پنج سوراخست ژرف اندرو نے آب ماند خود نہ برف

یعنی اس سبو کے پانچ بڑے بڑے سوراخ ہیں کہ نہ اُس میں پانی رہتا ہے اور نہ برف پانچ سوراخ سے مراد حواس خمسہ مطلب یہ کہ اگر یہ کھل جاتے ہیں مثلاً کوئی بولے زیادہ یا باتیں سنے زیادہ یا شہوت زانی زیادہ کرے غرضکہ جس میں بھی زیادتی ہوگی فہم کم ہوگا۔ اور اگر ان کو بند رکھوگے تو فہم تمہاری اندر جمع رہے گا۔ اور ساعت بساعت ترقی کرے گا۔

امر غضوا غضۃ ابصارکم ہم شنیدی راست ننہادی تو سم

یعنی غضوا غضۃ ابصارکم کے حکم کو تم نے سُنا اور قدم کو درست نہ رکھا۔ (کہ غرض بصر نہ کیا تو ایک سوراخ تو یہ کھلا)

از دہانت نطق فہمت را برد گوش چون ریگ آب فہمت را خورد

یعنی تمہارے منہ سے بولنا تمہارے فہم کو لیجاتا ہے اور کان ریت کی طرح تمہاری آب فہم کو کھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ ریت پانی کو پی لیتا ہے اور خشک کر لیتا ہے اسی طرح تمہارے کان سے یہ فضولیات جاتے ہیں یہ بھی تمہارے فہم کو ختم کئے دیتے ہیں۔

ہمچنیں سوراخہائے دیگرت　　می کشاند آب فہم مضمرت

یعنی اسی طرح تمہارے اور سوراخ تمہارے آب فہم مضمرت کو کھینچتے ہیں اب یہاں کسیکو شبہ ہوا کہ ہم تو بہت باتیں کرتے ہیں اور ہمارا فہم اب تک درست ہے مولانا جواب دیتے ہیں کہ۔

گر ز دریا آب را بیروں کنی　　بے عوض آن بحر را ہاموں کنی

یعنی اگر دریا میں سے تم پانی بے عوض ڈالے نکالو تو در کو جنگل کر دو گے مطلب یہ کہ تمہارا فہم ایک دریا ہے تو اگر سمندر میں سے کوئی پانی نکالے اور اس کی جگہ اور پانی اوس میں نہ ڈالے تو تھوڑے دنوں میں سب سوکھ جاویگا۔ تو اسی طرح جب فہم کم ہوتا رہے گا اور داخل نہ ہوگا تو اب نہیں تو پانچ برس بعد ختم ہو جاوے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بیگہ است ارنی بگویم حال را　　مدخل اعواض را و ابدال را

یعنی بے موقع ہے ورنہ میں عوضوں اور بدلوں کے داخل ہونیکا حال بیان کردیتا کہ

کان عوضہا و آن بدلہا بحر را　　از کجا آید ز بعد خرجہا

یعنی کہ وہ عوض اور بدل کے بحر کے کھانے سے بعد خرچ کے آجاتے ہیں۔

صد ہزاران جانور زو می چرند　　ابرہا ہم از برونش می برند

یعنی لاکھوں جانور اُس سے پیتے ہیں اور ابر بھی اُس کے باہر سے لیجاتے ہیں۔

باز دریا آن عوضہا می کشد　　از کجا دانند اصحاب رشد

یعنی پھر دریا ان عوضوں کو کہاں سے کھینچتا ہے اُس کو اصحاب رشد جانتے ہیں۔ اور وہ جانتا ہی ہے کہ حق تعالیٰ سے لیتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

قصہ ہا آغاز کردیم از شتاب ❊ ماند بی مخلص درون این کتاب

ای ضیاء الحق حسام الدین راد ❊ کہ فلک وارکان چو تو شاہی نزاد

تو بنادر آمدی در جان و دل ❊ ای دل و جان از قدوم تو خجل

چند کردم مدح قوم ما مضیٰ ❊ قصد من زانہا تو بودی زاقتضا

خانۂ خود را شناسد خود دعا ❊ تو بنام ہر کہ خواہی کن ثنا

بہر کتمان مدیح از نامحل ❊ حق نہادست این حکایات مثل

گرچہ آں مدح از تو ہم آمد خجل ❊ لیک بپذیرد خدا جہد المقل

حق پذیرد کسرہ را دارد معاف ❊ کز دو دیدہ کور دو قطرہ کفاف

مرغ و ماہی داند آن ابہام را ❊ کہ ستودم مجمل این خوش نام را

تا بر و آہ حسودان کم وزد ❊ تا خیالش را بدندان کم گزد

آن خیال او بود از احتیال ❊ موی ابروے ویست آن نے ہلال

مدح تو گویم برون از پنج و ہفت ❊ بر نویس اکنون دقوقی پیش رفت

درتحیات وسلام صالحین ‏ مدح جمله انبیا آمد عجین

مدحها شد جملگی آمیخته ‏ کوزها دریک لگن دررخیته

زانکه خود ممدوح جز یک بیش نیست ‏ کیشها زین روئے جز یک کیش نیست

زانکه هر مدحے بنور حق رود ‏ برصور و اشخاص عاریت بود

مدحها جز مستحق را کے کنند ‏ لیک بر پنداشت گمره مے شوند

همچو نورے تافته بر حائطے ‏ حائط آن انوار را چون رابطے

لاجرم چون سایه سوئے اصل راند ‏ ضال مه گم کرد و ز استایش بماند

یا ز چاهے عکس ماهے وانمود ‏ سر بچه مے کرد و آنرا مے ستود

در حقیقت مادح ماهست او ‏ گرچه جهل او بعکسش کرده رو

مدح او مه راست نے آن عکس را ‏ کفر شد آن چون غلط شد ماجرا

کز شقاوت گشت گمره آن دلیر ‏ مه ببالا بود آن پنداشت زیر

زین بتان خلقان پریشان می شوند ‏ شهوتے رانده پشیمان مے شوند

زانکه شهوت با خیالے رانده اند ‏ در حقیقت دورتر وا مانده اند

با خیالے میل تو چون پر بود ‏ تا بدان پر بر حقیقت بر شود

چون برانده شهوتے پرّت بریخت ‏ لنگ گشتی وان خیال از تو گریخت

پر نگہدار و چنیں شہوت مران	تا پر میلت برد سوئے جناں
خلق پندار ند عشرت می کنند	بر خیالے پر نغو د بر مے کنند
دام دار شرح ایں نکتہ شدم	مہلتم دہ معدم زان تن زدم
باز گردم زنکہ قصہ شد دراز	وقت تنگ و خلق موقوف نماز

اب مولانا کو خیال آتا ہے کہ ارے قصہ تو چھوٹ گیا۔ اور میں کہیں کا کہیں نکل گیا۔ اس کی معذرت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا کہیں ہم نے بہت سے قصے شروع کئے۔ لیکن اس کتاب میں وہ تمام نہوئے وجہ یہ ہوئی کہ قصہ کا ایک حصہ بیان کیا اس سے ایک مضمون کی طرف انتقال کیا پھر اس مضمون کے کسی جزسے دوسرے قصہ کی طرف انتقال کر گئے وہکذا۔ اور وہ قصہ ناقص رہ گیا۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ قصہ بیان کرتے کرتے دقوقی کی تعریف کرنے لگے اس سے نجاست کی بحث چھڑ گئی لیکن اسے وہ ضیاء الحق حسام الدین جن کی مثل فلک اور ارکان اربعہ عناصر نے کوئی دوسرا بادشاہ طبقہ اولیا میں یا اُس زمانہ میں پیدا نہیں کیا بلکہ آپ اقلیم جان و دل میں ایک عجیب بادشاہ آئے ہیں اور ہمارے جان و دل کی اقلیم آپ کی تشریف آوری سے شرمندہ ہے کہ آپ سے بادشاہ کے قابل نہیں ہے آپ کچھ خیال نہ فرمائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں اس نے چھوڑ دیا اور دوسروں کے حسن باطنی پر مائل ہو گیا۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ میں نے گذشتہ لوگوں کی بہت تعریف کی ہے لیکن ان سے اقتضاءً میرا مقصود آپ ہی تھے۔ اور وہ تعریف آپ ہی کی طرف راجع تھی۔ آدمی کسی کی تعریف کرے لیکن وہ تعریف تو اپنا ٹھکانا پہچانتی ہے۔ درحقیقت وہ اُسی کی تعریف ہوگی جو اُس کا مستحق ہے مثلاً بلفظ ا میری تعریف کا کمالات باطنیہ تھے اور وہ کمالات

آپ میں علی وجہ الکمال موجود ہیں۔ تو وہ تعریف گو صورۃً اوروں کی ہو۔ مگر اقتضاءً ولزوماً آپ کی ہوگی اور یہی میرا مقصود تھا اور اون کو آپ کے لئے پردہ بنایا تھا۔ آپ تو خود واقف ہیں کہ حق سبحانہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو نااہلوں سے چھپانے کے لئے حکایات وامثال کے پردہ میں چھپایا ہے اگرچہ وہ تعریف آپ سے شرمندہ ہے کہ آپ کے رتبہ کے لائق نہیں لیکن آپ متخلق باخلاق اللہ ہیں اور حق سبحانہ کی عادت ہے کہ وہ ناداروں کے ادنی کوشش کو بھی قبول فرماتے ہیں۔ اور ایک روٹی کا ٹکڑہ صدقہ میں قبول فرماکر بذل اموال سے معذور رکھتے ہیں اور یہ کہ کور باطن کی آنکھ کے دو قطروں ہی کو بقدر ضرورت سمجھتے ہیں لہذا آپ بھی اس ادنے ہدیہ کو قبول فرمائے میرے اس ابہام کو مرغ و ماہی بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں نے ضیاء الحق حسام الدین ہی کی تعریف کی ہے اور ابہام کی غرض یہ تھی کہ ان کے حاسد جلکر آہ نہ نکالیں۔ اور یہ کہ ان کے ایسے خیال کو دانتوں سے نہ کاٹیں جو ان کی متخیلہ نے تراش لیا ہے۔ کیونکہ اصلی خیال کو تو وہ کہاں پاسکتے ہیں اور اون کی صورت واقعیہ تو اون کے دماغ میں کہاں پہونچ سکتی ہے بھلا چوہے کے بل میں طوطی کب سوتا ہے۔ وہ خیال تو خود اونہیں کا تراشا ہوا ہے۔ نہ کہ واقعی اور خود انہیں کی ابرو کا بال ہے نہ کہ چاند القصہ میں آپ کی تعریف لفظی نہیں کرتا جس کا تعلق حواس خمسہ اور اس عالم اجسام سے ہے بلکہ میں آپ کی تعریف دل سے کرتا ہوں جو حواس خمسہ اور ہفت افلاک سے خارج ہے۔ خیر یہ گفتگو تو ہو چکی اب یہ لکھو کہ دقوقی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے (یاد رکھو کہ ہمنے اے ضیاء الحق حسام الدین راد الخ کو اس ملال اور شکایت کا ازالہ قرار دیا ہے جو محبوب کو عاشق کی توجہ الی الغیر سے پیدا ہوتا ہے اور بر نویس الکنوں کو قصہ کی طرف انتقال مانا ہے۔ وھو الطف واقرب عندی اور ولی محمد نے مصرع اے ضیاء الحق حسام الدین راد کو بر نویس اکنوں دقوقی پیش رفت کے ساتھ مرتبط قرار دیا ہے۔ اور استمداد بضیاء الحق لاتمام القصہ مانا ہے اور مضمون مابین دو مصراعین کو جملہ معترضہ کہا ہے وہو ایضاً محتمل) ہر چند کہ مولانا نے قصہ کو شروع کرنا

چاہا تھا مگر پھر کچھ یاد آگیا۔ اور مضمون سابق ہی کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ذکر نماز سے ایک اور مضمون ذہن میں آگیا۔ اوسکو بھی بیان کرتے چلیں۔ پھر قصہ بیان کرینگے ایک تو تائید اس امر کی کہ مدح قوم ما مضے میں آپ کی تعریف مندمج ہے اوپر گذر چکی۔ دوسری تائید اب یاد آئی۔ آپکو معلوم ہے کہ التحیات اور السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین میں تمام انبیا کی تعریفیں مندرج ہیں اور وہ تعریفیں سب یوں مخلوط ہیں جیسے ایک لگن میں بہت سے لوٹے پانی کے ڈالدیے ہوں۔ ایک لگن کہنے کی یہ وجہ ہے کہ حقیقت میں ممدوح صرف ایک ذات حق سبحانہ ہے اور ایک سے زیادہ نہیں ہے اسی اعتبار سے تمام مذاہب مختلفہ بھی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہی مذہب ہیں کیونکہ جو مدح کسیکی کیجاتی ہے وہ حقیقت میں نور حق کی طرف راجع ہوتی ہے۔ اور صور و اشخاص کے لئے عاریت ہوتی ہے۔ لوگ حقیقۃً مستحق حمد (حق سبحانہ) ہی کی مدح کرتے ہیں۔ لیکن مبتلائے گمان فاسد ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں اون کی مثال ایسی ہے جیسے چاندکی روشنی ایک دیوار پر پڑ رہی ہے اور دیوار ماہ و نور کے درمیان واسطہ و رابطہ کی مثل ہو۔ مگر جب وہ چاندنی اوس دیوار سے گذر کر اپنی اصل کی طرف راجع ہو جاوے تو گمراہ سمجھ لے کہ چاند نہیں رہا۔ اور تعریف سے رک جائے۔ یا یوں کہو کہ چاندکا عکس کنویں میں پڑ رہا ہے اور وہ گمراہ کنویں میں منہ ڈالکر اوس کے عکس کی تعریف کر رہا ہے اس صورت میں وہ تعریف کرنے والا درحقیقت چاندکی تعریف کر رہا ہے۔ مگر اپنی نادانی سے اوس نے عکس کی طرف رُخ کر رکھا ہے اور وہ اوسی کو ممدوح جانتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ عکس کی تعریف نہیں بلکہ چاند کی تعریف ہے۔ اس غلط بینی کے سبب یہ فعل اوس کا کفر ہو گیا اور وہ جری اپنی بدبختی سے گمراہ ہو گیا۔ اور چاند درحقیقت اوپر تھا اوس نے اوس کو نیچے سمجھا اسی قسم کا مغالطہ حسن پرستوں کو ہوتا ہے کہ وہ حسینوں کی محبت میں پریشان ہوتے ہیں اور جب کامیاب ہوتے ہیں اوس وقت بھی کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ بلکہ شہوت رانے کر کے نادم ہوتے ہیں۔ اور حقیقی وجہ پشیمانی کی یہ ہے کہ اونہوں نے ایک خیال کی طرح بے حقیقت شئے میں شہوت کو

صرف کیا ہے۔ اور حقیقت سے دور رہے ہیں۔ تمکو اس شہوت و خواہش کی نہایت قدر کرنی چاہیئے کیونکہ تم کو جو کسی حسین کی طرف میلان ہوتا ہے یہ ایک پر ہے جس کے سبب تم حقیقت تک پہونچ سکتے ہو۔ اس کی دو وجہیں ہیں اول تو یہ کہ تم اس مظہر سے ظاہر کی طرف اور فرع سے اصل کی طرف منتقل ہو سکتے ہو۔ دوسری یہ کہ یہ قوت انسان میں ایک نہایت اعلیٰ جوہر ہے۔ جو ذوق و شوق اور شگفتگی طبیعت میں مدد دیتا ہے۔ اگر اوس کو حق سبحانہ سے متعلق کیا جاوے تو بہت جلد موصل الی المطلوب ہو جاتا ہے جب تم نے شہوت پوری کر لی تو وہ پر تمہارا ضائع ہو گیا۔ اور تم لنگڑے ہو گئے اور لطف یہ کہ جس تصویر پر تم عاشق ہوئے تھے وہ بھی تم سے الگ ہو گئی خواہ اس لئے کہ خود تم کو ہی اوس کی خواہش نہ رہی یا اس لئے کہ تم اوس کے کام کے نہ رہے اور خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہو گیا۔ لہذا تم کو شہوت رانی کر کے اپنے پروں کو ضائع نہ کرنا چاہیئے تاکہ یہ میل و رغبت کا پر تم کو جنت میں لیجا سکے لوگ نہایت غلطی کرتے ہیں کہ وہ شہوت رانی کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم مزے اڑا رہے ہیں کیونکہ وہ ایک تصویر کے لئے اپنے پر اوکھیڑ رہے ہیں میں اس کی تفصیل اس وقت نہیں کر سکتا اس لئے میں اس کا مقروض ہوں۔ تم مجھے مہلت دو کہ جب وسعت ہو اُس وقت اس قرض کو ادا کروں۔ اب چونکہ تنگدست ہوں اور بعض عوارض کے سبب قرض یہاں ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجبوراً خاموشی اختیار کرتا ہوں۔ اچھا اب میں واپس ہوتا ہوں کیونکہ وعظ بہت طویل ہو گیا ہے اور وقت بھی ناکافی ہے اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ لوگ نماز سے رُکے ہوئے ہیں۔

شرح شبیری

قصہ ہا آغاز کردیم از شتاب　　ماند بے مخلص درون ایں کتاب

یعنی ہمنے بہت سے قصے جلدی سے شروع کر دیئے اور باطن اس کتاب کا

بے مخلص رہگیا۔ یعنی ان قصوں میں اس کتاب سے جو مقصود تھا وہ رہگیا۔ اب چونکہ مولانا حسام الدین ہی کا فیض اس مثنوی کو سمجھتے ہیں لہذا آگے اون کی تعریف کرتے ہیں

اے ضیاء الحق حسام الدین راد　　　که فلک وارکان چو تو شاہے نزاد

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین بزرگ کہ فلک اور ارکان نے آپ جیسا کوئی بادشاہ پیدا نہیں کیا۔

تو بنادر آمدی در جان و دل　　　ای دل و جاں از قدوم تو خجل

یعنی جان و دل میں آپ ایک نادر تشریف لائے ہیں اے وہ شخص کہ آپ کے قدوم سے دل و جاں خجل ہیں۔

چند کردم مدح قوم ما مضے　　　قصد من زانہا تو بودی اقتضا

یعنی میں نے گذشتہ لوگوں کی مدح بہت کی ہے مگر اونسے میرے مقصود اقتضا کی وجہ سے آپ ہی تھے

خانۂ خود را شناسد خود دعا　　　تو بنام ہر کہ خواہی کن ثنا

یعنی دعا تو اپنا گھر خود پہچانتی ہے تو جسکے نام سے چاہو ثنا کرو۔ مطلب یہ کہ میں نے اگرچہ اوروں کے نام لیکر ثنا کی ہے مگر ثنا تو اپنا گھر جانتی ہے وہ ادہر ادہر ہوکر آپ ہی پر پہونچتی ہے۔

بہر کتمان مدیح از نا محل　　　حق نہادست ایں حکایات و مثل

یعنی ممدوح کے بے موقعہ ہونیکی وجہ سے پوشیدہ رکھنے کو حق تعالے نے یہ حکایات اور مثل بیان فرمائی ہیں مطلب یہ کہ حق تعالے نے جو قرآن شریف میں انبیاء کے قصص بیان فرمائے ہیں اور اونکی تعریفیں کی ہیں ان سب سے تعریف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مقصود تھی مگر سہ خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں ٭ گفتہ آید در حدیث دیگراں ٭ کی وجہ سے ہر جگہ حضور کا نام مبارک نہیں لیا۔ اسیطرح فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ہر جگہ تمہارا نام نہیں لیا۔ مگر مقصود آپ کی ہی تعریف تھی۔

گرچہ آں مدح از تو ہم آمد خجل　　لیک بپذیر و خدا جهد المقل

یعنی اگرچہ مدح بھی آپ سے خجل ہے (اور آپ کی مدح اب بھی پوری طرح نہ ہوسکی) لیکن حق تعالےٰ غریبوں کی کوشش کو قبول فرما لیتے ہیں۔

حق پذیرد کسرہ را دارد معاف　　کز دو دیدہ کور دو قطرہ کفاف

یعنی حق تعالےٰ ایک ٹکڑہ کو قبول فرما لیتے ہیں اور معاف رکھتے ہیں اس لئے کہ اندھے کی دونوں آنکھوں سے دو قطرہ بھی کافی ہیں (تو اسی طرح ہم نے جس قدر مدح کر دی ہے ہم غریبوں سے اسی کو قبول فرما لیجئے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

مرغ و ماہی داند آں ابہام را　　کہ ستودم مجمل ایں خوش نام را

یعنی ابہام کو مرغ و ماہی بھی جانتے ہیں جس خوش نام کی میں نے مجملاً تعریف کی ہے (اور مجمل اس لئے کی کہ)

تا بر و آہ حسوداں کم وزد　　تا خیالش را بدنداں کم گزد

یعنی تاکہ اون پر حسودوں کی آہ کم چلے اور تاکہ اون کے خیال کو دانتوں میں کم کاٹیں۔ مطلب یہ کہ نام اس لئے نہیں لیا تاکہ حاسد لوگ حسد نکر سکیں پس مجمل ہی رہنے دیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود خیالش را کجا یابد حسود　　در وثاق موش طوطی کے غنود

یعنی خود حاسد اون کے خیال ہی کو کب پاوے گا موش کے بل میں طوطی کب سوئی ہے۔ (تو اون لوگوں کے ذہن میں اون کا خیال کب آتا ہے۔)

آں خیال او بود از احتیال　　موئے ابروئے و نیست آں نے ہلال

یعنی وہ اوسی کا خیال ہے جیلہ کی وجہ سے اور اوسی کی ابرو کا بال ہے نہ کہ ہلال ہے۔

مدح تو گویم بروں از پنج و ہفت ۔۔۔ بر نویس اکنوں دقوقی پیش رفت

یعنی آپ کی مدح میں پنج (حواس) اور ہفت (سمار) سے باہر ہو کر کہوں گا۔ اب تو لکھو کہ دقوقی آگے چلے گئے مطلب یہ کہ آپ کی مدح اس جہان میں سما نہیں سکتی لہذا ان حواس سے اور اس عالم سے باہر ہو کر آپ کی مدح کہوں تو کہہ سکتا ہوں تو اب اس کو یہیں ترک کر کے دقوقی کی امامت کو لکھا جاتا ہے۔ قصہ کی طرف اس مصرعہ ہی میں جو کچھ بیان ہے وہی ہے آگے سرخی کے آگے ہی مولانا کو چونکہ جوش زیادہ ہے قصہ بیان نکریں گے بلکہ اور مضمون مدح ہی کا بیان فرماویں گے۔

دقوقی کا اوس غیبی قوم کی امامت کیلیے آگے جانا

در تحیات و سلام الصالحین ۔۔۔ مدح جملہ انبیا آمد عجین

یعنی التحیات اور سلام صالحین میں تمام انبیا کی مدح ملے ہوئی آئی ہے مطلب یہ کہ دیکھو التحیات میں تمام انبیا کی مدح ملی ہوئی ہے۔

مدحہا شد جملگی آمیختہ ۔۔۔ کوزہا در یک لگن در ریختہ

یعنی تعریفیں ساری ملی ہوئی ہیں اور کوزے ایک لگن میں پڑے ہوئے ہیں۔

زانکہ خود ممدوح جز یک بیش نیست ۔۔۔ کیشہا زیں روئے جز یک کیش نیست

اسی لئے کہ خود ممدوح سوائے ایک کے نہیں ہے اور مذاہب اس حیثیت سے سوائے ایک مذہب کے نہیں ہیں۔

زانکہ ہر مدحے بنور حق رود ۔۔۔ بر صور و اشخاص عاریت بود

یعنی اس لئے ہر مدح نور حق سے چلتی ہے اور صورتوں اور اشخاص پر عاریت ہوتی ہے

مدحہا جز مستحق را کے کنند　　لیک بر پنداشت گمرہ می شوند

یعنی مدحین سوائے مستحق کے (اور کسیکو) کب کرتے ہیں لیکن اپنے گمان پر گمراہ ہوتی ہیں
مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ہندو مسلمان عیسائی نصرانی عام وخاص جو کوئی کسیکی تعریف
کرتا ہے خواہ اپنے معبود کی یا اپنے کسی ویسے ممدوح کی اصل میں وہ ساری تعریفیں
حق تعالے کی ہیں اس لئے کہ مثلاً کسی کے کرم کی تعریف کرتے ہیں تو یہ صفت اصل میں
کسکی ہے حق تعالے کی یا مثلاً کسیکی قادر ہونے کی تعریف کرتے ہیں یہ بھی اصل میں
حق تعالے کی صفت ہے اور اس درجہ میں سارے مذاہب ایک ہو گئے مگر ایک
خرابی چونکہ ہو گئی ہے اس وجہ سے کفر واسلام الگ الگ ہے وہ یہ کہ اوس مدح میں
اپنے اوس ممدوح کو مقصود سمجھ لیتے ہیں اور خاص اوسی کی مدح کرتے ہیں۔ بس اس
اعتقاد کی بدولت گمراہ ہوئے ہیں۔ ورنہ اصل ہیں سارے حق تعالے ہی کے اوصاف
کی حمد کر رہے ہیں اگر ان لوگوں کو یہ گمان نہوتا تو بے شک یہ لوگ کوئی بھی گمراہ نہوتے مدح
جس کی چاہے کرتے مگر مقصود حق تعالے ہی ہوتے تو ظاہر ہے کہ کوئی حرج نہیں
ہے اس لئے کہ یوں تو اہل اسلام بھی مدح کرتے ہیں مگر اوس شئے کو مقصود نہیں
بناتے آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو نور تافتہ بر حائطے　　حائطہ آں انوار را چوں رابطے

یعنی جیسے کہ کوئی نور ایک دیوار پر چمکا ہوا ہو تو دیوار اون انوار کے لئے مثل ایک
واسطہ کے ہے۔

لاجرم چوں سایہ سوئی اصل راند　　ضال مہ گم کرد و استائش بماند

یعنی لاجرم جب سایہ اصل کی طرف چلا گیا تو گمراہ آدمی نے چاند کو گم کر دیا۔ اور اوسکی

تعریف سے رہگیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو چاند کا عکس کسی دیوار پر پڑا تو ایک تو وہ شخص ہے
کہ خود چاند کے نور کی تعریف کر رہا ہے اور دوسرا اوس دیوار کی مدح کر رہا ہے
جس پر چاند کا عکس پڑرہا ہے تو اب دیکھو کہ تہوڑی دیر میں یہ چاند نی اور اوس
دیوار کی چمک دمک معدوم ہونے والی ہے۔ تو یہ حضرت مادح صاحب مدح
سے بہی رہجاویں گے اور جو چاند کی مدح کر رہا تہا وہ اب بہی مادح ہے اسلئے
کہ اوس کا نور باقی ہے تو اسیطرح جن لوگوں نے کہ اوروں کو مقصود بنا رکہا
ہے وہ تو اون کے معدوم ہونے کے وقت تکتے رہجاویں گے اور جن کا مقصود
حق تعالے ہیں وہ مدت العمر مدح کریں گے اور ممدوح موجود ہو گا۔ آگے دوسری
مثال فرماتے ہیں کہ۔

یا ز چاہے عکس ماہے وانمود | سر بچہ میکرد واں را مے ستود

یعنی یا کنویں سے چاند کا عکس دکہائی دیا تو ایک شخص نے سر کنویں میں
کر کے اوس کی تعریف شروع کی۔

در حقیقت مادح ماہ ہست او | گرچہ جہل و بعکسش کردہ رو

یعنی وہ حقیقت میں چاند ہی کا مادح ہے اگرچہ اپنی جہل کی وجہ سے اوسکے عکس
کی طرف مُنہ کر رکہا ہے۔

مدح او مہ راست نے آں عکس را | کفر شد آں چوں غلط شد ماجرا

یعنی اوس کی مدح چاند کو ہے اوس عکس کو نہیں ہے اور جب یہ ماجرا غلط ہوگیا
تو یہی کفر ہوگیا۔ مطلب یہ کہ وہ جو اوس کے اوصاف کی تعریف کر رہا ہے وہ
اوصاف تو چاند کے ہیں تو اصل میں تعریف اور مدح چاند کی ہوئی بس اوسکی
جو یہ غلطی ہے کہ یہ اوس عکس کی مدح کرنے لگا ہے یہی اوس کی غلطی ہے اور

اسی سے کفر لازم آتا ہے۔

کز شقاوت گشت گمرہ آن دلیر　　مہ بہ بالا بود او پنداشت زیر

یعنی اسلئے کہ شقاوت کی وجہ سے وہ دلیر گمراہ ہوا کہ چاند اوپر تھا اور اُس نے نیچے سمجھا۔

زین بتان خلقان پریشان میشوند　　شہوتے رانده پشیمان میشوند

یعنی ان بتوں کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں اور شہوت رانی کرکے پشیمان ہوتے ہیں

زانکہ شہوت با خیالے رانده اند　　در حقیقت دور تر وا مانده اند

یعنی اسلئے شہوت رانی ایک خیال کی ساتھ کی اور حقیقت میں بہت دور رہے ہیں۔

با خیالے میل تو چون پر بود　　تا بدان پر بر حقیقت بر شود

یعنی خیالی چیزوں کے ساتھ تیرا میلان پر ہوتا ہے تاکہ تم اسپر سے حقیقت پر پہونچو۔

چون براندی شہوتے پر بر بخیت　　لنگ گشتی وان خیال از تو گریخت

یعنی جبکہ تو نے شہوت رانی کرلی تو وہ تمہارا پر گرگیا اور تم لنگڑے ہوگئے اور وہ خیال تمسے جاتا رہا

پر نگہدار و چنین شہوت مران　　تا پر میلت برد سوئے جنان

یعنی پر کی حفاظت کر اور شہوت انی اسطرح مت کرو تاکہ تمہارا پر میل تمکو جنان کی طرف لیجاوے۔

خلق پندارند عشرت می کنند　　بر خیالے پر خود بر می کنند

یعنی لوگ جانتے ہیں کہ وہ عشرت کر رہے ہیں اور ایک خیال پر اپنے پر اکھاڑ رہے ہیں
مطلب ان ابیات کا یہ ہے کہ ان میں جو قوت شہوانی ہے وہ ایک ایسی قوت ہے

کہ اسکو اگر اپنے اندر جمع رکھا جاوے اور اُس سے کام لیا جاوے تو وہی قوت موصل الی الحق ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس کے رہنے سے ایک جوش اور ہمت رہتی ہے اور کام جوش اور ہمت ہی سے ہوتا ہے تو بس اُس کو اندر رکھکر کام کرے تو کام خوب ہوتا ہے اور اگر اُسکو نکال دیا تو سمجھو کہ اس سے کسل ہوگا اور ایسا ہو گیا کہ گویا تم نے اپنا ایک پر اُکھاڑ دیا۔ اور لنگڑے ہو گئے لہذا چاہیے کہ اس میں افراط نہ کرو۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ افراط شہوت رانی سے باطنی نقصان ہوتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ اس شہوت کو ان بتان مجازی کے ساتھ عشرت کرنے میں خرچ مت کرو بلکہ اس سے دوسرا کام بھی لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

وام دار شرح ایں نکتہ شدم مہلتم دہ معسرم زاں تن زدم

یعنی اس نکتہ کی شرح کرنے کے ہم قرضدار رہے تم مجھے مہلت دو اسلئے کہ میں معسر ہوں اسی نئے چپ ہو گیا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر کوئی قرضدار معسر ہو تو اس کو شریعت مہلت دیتی ہے تو اسی طرح اس وقت ہم بھی معسر ہیں اور ہم اس وقت بیان نہیں کر سکتے ہمارے ذمہ یہ قرض رہا۔ انشاء اللہ پھر کہیں بیان کر دینگے۔

باز گردم زانکہ قصہ شد دراز وقت تنگ و خلق موقوف نماز

یعنی میں واپس ہوتا ہوں اس لئے کہ یہ قصہ دراز ہو گیا ہے اور وقت تنگ ہے اور لوگ نماز میں موقوف ہیں یعنی لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوئے ہیں اور ہم قصہ دوسرا لے بیٹھے لہذا اب آگے اُن کی نماز کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

پیش در شد آن وفوقی در نماز قوم ہمچوں اطلس آمد آن طراز

اقتدا کردند آن شاہان قطار　　در پئے آن مقتدائے نام دار

چونکہ با تکبیر ہا مقرون شدند　　ہمچون قربان از جہان بیرون شدند

وقوقی نماز میں آگے تھے اور قوم اُنکی اقتدا میں پیچھے۔ قوم اطلس کی طرح تھی اور وہ وقوقی اُس اطلس کا بوٹا تھے غرض سب نے صف بستہ ہو کر اُنکے پیچھے اقتدا کی اور نماز شروع ہوگئی جب تکبیر کہنے لگے ہیں اُس وقت وہ اُس عالم ناسوت سے یوں نکل گئے جس طرح قربانی کا جانور ذبح ہو کر نکل جاتا ہے یعنی نماز میں اُن کو اس درجہ استغراق ہوا کہ دنیا وما فیہا کی خبر نہ رہی۔

شرح شبیری

اُس قوم کا دقوقی کے پیچھے اقتدا کرنا

پیش در شد آن دقوقی در نماز　　قوم ہمچوں اطلس آمد او طراز

یعنی وہ دقوقی نماز میں آگے ہوئے وہ قوم تو اطلس کی طرح تھی اور یہ بوٹے کی طرح یعنی جس طرح کہ کپڑے کی زینت بوٹوں سے ہوتی ہے اسی طرح یہ زینت القوم تھے۔

اقتدا کردند آن شاہان قطار　　در پئے آن مقتدائے نام دار

یعنی اُن بادشاہوں نے قطار کر کے اُس مقتدائے نام دار کے پیچھے اقتدا کی۔

چونکہ با تکبیر ہا مقرون شدند　　ہمچو قربان از جہان بیرون شدند

یعنی جب وہ تکبیر کے ساتھ مقرون ہوئے تو قربانی کی طرح جہان سے باہر ہوگئے

یعنی جس طرح کہ قربانی بعد ذبح کے فنا ہو جاتی ہے اور اس عالم سے بیخبر ہو جاتی ہے اسی طرح وہ مستغرق اور بے خبر ہو گئے اب آگے مولانا نماز کے ارکان کے متعلق کچھ اشارات ونکات و مراقبات بیان فرماتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو ان حالات کو مستحضر کرے باقی ارکان صلوٰۃ ان نکات پر موقوف نہیں ہیں فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

معنے تکبیر اینست اے امیم | کائے خدا پیش تو ما قربان شدیم

وقت ذبح اللہ اکبر می کنی | ہمچنین در ذبح نفس کشتنی

گوئی اللہ اکبر و این شوم را | سر ببر تا وارہد جان از عنان

اب تکبیر کا ایک نکتہ بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب تم ابتدائے نماز میں اللہ اکبر کہتے ہو تو گویا اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ اے اللہ ہم آپ کے قربان ہو گئے ہیں اور ہم نے اپنی خودی کو مٹا دیا ہے پس جس طرح تم ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو یوں ہی اس گردن زدنے نفس کے ذبح کے لئے بھی کہنا چاہئے۔ اور اللہ اکبر کہکر اس منحوس کا سر اوڑا دینا چاہئے تاکہ تمہاری جان مصیبت سے چھوٹے۔

شرح شبیری

معنے تکبیر این است ای امیم | کائے خدا پیش تو ما قربان شدیم

یعنی اے امام تکبیر کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا ہم آپ کے سامنے قربان ہوتے ہیں

وقت ذبح اللہ اکبر مے کنے | ہمچنیں در ذبح نفس کشتنے

یعنی ذبح کے وقت تم اللہ اکبر کہتے ہو بس اسی طرح اس نفس کی کشتنی ذبح کیوقت بھی

مطلب یہ کہ جس طرح ذبح کے وقت اللہ اکبر کہتے ہو اسی طرح جب نماز کے لئے اللہ اکبر کہو تو یہی سمجھو کہ ہم اس نفس کو ذبح کر رہے ہیں اس پر اللہ اکبر کہہ رہے ہیں۔

گوئی اللہ اکبر و آن شوم را — سر ببر تا وارہد جان از عنا

یعنی اللہ اکبر کہو اور اس منحوس کا سر کاٹو تا کہ جان مصیبت سے چھوٹ جاوے۔

شرح حبیبی

تن چو اسمٰعیل جان ہمچون خلیل — کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

گشت کشتہ تن ز شہوا تہا و آز — شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

چون قیامت پیش حق صفہا زدہ — در حساب و در مناجات آمدہ

ایستادہ پیش یزدان اشک ریز — بر مثال راست خیز رستخیز

ان حضرات کا جسم و نفس اسمٰعیل کی مانند عزیز اور بوجہ مطمئنہ ہو جانے کے ذبح پر آمادہ تھا اور اُن کی جان خلیل اللہ کی طرح اُس کی محب تھی مگر رضائے حق کیلئے اُس نے اللہ اکبر کہکر اُس کے گلے پر چھری پھیر دی اور اُن کا جسم و نفس تمام شہوات و خواہشات سے مر گیا اور بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہو گیا۔ یہ لوگ حق سبحانہ کے سامنے یوں صف بستہ کھڑے ہوئے مناجات اور محاسبہ میں مصروف تھے جیسے قیامت میں کھڑے ہوں اور یوں کھڑے ہوئے خدا کے سامنے گریہ و زاری کرتے تھے جیسے قیامت میں حق سبحانہ کے سامنے باادب سیدھے کھڑے ہوں

شرح شبیری

تن چو اسمٰعیل و جان ہمچون خلیل — کرد جان تکبیر بر جسم نبیل

یعنی تن تو (مذبوح ہونے میں) اسمٰعیل کی طرح ہے اور روح (ذابح ہونے میں) خلیل اللہ کی طرح ہے تو روح نے اس جسم عظیم پر تکبیر کی ہے جب روح نے جسم پہ تکبیر کہی تو یہ ہوا کہ

گشت کشتہ تن ز شہوتہا و آز　　شد بہ بسم اللہ بسمل در نماز

یعنی شہوات سے اور حرص سے کشتہ ہو گیا۔ اور بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہو گیا (یہ سب نکات اور اشارات ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز میں اس طرح سوچے گویا کہ یوں ہو رہا ہے اور یہ سوچے کہ)

چو قیامت پیش حق صفہا زدہ　　در حساب و در مناجات آمدہ

یعنی قیامت کی طرح حق کے سامنے صف باندھے اور حساب اور مناجات میں (گویا کہ) آئے ہوئے ہیں۔

ایستادہ پیش یزدان اشک ریز　　بر مثال راست خیز رستخیز

یعنی حق تعالیٰ کے سامنے اشک ریز مثل روز رستخیز کے راست خیز کے کھڑے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ قیامت میں لوگ سیدھے اُٹھینگے اسی طرح یہ یہ نماز میں کھڑے ہوئے ہیں۔ اب اُس کے بعد یہ سوچے کہ گویا کہ۔

شرح حبیبی

حق ہمی گوید چہ آوردی مرا　　اندریں مہلت کہ دادم من ترا

عمر خود را در چہ پایاں بردۂ　　قوت قوت در چہ فانی کردۂ

گوهر دیده کجا فرسوده / پنج حس در کجا پالوده

گوش و چشم و هوش گوهرهای عرش / خرج کردی چه خریدی تو ز فرش

دست و پاها او دست بیل و کلند / من بخشیدم ز خود آن کی شدند

همچنین پیغامهای دردناک / صد هزاران آمد از یزدان پاک

در قیام این گفتگو دارد رجوع / وز خجالت شد دوتا اندر رکوع

ایستادن را نماند قوتی / در رکوع آمد ز شرم او ساعتی

قوت استادن از خجلت نماند / در رکوع از شرم تسبیحی بخواند

باز فرمان می رسد بر دار سر / از رکوع و پاسخ حق بر شمر

سر بر آرد از رکوع آن شرمسار / باز اندر رو فتد آن خام کار

باز فرمان آیدش بر دار سر / از سجود و داد از کرده خبر

سر بر آرد او دگر ره شرمسار / باز اندر رو فتد آن خام کار

باز گوید سر بر آرد باز گو / که بخواهم جست از تو مو بمو

رکعت دیگر بیارد همچنین / از نهیب و سهم یزدان در انین

چون خطاب آمد دگر باره که خیز / تا چه کردستی زبان بگشای تیز

قوت پا ایستادن نبودش / که خطاب هیبتی بر جان زدش

پس نشنید قعده زان بار گران | حضرتش گوید سخن گو با بیان

نعمت دادم بگو شکرت چه بود | دادمت سرمایه هین بنمای سود

چون نه سرمایه بود او را نه سود | شافعی خواهد که آرد عذر زود

رو بدست راست آرد سلام | سوئے جان انبیا و آن کرام

یعنی ای شاهان شفاعت کاین لئیم | سخت در گل ماندش پا و گلیم

انبیا گویند روز چاره رفت | چاره آنجا بود و دست افزار زفت

مرغ بے ہنگامے ای بدبخت رو | ترک ما گو خون ما اندر مشو

رو بگرداند بسوئے دست چپ | در تبار و خویش گویندش کہ خب

ہین جواب خویش گو با کردگار | ما کہ ایم اے خواجہ دست از ما بدار

نے ازین سو نے ازان سو چارہ شد | جان آن بیچارہ دل صد پارہ شد

از ہمہ نومید گردد آن دغا | پس بر آرد ہر دو دست اندر دعا

کز ہمہ نومید گشتم اے خدا | اول و آخر توئے و منتہا

ہست امیدی کہ عنایت در رشد | گردد او امین ز حبل من مسد

در نماز این خوش اشارتہا ببین | تا بدانی کاین بخواہد شد یقین

معنی تسلیم این ای مقتدی | کہ توئے حق ہادی و ما مہتدی

ہر چہ فرمائی تو منقادیم ما　　　　با قضائے جرم گوشادیم ما
بچہ بیروں آر از بیضہ نماز　　　　سر مزن چون مرغ بے تعظیم و ثنا

یہاں سے مولانا کا مقصود یہ ہے کہ نماز میں علاوہ اور مصالح و حکم کے ایک یہ بھی راز ہے کہ یہ نقشہ ہے اوس معاملہ کا جو قیامت میں بصورت عصیاں عبد حق سبحانہ اور بندے کے درمیان پیش آئے گا۔ اور نماز اوس حالت کو یاد دلاتی ہے جو قیامت میں ہونیوالی ہے پس تم کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑو۔ اور اطاعت حق میں کمربستہ ہو تاکہ اوسوقت شرمساری ہو۔ تفصیل اوس کی یہ ہے کہ جب آدمی نماز شروع کرتا ہے تو گویا کہ ایک مجرم جوابدہی کے لئے حق سبحانہ کی عدالت میں لایا گیا ہے اور حق سبحانہ اوس سے فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تجھکو دنیا میں اتنی مہلت دی تھی اس میں تو نے ہماری خوشنودی کے لئے کیا کام کئے اور اپنی عمر کو کن کاموں میں ختم کیا اور غذائے قوت کو کہاں کہویا آنکھ کے موتی کو کہاں گھسا اور حواس خمسہ کو کہاں ختم کیا۔ کان آنکھ عقل جو عرش کے موتی یعنی ہماری دی ہوئی اعلے نعمتیں تہیں اون کو تو نے خرچ کیا بتا دنیا میں اوس کی عوض کیا خریدا رتجھکو ہاتھہ پاؤں بیلچہ اور کسی کی طرح آلات کسب ہمنے عطا کئے تھے خود بخود نہ ہو گئے تھے پہر تو نے اون سے ہمارے لئے کیا کمایا۔ یہ اور اسی قسم کے اور لاکہوں سوالات حق سبحانہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور حالت قیام میں یہ خطابات اوسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس کو انکا کچھہ جواب نہیں بن پڑتا۔ اور شرم کے مارے جہک جاتا ہے۔ گویا کہ وہ رکوع میں ہے اور چونکہ کہڑے ہونے کی تاب نہیں رہی تھی اس لئے کچھہ دیر رکوع کے حالت میں رہتا ہے اور چونکہ مارے ندامت کے کہڑا نہیں ہو سکتا اس لئے رکوع میں تسبیح کرتا ہے۔ پہر حکم ہوتا ہے کہ جہک کیوں گیا۔ سیدہا کہڑا ہو اور جواب دے وہ مجبوراً سر اوٹہاتا ہے لیکن اس سے کہڑا نہیں ہوا جاتا اس لئے مُنہ کے بل گر پڑتا ہے گویا کہ وہ سجدہ میں ہے۔ پہر حکم ہوتا ہے کہ سر اُٹھا کر کیوں پڑا جواب دے وہ پہر اوٹہتا ہے اور کہڑے ہونے کی تاب نہیں ہوتی۔ اس لئے بیٹھ جاتا ہے تو گویا کہ وہ جلسہ میں ہے۔

اور جب جلسہ میں ندامت کا غلبہ ہوتا ہے تو پہر سانپ کی طرح مُنہ کے بل گر پڑتا ہے۔
گو یا کہ دوسرے سجدہ میں ہے پہر حکم ہوتا ہے کہ گر گر کیوں پڑتا ہے۔ اوٹھ کے کہڑا
ہو اور جواب دے میں تجہسے مفصل جواب لوں گا اب وہ پہر اوٹہتا ہے گو یا کہ دوسری
رکعت شروع کرتا ہے اور وہ دوسری رکعت بہی رکعت اوسے کی طرح ختم ہو جاتی
ہے اور حق سبحانہ کے خوف سے روتا ہوتا ہے پہر حکم ہوتا ہے کہ اوٹہہ جلد بیان کر
کہ تو نے کیا کیا مگر اس پر ندامت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ کہڑا نہیں ہو سکتا۔ اور بیٹھ جاتا ہے
اور حضرت حق کا حکم ہوتا ہے کہ تفصیلی جواب دے کہ ہم نے جو نعمتیں دیں تو نے اون کا
شکر کیونکر ادا کیا اور ہمنے تجھے مال دیا تہا تو نے تجارت میں کیا نفع اوٹہایا۔ مگر جبکہ اوس کے
پاس نہ زر اصل ہوتا ہے نہ نفع تو پریشان ہو کر چاہتا ہے کہ کوئی سفارشی ہو جو میری
طرف سے معذرت کر کے مجھے نجات دلا دے۔ اس لئے وہ دائیں طرف انبیا اور دیگر
مقربین کی جانب رُخ کرتا ہے گو یا کہ وہ سلام پہیرتا ہے اور مقصد اوس کا یہ ہے
کہ آپ ہی حضرات سفارش فرمادیں کہ اس کمینہ کا پاؤں اور کمبل بُری طرح دلدل
میں پھنس گیا ہے انبیا اوس کو جواب دیتے ہیں کہ ابتو کچھہ نہیں ہو سکتا۔ دنیا ہی میں اسکی
تدبیر اور اس کا کافی سامان تہا۔ سو وہاں تو نے کچھہ کیا نہیں اب کہتا ہے جب وقت
نکل گیا۔ پس تو مرغ بے ہنگام ہے اور بدبخت جا دور ہو ہمارا پیچھا چھوڑ۔ اور ہماری جان
نہ کہا۔ اودہر سے مایوس ہو کر بائیں طرف اپنے عزیز و اقارب کی طرف رُخ کرتا ہے۔
اور اون سے سفارش کا ملتجی ہوتا ہے وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ بس چپ رہ اور
حق سبحانہ کے سوال کا جواب دے ہم سے کچھہ توقع نہ رکھہ۔ ہم سفارش کرنے والے
کون ہوتے ہیں۔ جب نہ ادہر سے کام چلا نہ اودہر سے تو اوس کی جان مجبور ہو گئی
اور صدمہ سے دل صد چاک ہو گیا۔ اور وہ شریر سب سے نا امید ہو کر حق سبحانہ
کی جناب میں دست بدعا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میں سب سے نا امید ہو گیا ہوں
میرا اول و آخر اور مبدا و منتہا تو تو ہی ہے تو مجھپر رحم فرما اور مجھے معاف کر اب مولانا
فرماتے ہیں کہ اب یہ ٹہیک راستہ پر آیا ہے۔ کیونکہ امید کی جگہ یہی درگاہ ہے۔ اور

امید ہے کہ اوس کی درخواست رد نہو گی بلکہ اس پر رحمت ہو گی۔ اور اوس کی گردن اس پھندے سے چھوٹ جائیگی۔ پس سمجھو کہ نماز اور اوس کے افعال میں یہ نفیس اشارات ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جاوے۔ کہ بصورت عدم اطاعت کے تمہاری یہی حالت ہو گی۔ ایک اور بات بھی باقی رہگئی۔ اوس کا راز بھی بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہی وہ یہ کہ مقتدین کے افعال صلوۃ میں تو وہی اشارات ہیں جو امام یا منفرد کی نماز میں ہیں مگر نفس اقتدا میں کیا اشارہ ہے سو اس کو بھی سمجھو۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم یوں کہو کہ اے اللہ ہم آپ کے مطیع ہیں آپ ہمارے ہادی ہیں اور ہم مہتدی آپ جو فرمائیں ہم اوس کی اطاعت پر کمر بستہ ہیں اور ہمارے جرم پر جو سزا تجویز فرمائیں ہم اوس پر بحیثیت آپ کا فیصلہ ہونے کے خوش ہیں گو بحیثیت فی نفسہٖ مصیبت ہونے کے ہم اپنے رہائی کی درخواست کرتے ہیں پس تم کو نماز سے نتائج محمودہ حاصل کرنے چاہئیں اور مرغے کی طرح یوں چونچیں نہ مارنی چاہئیں کہ نہ تعظیم حق ادا ہو اور نہ اوس کے اوامر و نواہی کے موافقت ہو۔

شرح شبیری

حق ہمی گوید چہ آوردی مرا اندریں مہلت کہ دادم مر ترا

یعنی حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ تو ہمارے پاس اوس مہلت میں جو ہم نے تجھے دی تھی کیا لایا۔

عمر خود را در چہ پایاں بردۂ قوت و قوت در چہ فانی کردۂ

یعنی اپنی عمر کو کس شئے میں ختم کیا تو نے اور قوت و قوت کو کس شئے میں فنا کیا۔

گوہر دیدہ کجا فرسودۂ پنج حس را در کجا پالودۂ

یعنی گوہر دیدہ کو تو نے کہاں خراب کیا ہے اور پنج حس کا کہاں صفایا کیا ہے۔

گوش و چشم و ہوش گوہرہائے عرش　　　خرج کردی چہ خریدی تو ز فرش

یعنی گوش و چشم و ہوش جو گوہرہائے عرش ہیں تونے اون کو خرچ کیا۔ تو زمین سے اونکے بدلے میں اکیا خرید لایا ہے۔

دست و پا دادمت چوں بیل و کلند　　　من بہ بخشیدم ز خود آں کے شدند

یعنی میں نے تجھے ہاتھہ پاؤں بیل و کسی کی طرح دئے اور وہ میں نے ہی تو بخشے وہ از خود کب ہوئے تھے۔

ہمچنیں پیغامہائے دردناک　　　صد ہزاراں آید از یزدان پاک

یعنی ایسے ہی پیغامہائے دردناک لاکھوں یزدان پاک کی طرف سے آتے ہیں۔

در قیام ایں گفتہا دارد رجوع　　　وز خجالت شد دوتا اندر رکوع

یعنی قیام میں یہ باتیں اس طرف رجوع ہوئیں تو شرمندگی کی وجہہ سے یہ شخص رکوع میں دوہرا ہو گیا

ایستادن را نماندہ قوتے　　　در رکوع آمد ز شرم او ساعتے

یعنی کہڑے ہونیکی قوت نہ رہی تو رکوع میں شرم کی وجہہ سے ایک گہڑی کے لئے آگیا۔

قوت استادن از خجلت نماند　　　در رکوع از شرم تسبیحے بخواند

یعنی قوت کہڑے ہونیکی تو شرم کے مارے رہی نہیں تو رکوع میں شرم کیوجہ سے تسبیح پڑہی۔

باز فرماں مے رسد بردار سر　　　از رکوع و پاسخ حق بر شمر

یعنی پہر حکم پہونچتا ہے کہ سر رکوع سے اوٹہاؤ اور حق تعالے کا جواب دو۔

سر بر آرد از رکوع آں شرمسار　　　باز اندر رو فتد آں خامکار

یعنی وہ شرمسار رکوع سے سر اُٹہاتا ہے اور پہر منہ کے بل وہ خامکار گر پڑتا ہے۔ مطلب یہ کہ

گویا کہ اوس حکم کی وجہ سے سر اُٹھایا تھا۔ مگر پھر کچھ جواب نہ دے سکا تو پھر مُنہ کے بل گر پڑا یہی سجدہ ہے۔

باز فرماں آیدش بردار سر   از سجود و وادہ از کردہ خبر

یعنی اوس کے پاس پھر حکم آتا ہے کہ سر اُٹھا سجدہ سے اور کئے ہوئے کی خبر دے یعنی جو کام کئے ہیں وہ سب بتاؤ۔

سر بر آرد او دگرہ شرمسار   اندر افتد باز در رو ہمچو مار

یعنی وہ دوسری مرتبہ پھر سر اُٹھاتا ہے اور پھر شرمسار ہو کر مُنہ کے بل سانپ کی طرح گر پڑتا ہے

باز گوید سر برار و باز گو   کہ بخواہم جُست از تو مو بمو

یعنی پھر حکم ہوتا ہے کہ سر اُٹھا اور بتلا۔ میں تجھسے مو بمو جستجو کرونگا۔ (تو سر اُٹھاتا ہے اور دوسری رکعت پھر اسی طرح ادا ہوتی ہے کہ اوس طرف سے سوالات اور اس طرف سے عجز یہانتک کہ وہ رکعت بھی ختم ہو جاتی ہے اوس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ)

قوت پا ایستادن نبودش   کہ خطاب ہیبتے بر جاں زدش

یعنی پاؤں پر کھڑے ہونے کی اوسے قوت نہیں رہتی۔ کہ ایک ہیبت کا خطاب اوس کی جان پر غالب ہو جاتا ہے۔

پس نشیند قعدہ زاں بار گراں   حضرتش گوید سخن گو با بیاں

یعنی پس قعدہ میں اوس بار گراں کی وجہ سے بیٹھ جاتا ہے تو حضرت حق اوس سے فرماتے ہیں کہ بات پوری پور طرح کہدو۔

نعمتم دادم بگو شکرت چہ بود   دادمت سرمایہ ہیں بنمائے سود

یعنی میں نے تجھے نعمت دی تھی تیرا شکر کہاں ہے اور میں نے تجھے سرمایہ دیا دکھا نفع کہاں ہے

چوں نہ سرمایہ بود اورا نہ سود   شافعی خواہد کہ گوید عذر زود

یعنی جب نہ سرمایہ اوسکے پاس ہوتا ہے اور نہ نفع تو کسی شافع کو تلاش کرتا ہے جو جلدی سے عذر خواہی کر دے۔

بیان داہنی طرف سلام کرنے کا قیامت میں حق تعالیٰ کے محاسبہ کی

ہیبت کی وجہ سے اور انبیائے سے استعانت و شفاعت چاہنا

رو بدست راست آرد در سلام   سوئے جان انبیا وآں کرام

یعنی مُنہ داہنے ہاتھ کی طرف سلام میں انبیا اور اون کرام (فرشتوں کی طرف) لاتا ہے۔

انبیا را او سلامے مے کند   استعانت را طلب کردن مدد

یعنی انبیا کو وہ سلام کرتا ہے استعانت کے لئے اور مدد طلب کرنے کے لئے۔

یعنی ای شاہاں شفاعت کایں لئیم   سخت در گل ماندہ اش پاؤ گلیم

یعنی (کہتا ہے کہ) اے بادشاہو شفاعت (کرو) کہ اس لئیم کا پاؤں اور گلیم سب گارے میں دہنس گیا ہے۔

انبیا گویند روز چارہ رفت   چارہ آنجا بود و دست افزار رفت

یعنی انبیا کہیں گے کہ روز چارہ گیا چارہ اور دست افزار عظیم تو اوسی جگہ (دنیا) ہی میں تھا دست افزار شئے مستعمل مقصود چارہ۔

مُرغ بے ہنگامی ای بدبخت رو   ترک ما گو خون ما اندر مشو

یعنی تو مرغ بے ہنگام ہے اے بدبخت جا ہمیں چھوڑ اور ہمارے خون کا پیاسامت ہو۔

رو بگرداند بسوئے دست چپ   در تبار و خویش گویندش کہ خپ

یعنی بائیں ہاتھ کی طرف مُنہ خویش و تبار میں پہیرتا ہے تو وہ اوسکو کہدیتے ہیں کہ دور ہو۔

ہیں جواب خویش گو با کردگار   ماکہ ایم اے خواجہ دست از ما بدار

یعنی ارے اپنا جواب اللہ تعالیٰ سے خود کہہ ارے بابا ہم کون ہوتے ہیں ہمسے ہاتھ اٹھا۔

نے ازیں سو نے از آنسو چارہ شد   جان آں بیچارہ دل صد پارہ شد

یعنی نہ اس طرف سے چارہ ہوا اور نہ اوس طرف سے تو اسکی جان بیچارہ اور دل صد پارہ ہو گیا

از ہمہ نومید گردد آں دغا   پس برآرد ہر دو دست اندر دعا

یعنی وہ دغا باز سب سے نا امید ہو جاتا ہے تو پہر دعا میں دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے کہ

کز ہمہ نومید گشتم اے خدا   اول و آخر توئے و منتہا

یعنی کہ اے خدا میں سب سے نا امید ہو گیا ہوں اب اول و آخر آپ ہی ہیں اور منتہا آپ ہی ہیں

ہست امیدی کہ عنایت در رسد گر دد او ایمن ز حبل من مسد

یعنی امید ہے کہ عنایت پہونچے گی اور یہ شخص حبل من مسد سے بے خوف ہو جاوے گا مطلب یہ کہ امید ہے کہ اب دعا کرنے سے اوس کی امید بر آویگی اور یہ بلاؤں سے چھوٹ جاوے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

در نماز این خوش اشارتہا ببیں تا بدانی کایں بخواہد شد یقیں

یعنی نماز میں ان اچھے اشارات کو دیکھو تاکہ تم جان لو کہ اس طرح یقیناً ہوگا۔ مطلب یہ کہ یہ صرف اشارات ہیں کہ جب نماز پڑھنے کھڑے ہو تو اس طرح سوچ لو تو اس سے یہ نفع ہوگا کہ تمکو قیامت کی حالت مستحضر رہا کریگی اور موت یاد آجایا کریگی یہ نکات تو نفس صلوۃ کے تھے آگے اقتدا کے معنے بیان فرماتے ہیں کہ

معنے تسلیم ایں اے مقتدی کہ توئے حق ہادی و ما مہتدی

یعنی تسلیم کے معنی یہ ہیں اے مقتدی کہ (یوں سمجھو کہ اے امام) تو ہی سچا ہادی ہے اور ہم مہتدی ہیں۔

ہر چہ فرمائی تو منقادیم ما با قضائے جرم گو شادیم ما

یعنی جو کچھ آپ فرماویں ہم منقاد ہیں۔ اور جرم کے قضا کے ساتھ کہدو کہ ہم شاد ہیں مطلب یہ کہ ایسی حالت بناؤ کہ گویا کہ امام سے یہ کہ رہے ہو کہ آپ اللہ میاں سے کہدیجئے کہ آپکا جو ارشاد ہمارے ان جرموں کی بابت ہو ہم اوسپر راضی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بچہ بیروں آر از بیضہ نماز سر مزن چوں مرغ بی تعظیم و ساز

یعنی بیضۂ نماز سے بچہ نکالو اور مرغ بے ادب اور بے سامان کی طرح سر مت پٹکو مطلب یہ کہ نماز کے ثمرات کو حاصل کرو۔ اور اوس کی صورت سے اوس کی روح کو حاصل کرو یہ نہیں کہ مرغ کی طرح ٹھونگیں ماریں اور چلتے ہوئے یہاں تک نماز کے کچھ اشارات وغیرہ بیان فرما کر اب پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

آں دقوقی در امامت کرد ساز — اندراں ساحل درآمد در نماز
واں جماعت در پئے او در قیام — اینت زیبا قوم و بگزیدہ امام
ناگہاں چشمش سوئے دریا فتاد — چوں شنید از سوئے دریا داد داد
در میان موج دید او کشتئے — در قضا و در بلا و زشتئے
ہم شب و ہم ابر و ہم موج عظیم — آں سہ تاریکی و از غرقاب بیم
تند بادے ہمچو عزرائیل خاست — موجہا آشوفت اندر چپ و راست
اہل کشتی از مہابت کاستہ — نالہ و واویلہا برخاستہ
دستہا در نوحہ بر سر می زدند — کافر و ملحد ہمہ مخلص شدند
با خدا با صد تضرع آں زماں — عہدہا و نذرہا کردہ بجاں
سر برہنہ در سجود آنہا کہ ہیچ — روئے شان قبلہ ندید از پیچ پیچ
گفت کہ بیفائدہ است ایں بندگی — واں زماں دیدہ دراں صد زندگی
از ہمہ امید ببریدہ تمام — دوستان و خال و عم بابا و مام
زاہد و فاسق شد آں دم متقی — ہمچو در ہنگام جان کندن شقی
نے ز چپشان چارہ بود و نے ز راست — حیلہ ہا چوں مرد ہنگام دعاست
در دعا ایشان و در زاری و آہ — بر فلک زایشان شدہ دود سیاہ

دیو آندم از عداوت تیز بیں | بانگ زد کائے سگ پرستان لعیں

مرگ وجسک ای اہل انکار و نفاق | عاقبت خواہد بدن ایں اتفاق

چشم تاں تر باشد از بعد خلاص | کہ شوید از بہر شہوت دیو خاص

یاد تاں ناید کہ روزے در خطر | دست تاں بگرفت یزداں از قدر

ایں ہمی آمد ندا از دیو لیک | ایں سخن را نشنود خر گوش نیک

راست فرمودہ است با ما مصطفیٰ | قطب و شاہنشاہ دریائے صفا

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت | عاقلاں بینند ز اول مرتبت

کارہا ز آغاز غیب است و سر | عاقل اول دید و آخر آں مصر

اولش پوشیدہ باشد و آخر آں | عاقل و جاہل بہ بیند در عیاں

ورنہ بینی واقعہ غیب ائے عنود | حزم را سیلاب کے اندر ربود

حزم چہ بود بدگمانی در جہاں | دمبدم دیدن بلائے ناگہاں

آنچناں کہ ناگہاں شیرے رسید | مرد را بربود و در بیشہ کشید

او چہ اندیشد دراں بردن ببیں | تو ہماں اندیش اے استاد دیں

مے کشد شیر قضا در بیشہا | جان ما مشغول کار و پیشہا

آنچناں کز فقر می ترسند خلق | زیر آب شور رفتہ تا بحلق

گر بتر سیدے ازاں فقر آفریں	گنجہا شاں کشف گشتے در زمیں
جملہ شاں از خوف غم در عین غم	در پئے ہستی دویدہ در عدم

القصہ دقوقی نے امامت شروع کردی تھی اور لب ساحل نماز میں مشغول تھے اور جماعت اون کے پیچھے کھڑی تھی اور عجیب دلچسپ منظر تھا کہ مقتدی بھی نہایت اعلے تھے اور امام بھی منتخب تھے مزہ سے نماز باجماعت ادا کررہے تھے۔ اتنے میں شور وغل کی آواز سنائی دی اوس کے سننے سے دقوقی استغراق سے ہوش میں آئے اور دریا پراون کی نظر پڑی دیکھتے کیا ہیں کہ ایک کشتی موجوں میں پھنسی ہوئی ہے اور قضائے الٰہی اور مصیبت کے پنجہ میں گرفتار اور نہایت تباہ حالت میں ہے رات کا وقت ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے۔ بڑی بڑی موجیں اوٹھ رہی ہیں یہ تین تاریکیاں ہیں اور سب پر طرہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ ملک الموت کی طرح آندہی چل رہی ہے۔ اور ہر طرف سے موجیں اٹھ رہی ہیں۔ اہل کشتی کی جان ہوا ہورہی ہے۔ اور واویلا کررہے ہیں اور شور مچا رہے ہیں روتے اور سر پیٹتے ہیں اور کافر ومؤمن سب مخلص ہوگئے ہیں نہایت گڑگڑا کر سچے دل سے خدا کے ساتھ سینکڑوں عہد وپیمان کررہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر ہم بچ جائیں تو یہ کریں گے وہ کریں گے اور جن لوگوں نے اینٹھ مروڑ سے کبھی قبلہ کیطرف رُخ نہ کیا تھا وہ بھی ننگے سر سجدہ میں پڑے ہیں اور جو یہ کہتے تھے کہ عبادات سب فضول اور لایعنی ہیں اون کو اب اوس میں سو زندگیاں نظر آرہی ہیں۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے بہتر کوئی پیر بہیر ... لوگ کیا دوست کیا ماموں کیا چچا کیا باپ کیا ماں غرض سب سے امیدیں منقطع کرچکے ہیں اور زاہد وفاسق سب یکساں متقی ہوگئے ہیں۔ جس طرح جانکنی کے وقت بد بخت عاصی متقی ہوجاتا ہے۔ نہ دائیں طرف ان کے لئے کوئی تدبیر رہی تھی نہ بائیں طرف۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی تدبیر نہیں رہتی اوس وقت دعا ہوتی ہے لہذا وہ دعائیں کررہے تھے اور روپیٹ رہے تھے اور آہوں کی یہ حالت تھی کہ فلک تک اون کا سیاہ دہواں پہونچتا تھا۔ خیر یہ تو ساری مصیبتیں تہیں۔ سب سے بڑھکر یہ مصیبت تھی

کہ شیطان ان کے خلوص کو دیکھکر ان کو دشمنی سے گھور رہا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ لوگ اسی حالت میں ڈوب گئے تو ضرور نجات پا جائیں گے اور میری ساری کوششوں پر پانی پھر جائے گا۔ اس لئے وہ اُن کو دہوکا دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ او نفس پرستو کیوں خدا سے جہوٹ بولکر اوس سے فریب کرکے دونا وبال اپنی گردن پر لے رہے ہو۔ اور اے منکرین ومنافقین تمہیں بری بنے اور تم مرو تم کیا دعائیں کر رہے ہو۔ یہ ضرور ہونا ہے کہ جب تم بچ جاؤگے تو تمہاری آنکھوں کے آنسو خشک ہونے پائیں گے کہ تم خواہشات نفسانی کے سبب پھر پکے شیطان ہو جاؤگے اور تمہیں یاد بھی نہ آئے گا کہ خدا نے تم کو قضا کے پنجہ سے چھڑایا تہا پس اس جہوٹ اور فریب کو چھوڑو اور نفع کی امید پر مزید نقصان نہ اوٹھاؤ یہانتک اہل کشتی کی حالت ختم ہوئی اس سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور غفلت کو دور کرکے طاعت میں مصروف ہونا چاہئے۔ لیکن بجز اون لوگوں کے جو سلیم الفطرت اور صالح الاستعداد لوگ ہیں اس واقعہ کو بسمع قبول کوئی نہ سنے گا۔ دیکھو اس واقعہ سے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے کہ جس چیز کو نادان آخیر میں دیکھتا ہے عاقل اوس کو اولًا ہی دیکھ لیتا ہے۔ کیونکہ اہل اللہ بہی حق سبحانہ کی طرف راجع ہیں اور فساق اہل کشتی بہی۔ مگر اول الذکر ابتداہی سے راجع ہیں اور اہل کشتی مصیبت میں پہنسکر راجع ہوئے کیونکہ وہ عاقل ہیں اور یہ جاہل۔ اور عاقل وجاہل میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ کاموں کی ابتدا ہی ہوتی ہے اور وہ ہنوز نظر سے غائب اور مستور ہی ہوتے ہیں کہ عاقل اون کو پہلے ہی دیکھ لیتا ہے اور جاہل ضدی شخص اون کو آخر میں دیکھتا ہے۔ اور ابتدا میں وہ اوس کی نظر سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ رہا آخر سو اسکے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ کہ آخر میں ہر دوان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پس تم کو چاہئے کہ آغاز ہی میں انجام کو دیکھ لیا کرو۔ اگر یہ کہو کہ جب وہ پوشیدہ ہے تو ہم کیسے دیکھ لیں۔ ہماری بصیرت تو اتنی قوی نہیں تو ہم کہیں کہ اچھا ہمنے مانا کہ تم واقعۂ غیبی کو نہیں دیکھ سکتے لیکن تمہارے حزم کو تو کوئی رو بہا گ نہیں لیگئی۔ پہر تم حزم کو کیوں میں نہیں لاتے۔ حزم کی حقیقت کیا ہے کھٹکتے رہنا اور ہر وقت نزول مصیبت کو پیش نظر رکھکر اس سے بچنے کی فکر کرنا۔ اور ہر وقت ایسی حالت میں ہونا چاہیے کہ

ایک شیر آیا اور آدمی کو اٹھا کرلے گیا ہو۔ پس جو حالت ایسے شخص کی اُس وقت ہو گی جبکہ اوس کو شیر اوٹھا کر لیگیا ہو وہی حالت تہاری ہونی چاہئے لیکن افسوس باوجودیکہ ہم شیر قضا کے پنجہ میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہم کو اوس کا کچھ بھی خیال نہیں بلکہ مزہ سے اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ شیر تو بڑی چیز ہے اگر لوگوں کو فقر آفرین یعنی خدا سے اتنا ہی خوف ہو جتنا کہ فقر و فاقہ سے ہے کہ وہ اس کی وجہ سے گلے تک آب شور میں ڈوبے ہوئے اور سراسر مصیبت میں مبتلا ہیں تو ان پر زمین کے خزانے منکشف ہو جاتے۔ مگر کیا کیجئے کہ اونکی سمجھ پر کچھ ایسے پتھر پڑ گئے ہیں کہ ذرا نہیں سمجھتے دیکھو وہ فقر سے جو ڈرتے ہیں تو تکلیف کے خوف سے لیکن اس سے زیادہ کیا بے سمجھی ہوگی کہ غم محتمل کے خوف سے غم متحقق میں مبتلا ہوتے ہیں اور گویا کہ وجود حاصل کرنے کے لئے عدم میں جا رہے ہیں۔

شرح شبیری

دقوقی کا نماز میں کشتی والوں کا غرق ہونے میں شور و غل کرنے کو سُننا

آں دقوقی در امامت کرد ساز اندر آں ساحل در آمد در نماز

یعنی اوس دقوقی نے امامت کا سامان کیا اور اوس ساحل میں نماز شروع کردی۔

واں جماعت در پئے اودر قیام اینت زیبا قوم و برگزیدہ امام

یعنی اور وہ جماعت اون کے پیچھے قیام میں بس ایک عجیب زیبا قوم تھی اور برگزیدہ امام تھے۔

ناگہاں چشمش سوئے دریا فتاد چوں شنید از سوئے دریا داد داد

یعنی ناگہاں اوس دقوقی کی نظر دریا کی طرف پڑی۔ جبکہ اوس نے دریا کی طرف سے داد داد کو سُنا

درمیان موج دید او کشتی — در قضا و در بلا و زشتی

یعنی موج کے درمیان میں اونھوں نے ایک کشتی قضا میں اور بلا میں اور زشتی میں دیکھی

ہم شب و ہم ابر و ہم موج عظیم — آن سہ تاریکی و از غرقاب بیم

یعنی رات تھی اور ابر تھا اور موج بلند تھی۔ یہ تین تو تاریکیاں اور ڈوبنے کا ڈر۔

تند بادے ہمچو عزرائیل خاست — موجہا آشوفت اندر چپ و راست

یعنی ایک تند ہوا عزرائیل کی طرح اُٹھی تو موجیں چپ و راست سے اُمنڈ آئیں۔

اہل کشتی از مہابت کاستہ — نعرہ و وایلہا برخاستہ

یعنی اہل کشتی ڈر کے مارے گھٹے ہوئے اور نعرے اور واویلا اُٹھائے ہوئے۔

دستہا در نوحہ بر سر مے زدند — کافر و ملحد ہمہ مخلص شدند

یعنی نوحہ میں ہاتھ سر پر مارتے تھے اور کافر اور ملحد سب مخلص ہو گئے تھے۔

با خدا با صد تضرع آن زمان — عہدہا و نذرہا کردہ بجان

یعنی اوس وقت حق تعالےٰ سے سو تضرع و زاری کے ساتھ سب نے دل و جاں سے عہد و نذر کئے تھے۔

سر برہنہ در سجود آنہا کہ ہیچ — روئے شان قبلہ ندید از پیچ پیچ

یعنی سجدہ میں وہ لوگ سر برہنہ تھے جن کے منہ نے قبلہ کو اینٹھ مروڑ کی وجہ سے دیکھا ہی نہ تھا۔

گفتہ کہ بیفائدہ است این بندگی — آن زمان دیدہ در آں صد زندگی

یعنی (جو لوگ کہ) کہا کرتے تھے کہ یہ عبادت بیفائدہ ہے (وہ) اوس وقت اوس میں سو زندگیاں

دیکھ رہے تھے۔

از ہمہ امید ببریدہ تمام　　　دوستان و خال و عم بابا و مام

یعنی سارے کے سارے سب سے امید قطع کئے ہوئے تھے دوستوں سے اور ماموں سے اور چچا سے اور باپ سے ماں سے۔

زاہد و فاسق شدہ آندم متقی　　　ہمچو در ہنگام جاں کندن شقی

یعنی زاہد و فاسق اُسوقت سب متقی ہوگئے۔ جیسے کہ جان کنی کے وقت شقی ہوتا ہے (زاہد کہتے ہیں اوس کو جو دنیا سے بے تعلق ہو دنیا کی حرص وغیرہ نہو تو یہ ادنے درجہ ہے اور اعلےٰ درجہ تقوے ہے اس لئے کہدیا کہ زاہد و فاسق اوس وقت سب متقی بنے ہوئے تھے)

نے ز چپ شاں چارہ بود و نے ز راست　　　حیلہا چوں مرد ہنگام دعاست

یعنی نہ اون کو چپ سے کوئی چارہ تہا اور نہ راست سے جب حیلے سارے ختم ہوگئے تو اب دعا کا وقت آیا۔

در دعا ایشان و در زاری و آہ　　　بر فلک زیشان شدہ دودِ سیاہ

یعنی وہ لوگ دعا میں اور زاری و آہ میں تھے اور فلک پر اون سے دودِ سیاہ گیا ہوا تہا۔ آگے ایک مضمون کو بیان فرماتے ہیں اول اوس کا خلاصہ سمجھہ لو پہر اشعار سے اچھی طرح سمجھہ میں آوے گا۔ وہ یہ کہ جب یہ لوگ دعا کر رہے تھے تو شیطان بین بین تہا اوس کو کبھی تو یہ امید ہوتی تھی کہ یہ اب کفر وغیرہ پر مر جاویں گے اوسکے بعد جب اون کو دعا کرتے دیکھتا تہا تو اوسے افسوس ہوتا تہا کہ یہ تو توبہ کئے لیتے ہیں

اس حالت میں اوس خبیث نے ایک وسوسہ ڈالا وہ یہ کہ اون لوگوں کے دلمیں
یہ وسوسہ گذرا کہ ہمارے اندر ایک علت کفر یا معاصی تو پہلے سے ہیں ہی اور اون سے
توبہ کررہے ہیں اور توبہ یقینًا ٹوٹے گی جیساکہ بارہا ہوا ہے اور جب یقینًا ٹوٹے گی
تو گویا کہ اس وقت ہمارا مقصد ہی توڑنے کا ہے اور جب توبہ کے توڑنے کا قصد
ہو تو وہ توبہ ہی نہیں رہتی۔ بلکہ وہ تو نفاق ہو جاتا ہے تو اونہوں نے سوچا کہ ایک
علت تو کفر و معاصی کی تھی اب خدا کے سامنے ایک علت نفاق کی بھی بکر جاویں
اس لئے بہتر ہے کہ توبہ نکریں تاکہ خیر وہ کفر وغیرہ کی علت ہی رہے اوسپر اور اضافہ
تو نہو۔ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا اور مقصود اس سے دعا سے منع کرنا تھا مگر جس کو ذرا
سا فہم سلیم ہوگا وہ سمجھ سکتا ہے کہ اوس کا یہ کہنا کہ جب ٹوٹنا یقینی ہے تو گویا کہ اوسکا
قصد ہے بالکل غلط ہے اس لئے کہ قصد نقض اور شئے ہے اور نقض اور ہے ان
لوگوں کا قصد نہ تھا اور اگر پھر بعد کو ٹوٹ جاوے پھر کرلے۔ پھر ٹوٹے پھر کرلے۔ یاد
رکھو کہ یہ شیطان کا بہت بڑا دہوکہ ہے اور اسکا اثر آج کل بھی ہے اکثر کہا کرتے ہیں
کہ میاں توبہ ہی کرکے کیا کریں گے اس لئے کہ وہ تو ٹوٹ جاوے گی تو عنوان بدلا
ہوا ہے باقی مضمون وہی ہے اللھم احفظنا من الشیطن الرجیم اب اشعار
سے سمجھو انشاء اللہ صاف ہو جاوے گا۔ فرماتے ہیں کہ

دیو آندم از عداوت بین بین ۔۔۔ بانگ زد کاے سگ پرستان علتین

یعنی شیطان اوس وقت عداوت کی وجہ سے بین بین تھا اور یہ آواز دے رہا تھا
کہ اے نفس پرستو دو علتوں کے مرتکب ہوتے ہو یعنی ایک علت کفر وغیرہ
ہیں تو ہو ہی۔ اب دوسری علت نفاق کی لگاتے ہو۔

مرگ و جسک اے اہل انکار و نفاق ۔۔۔ عاقبت خواہد بدں ایں اتفاق

یعنی اے انکار و نفاق والو تم مرو۔ آخر کار یہ اتفاق تو ہو ہی گا۔ کہ

چشم تاں تر باشد از بعد خلاص　　　　که شوید از بہر شہوت دیو خاص

یعنی خلاص کے بعد تمہاری آنکھ تر ہی ہو گی کہ تم شہوت کی وجہ سے خاص شیطان بنجاؤ گے
یعنی اس سے خلاصی کے آنسو بھی خشک نہ ہوں گے کہ تم توبہ توڑو گے

یاد تاں ناید کہ روزے در خطر　　　　دست تاں بگرفت یزداں از نذر

یعنی تمہیں یاد نہیں ہے کہ اوس خطرہ کے دن میں تمہاری حق تعالیٰ نے نذر سے دستگیری فرمائی تھی۔ یعنی پہلے بھی تم کو خلاصی مل چکی ہے اور تم توبہ توڑ چکے ہو تو اب توبہ کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ لہذا توبہ مت کرو مولانا فرماتے ہیں۔ کہ

ایں ہمی آمد ندا از دیو لیک　　　　ایں سخن را نشنود جز گوش نیک

یعنی شیطان سے یہ آواز آرہی تھی۔ لیکن اس بات کو (کہ یہ آواز شیطانی تھی) سوائے گوش نیک کے کون سُنے گا یعنی جو اچھے آدمی ہیں وہ تو اوس کو سمجھیں گے کہ یہ آواز شیطان تھی ورنہ عوام تو اس کو صحیح سمجھ کر گمراہ ہی ہوں گے آگے فرماتے ہیں کہ

راست فرمودہ است با ما مصطفٰےؐ　　　　قطب و شاہنشاہ و دریائے صفا

یعنی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے سچ فرمایا ہے جو کہ قطب اور شاہنشاہ اور دریائے صفا ہیں۔

کانچہ جاہل دید خواہد عاقبت　　　　عاقل آں بیند ز اول مرتبت

یعنی جو بات کہ جاہل قیامت میں دیکھے گا عاقل اوس کو اول ہی مرتبہ دیکھ لیتا ہے مطلب یہ کہ جو جاہل ہے وہ تو قیامت کو سمجھے گا کہ یہ دہوکہ اور آواز شیطانی تھی اور جو

عاقل ہیں وہ اسی وقت سمجھ جائیں گے کہ یہ آواز شیطانی ہے۔

کار ہا آغاز گر غیب ست و سر　　عاقل اول دید و آخر آں مصر

یعنے کام سارے شروع میں اگرچہ غائب اور پوشیدہ ہیں۔ مگر عاقل اول ہی دیکھ لیتا ہے اور آخر میں وہ مصر مطلب یہ کہ اگرچہ اس وقت امور سب غائب ہیں مگر جو عاقل ہے وہ آثار سے اون کو معلوم کر لیتا ہے اور جو مصر علی الذنوب ہے وہ آخر میں۔ یعنی قیامت میں ہی دیکھے گا۔

اولش پوشیدہ باشد و آخر آں　　عاقل و جاہل بہ بیند در عیاں

یعنی اول کار پوشیدہ ہے اور اوس کے آخر میں تو عاقل اور جاہل سب عیاناً دیکھ لیں گے۔ مطلب یہ کہ اول کار جو پوشیدہ ہے تو اس وقت پہچان لینا کمال ہے ورنہ قیامت میں تو سب دیکھ ہی لیں گے پھر کیا کمال ہے اگر پہچان لیا۔

گر نہ بینی واقعہ غیب اے عنود　　حزم را سیلاب کے اندر ربود

یعنی اے معاند اگر تم غیب کے واقعہ کو نہیں دیکھتے تو آخر حزم کو کب سیلاب لے گیا۔ یعنی اگر تم کو اس وقت وہ باتیں ہوتی نہیں معلوم ہوتیں تو آخر حزم اور دور اندیشی بھی تو کوئی شے ہے وہ کہاں جاتی رہی۔ کبھی شبہ ہی ہوا ہوتا کہ ممکن ہے کہ ایسا ہو جاوے۔ اوسی بنا پر اوس سے خائف ہوئے ہوتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ انسان کو ہر وقت حازم رہنا چاہیئے اور جو اوس کے خیالات ہوتے ہیں دنیا کے متعلق ویسا ہی خیال ضروری ہے آگے ایک مثال میں حازم کے خیالات کو بیان فرماتے ہیں۔
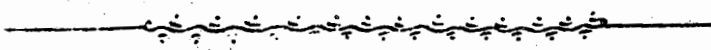
حزم والے آدمی کے تصورات

حزم چہ بود بدگمانے در جہاں ‏ ‏ دمبدم دیدن بلائے ناگہاں

یعنی حزم کیا ہوتا ہے دنیا میں بدگمانی کرنا اور بلائے ناگہانی کو ہر دم دیکھنا یعنی یہ سمجھنا کہ اب بلا نازل ہوئی اب ہوئی بس یہ سوچ کر اوس سے بچنے کی تدبیر کرنا ہی حزم ہے آگے ایک مثال ہے کہ۔

آنچناں کہ ناگہاں شیرے رسید ‏ ‏ مرد را بربود و در بیشہ کشید

یعنی جس طرح کہ ناگاہ ایک شیر آیا اور ایک آدمی کو اوچک کر جنگل میں لے گیا۔

او چہ اندیشد دران بردن بہ بیں ‏ ‏ تو ہماں اندیش ای اوستاد دیں

یعنی ذرا دیکھو کہ وہ اوس وقت کیا سوچے گا ظاہر ہے کہ وہ یہی سوچے گا کہ اب مرا اب مرا تو اے اوستاد دین تم بھی یہی سوچو اور موت کو ہر وقت حاضر سمجھو اب کوئی کہتا ہے کہ جناب اوس کو تو شیر نے کھینچا تھا اس لئے اوس نے یہ سوچا ہم کو تو شیر نہیں لے گیا جو ہم یہ سوچیں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

می کشد شیر قضا در بیشہا ‏ ‏ جان ما مشغول کار و پیشہا

یعنی شیر قضا (ہم کو) جنگلوں میں کھینچ رہا ہے اور ہماری جان کاموں اور پیشوں میں مشغول ہے۔ مطلب یہ کہ ارے تجھے خبر نہیں ہے ہم کو بھی ہر وقت شیر قضا کھینچ رہا ہے مگر اندھے ہو جاویں تو اس کا کیا علاج آگے ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ اگر شیر سے ڈر نہیں لگتا تو یوں سمجھو کہ۔

آنچناں کز فقر می ترسند خلق | زیر آب شور رفتہ تا بحلق

یعنی اس طرح (رہو) جیسے کہ لوگ فقر سے ڈرتے ہیں اور آب شور کے نیچے حلق تک گئے ہوئے ہیں۔ یعنی دیکھو خواہ کیسا ہی امیر کبیر کیوں نہو مگر اوس کو خوف ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ میں مفلس ہو جاؤں اور وہ اوس کی تدبیریں ہر وقت لگا رہتا ہے تو بس اسی طرح تم بھی ہر وقت دُھن لگا لو اور ہر وقت تدابیریں لگے رہو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بترسید ے ازاں فقر آفریں | گنجہاشاں کشف گشتے در زمیں

یعنی اگر یہ شخص اوس فقر آفرین (حق تعالیٰ) سے ڈرتا تو ان لوگوں کو خزانے زمین کے مکشوف ہو جاتے۔

جملہ شاں از خوف غم در عین غم | در پئے ہستی فتادہ در عدم

یعنی وہ سارے کے سارے غم کے ڈر کے مارے عین غم میں ہیں۔ اور ہستی کے لئے عدم میں پڑے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو یہ لوگ اس سے بچتے ہیں کہ ہمیں کوئی غم نہ آوے بلکہ عیش سے گذرے اس طرح گذر کرنا خود ایک غم ہے تو غم سے بچنے کو غم میں مبتلا ہو رہے ہیں عجیب بات ہے۔ غرضیکہ دنیا میں ہر گھڑی فکر عاقبت ہونی چاہئے آگے قصہ دقوقی فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چوں دقوقی آں قیامت را بدید | رحم او جوشید و اشک او دوید

گفت یا رب منگر اندر فعل شاں | دست شاں گیر اے شہ نیکو نشاں

خوش سلامت شاں بساحل باز بر | اے رسیدہ دست تو در بحر و بر
اے کریم و اے رحیم سرمدی | درگذار از بد سگالاں ایں بدی
اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش | نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش
پیش از استحقاق بخشیدہ عطا | دیدہ از ما جملہ کفران و خطا
اے عظیم از ما گناہان عظیم | تو توانی عفو کردن در حریم
ما ز حرص و آز خود را سوختیم | وین دعا را ہم ز تو آموختیم
حرمت آں کہ دعا آموختے | در چنیں ظلمت چراغ افروختی
دستگیر و رہنما توفیق دہ | جرم بخش و عفو کن بخشا گرہ
ہمچنیں میرفت بر لفظش دعا | آں زماں چوں مادرانِ باوفا
اشک میرفت از دو چشمش واں دعا | بیخود از وے می برآمد بر سما

جب دقوقی نے اس قیامت کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ مخلوق خدا ڈوب رہی ہے اور اس سے بڑھکر یہ کہ شیطان اون پر پھندا ڈال رہا ہے ممکن ہے کہ وہ اوس میں پھنس جائیں اور ہلاک جسمانی کے ساتھ ہلاک روحانی بھی مل جائے اس سے اون کے رحم کو جوش آیا اور آنسو بہنے لگے۔ اور حضرت حق سبحانہ کی جناب میں یوں دعا شروع کی۔ اے اللہ آپ ان کے افعال پر نظر نہ فرمائیں اور ان کی دستگیری فرمائیں آپ کا تصرف بحر و بر خشکی و تری ہر دو میں جاری ہے۔ آپ ان کو بخیر و عافیت ساحل پر پہونچا دیجئے۔ اے

ہمیشہ سے رحیم وکریم آپ ان بداندیشیوں کی برائی کو معاف فرمائیے۔ آپنے مخلوقات کو مفت آنکھ کان وغیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اور عقل وفہم بھی کسی معاوضہ کے بدلہ میں نہیں دئے ہیں اور آپنے بلا استحقاق ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ حالانکہ آپ کو ہماری ناشکری اور غلطیوں کا بخشش سے پہلے بھی علم تھا۔ جبکہ آپ ایسے کریم ہیں تو اے بزرگ آپ ہمارے بڑے گناہوں کو بھی معاف فرما سکتے ہیں۔ ہم تو حرص اور طمع میں جل گئے اور کوئی کام ہم نے آپ کی اطاعت کا نہیں کیا۔ یہ دعا بھی جو کر رہے ہیں یہ بھی آپ ہی کی تعلیم کردہ اور آپ ہی کی توفیق ہے۔ پس اس دعا کی عزت کو مدنظر رکھکر جو خود آپ نے تعلیم فرمائی ہے اور اس تاریکی جہل میں چراغ ہدایت روشن کیا ہے آپ ان لوگوں کی دستگیری فرمائیے۔ راہ راست دکھلائیے اور ان کو اعمال صالحہ کی توفیق دیجئے ان کے قصور معاف فرمائیے اور اس عقدہ لاینحل کو حل فرماکر ان کو نجات دیجئے۔ غرض اسی قسم کے کلمات دعائیہ مادر مشفقہ کی طرح اُس وقت ان کی زبان سے نکل رہے تھے۔ اشک آنکھوں سے جاری تھے اور استغراق فی الدعا کی حالت میں یہ دعا ان کے مُنہ سے نکل کر آسمان پر جارہی تھی۔ بالآخر وہ مقبول ہوئی اور اہل کشتی کو نجات ہوگئی۔

شرح شبیری

دقوقی کی دعا اور شفاعت اوس کشتی کی خلاصی کیلئے

چوں دقوقی آں قیامت را بدید   رحم او جوشید و اشک او دوید

یعنی جب دقوقی نے اوس قیامت کو دیکھا تو اوس کے رحم نے جوش کیا اور اوس کے اشک جاری ہو گئے۔

گفت یارب منگر اندر فعل شاں　　　دست شاں گیر اے شہ نیکو نشاں

یعنی دعا کی کہ اے اللہ ان لوگوں کے فعل کو مت دیکھئے اور اے بادشاہ نیکو نشاں ان کی دستگیری کیجئے۔

خوش سلامت شاں بساحل باز بر　　　اے رسیدہ دست تو در بحر و بر

یعنی ان کو خوش اور سلامت ساحل پر پھیرلے جا۔ اے وہ ذات کہ آپ کی قدرت بحر و بر سب میں پہونچی ہے۔

اے کریم و اے رحیم سرمدی　　　در گذار از بدسگالاں ایں بدی

یعنی اے کریم اور اے رحیم ابدی ان نالائقوں سے اس بدی کو معاف فرمائیے۔

اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش　　　نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

یعنی اے وہ ذات کہ اوس نے سو چشم و گوش مفت دے دیئے ہیں نہ کہ رشوت کیوجہ سے عقل و ہوش تقسیم کئے ہیں۔

پیش از استحقاق بخشیدہ عطا　　　دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

یعنی استحقاق سے پہلے عطائیں بخشی ہیں اور ہم سے کفران و خطا دیکھے ہیں۔

اے عظیم از ما گناہان عظیم　　　تو توانی عفو کردن در حریم

یعنی اے عظیم ہم سے گناہ عظیم ہیں آپ جرم ہونے کی حالت میں معاف کرسکتے ہیں۔

ما ز حرص و ماز خود را سوختیم　　　ویں دعا را ہم ز تو آموختیم

یعنی ہم نے حرص و ہوس کی وجہ سے اپنے کو جلالیا ہے اور یہ دعا بھی آپ ہی سے سیکھی ہے

حرمت آنکہ دعا آموختی　　　در چنیں ظلمت چراغ افروختی

یعنی ببرکت اوس کے کہ آپ نے دعا سکھائی ہے اور ایسی ظلمت میں چراغ روشن کیا

دست گیر و رہ نما توفیق دہ   جرم بخش و عفو کن بکشا گرہ

یعنی دستگیری کیجئے اور رہنمائی کیجئے اور توفیق دیجئے اور جرم بخشئے اور معاف کیجئے اور (مصیبت کی) گرہ کھولئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں میرفت بر لفظش دعا   آنزماں چوں مادران باوفا

یعنی اسی طرح اون کی زبان پر دعا اوس وقت باوفا ماؤں کی طرح جاری تھی یعنی جسطرح کہ ماں مشفق ہوتی ہے اسی طرح شفقت سے وہ دعا مانگ رہے تھے۔

اشک میرفت از دو چشمش واں دعا   بیخود از وے می برآمد بر سما

یعنی دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے اور وہ دعا اوس سے بیخود ہوکر نکل رہی تھی اور آسمان پر (جارہی تھی)

شرح حبیبی

آں دعائے بیخوداں خود دیگر است   آں دعا زو نیست گفت داور است

آں دعا حق مے کند چوں او فنا است   آں دعا و آں اجابت از خدا است

واسطۂ مخلوق نے اندر میاں   بیخبر زاں لابہ کردن جسم و جاں

بندگان حق رحیم و بُرد بار   خوئے حق دارند در اصلاح کار

مہربان بے رشوتاں یاری کناں   در مقام سخت و در روز گراں

هین بجو این قوم را ای مبتلا ‌ ‌ ‌ هین غنیمت دار شان پیش از بلا

رست کشتی از دم آن پهلوان ‌ ‌ ‌ واهل کشتی را بجهد خود گمان

که مگر بازوی ایشان در حذر ‌ ‌ ‌ بر هدف انداخت تیری از هنر

پا رهاند روبهان را در شکار ‌ ‌ ‌ وان ز دم دانند روباهان عزار

عشقها با دم خود بازند کاین ‌ ‌ ‌ می رهاند جان ما را از کمین

از ضلالت بوسها بر دم دهند ‌ ‌ ‌ رقص گیرند وز شادی برجهند

روبها پا را نگهدار از کلوخ ‌ ‌ ‌ پا چو نبود دم چه سودای چشم شوخ

ما چو روباهان و پای ما کرام ‌ ‌ ‌ مے رهاند مان ز صد گون انتقام

حیلهٔ باریک ما چون دم ماست ‌ ‌ ‌ عشقها بازیم با دم چپ و راست

دم بجنبانیم ز استدلال و مکر ‌ ‌ ‌ تا که حیران گردد از ما زید و بکر

طالب حیرانی خلقان شدیم ‌ ‌ ‌ دست طمع اندر الوهیت زدیم

تا بافسون مالک دلها شویم ‌ ‌ ‌ این نمی‌بینیم ما کاندر گویم

در گوی و در چهی ای قلتبان ‌ ‌ ‌ دست وادار از سبال دیگران

چون به بستانی رسی زیبا و خوش ‌ ‌ ‌ بعد از آن دامان خلقان گیر و کش

ای مقیم حبس چار و پنج و شش ‌ ‌ ‌ نغز جائی دیگران را هم بکش

اے چو خر بندہ حریف کون خر	بوسہ گاہے یافتی ما را ببر
چوں نداوت بندگی دوست دست	میل شاہی از کجایت خاستست
در ہوائے آنکہ گویندت زہے	بستہ بر گردن جانت زہے
روبہا ایں دم حیلت را اہل	وقف کن دل بر خداوندان دل
در پناہ شیر کم ناید کباب	روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب

اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کی دعا کیوں نہ مقبول ہوتی کیونکہ فانیین کی دعا تمام لوگوں کی دعا کے مانند نہیں ہوتی بلکہ وہ تو اور ہی قسم کی ہوتی ہے - کیونکہ وہ دعا محض اوس کی طرف سے نہیں ہوتی - بلکہ وہ ایک معنیٰ کر حق سبحانہ کا کلام ہوتا ہے - کیونکہ وہ تو فنا فی اللہ ہو چکا ہے اسی لئے اوس کے افعال منسوب بحق سبحانہ ہوں گے اور یوں کہا جاوے گا کہ گویا کہ حق سبحانہ ہی دعا کر رہے ہیں اس لئے وہ دعا اور اجابت ہر دو خدا ہی کی طرف سے ہوں گی - اس دعا میں مخلوق کا بالکل واسطہ نہیں ہوتا بلکہ فرط محویت کے سبب جسم اور جان کو بھی اوس کی خبر نہیں ہوتی - بس جب دعا کرنے والا بھی خدا ہی ہے اور قبول کرنیوالا بھی خدا ہی ہے تو قبول نہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں - لہذا قبول ہوئی - اور اون کو نجات مل گئی - یاد رکھو بندگان خدا نہایت رحیم اور بہت بردبار ہوتے ہیں اور اصلاح امور میں حق سبحانہ کی عادت رکھتے ہیں - یعنی یہ لوگ سخت موقع پر اور مصیبت کے دن بدون کسی معاوضہ کے مہربان اور مددگار ہوتے ہیں پس اسے مصائب روحانیہ میں مبتلا لوگو ان حضرات کو ڈھونڈتا کہ یہ تم کو ان مصائب سے نجات دلائیں اور اگر ہنوز مصیبت واقع نہیں ہوئی تب بھی اون کو غنیمت سمجھو کہ یہ اوس کے لئے سپر ہوں گے - لوگ سخت غلطی کرتے ہیں کہ ان حضرات کی قدر نہیں کرتے اور صلاح کار کو اپنی ندا ببر

اور کوششوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ دیکھو کشتی گرداب میں سے نکلی تو عالی حوصلہ دقوقی کی دعا سے اور اہل کشتی کو اپنی کوشش پر گمان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس بلا سے بچنے میں انہیں کے ہاتھ کا تیر نشانہ پر لگا ہے اور یہ انہیں کی قادر اندازی ہے لہذا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ لومڑیوں کو شکاریں نجات تو اون کے پاؤں دیتے ہیں اور بھولی لومڑیاں اوس کو دُم کا فعل سمجھتی ہیں اور یہ سمجھ کر کہ دُم ہی ہم کو کمین صیاد سے نجات دلاتی ہے اسس پر عاشق ہو جاتی ہیں اور اپنی جہالت سے اسے چومتی چاٹتی ہیں اور فرط انبساط میں ناچتی اور اوچھلتی کودتی ہیں۔ ان سے کوئی کہے کہ اری لومڑی پاؤں کی قدر کر اور اسے ڈھیلے سے بچا۔ ایسا نہو کہ یہ لنگڑا ہو جائے اور تو ماری جاوے۔ اگر پاؤں نہ رہا تو یاد رکھ کہ دُم کسی کام کی نہیں۔ علی ہذا ہم بھی لومڑیاں ہیں اور ہمارے پاؤں یعنی ہمکو مصائب سے نجات دلانے والے یہ حضرات اہل اللہ ہیں یہی ہم کو سیکڑوں بلاؤں سے نجات دلاتے ہیں اور ہماری اعلیٰ تدبیریں بالکل ایسی ہیں جیسی لومڑی کی دُم کہ ان کو ہماری نجات میں دخل نہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ اپنی تدابیر پر فریفتہ ہیں اور خواہ مخواہ دُم ہلاتے ہیں یعنی استدلال وحیل کو کام میں لاتے ہیں تاکہ زید وعمر و بکر ہماری تدبیروں کو دیکھکر حیران ہوں۔ کہ صاحب یہ بڑے مدبر اور پولٹیکل ہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تدبیروں سے متحیر ہو کر ہم کو مقتدا بنائیں اور سمجھیں کہ یہ جو چاہیں کر سکتے ہیں گویا کہ ہم در پردہ خدائی چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر اون کے دلوں پر قبضہ کر لیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم قعر ضلالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے کوئی کہے کہ ارے بھڑوے تو تو خود گڑھے میں گرا ہوا اور کنویں میں پڑا ہوا ہے تو لوگوں کا دامن کیوں پکڑ کر کھینچتا ہے انہیں معاف کر۔ ہاں جب تو کسی باغ میں خوش و خرم پہونچ جائے گا یعنی دولت باطنی حاصل کر لے گا اوس وقت مخلوق کا دامن کھینچنا اور اونہیں وہاں بلانا جہاں تو ہے آگے مولانا ایسے شخص کو

علے سبیل التہکم خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عناصر اربعہ اور حواس خمسہ اور شش جہات کے جیل خانہ میں رہنے والے سبحان اللہ کیسے اچھی جگہ ہی ذرا اوروں کو بھی کھینچ لے اور اے گدہے ہانکنے والوں کی طرح گدہوں کی مقعد چاٹنے والے بھائی کیسے عجیب بوسہ گاہ تجھے ملی ہے ذرا ہم کو بھی لے چل ہم بھی دیکھیں۔ ارے احمق جب حق سبحانہ کی غلامی تجھے حاصل نہیں ہے اور تو ابھی نفس ہی کا بندہ بنا ہوا ہے تو سلطنت کی رغبت تیرے اندر کہاں سے پیدا ہو گئی یہ تو عباد اللہ الصالحین کا منصب ہے نہ کہ اہل دنیا کا۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کی تعریفیں حاصل کرنے کے لئے تو نے اپنی روح کی گردن میں تانت کا پھندا ڈال رکھا ہے اور حُب جاہ کے لئے تو اپنی روح کو مار رہا ہے ارے لومڑی کی طرح دہوکے میں پڑے ہوئے تو اپنی تدبیر کی دُم کو چھوڑ اور اپنے دل کو اہل دل کے سپرد کر دے اس سے تو انشاء اللہ لذائذ سے محروم نہ رہے گا کیونکہ شیروں کی پناہ میں آجانے کے بعد کبابوں کی کچھ کمی نہیں ہوتی پس تو اون کی پناہ میں آجا۔ اور لذائذ حقیقیہ سے بہرہ یاب ہو۔ اور لومڑی کی طرح مردار دنیا کی طرف مت دوڑ۔

شرح شبیری

آں دعائے بیخوداں خود دیگر ست آں دعا زو نیست گفت داور ست

یعنی بیخودوں کی دعا ہی دوسری ہے وہ دعا اون کی طرف سے نہیں ہے بلکہ قول حق ہے

آں دعا حق میکند چوں او فناست آں دعا و آں اجابت از خداست

یعنی وہ دعا اللہ تعالےٰ ہی کر رہے ہیں جبکہ یہ شخص فنا ہے اور وہ دعا اور اجابت سب خدا کی طرف سے ہے مطلب یہ کہ جب یہ فنا ہو چکا اور وہی اتحاد اصطلاحی اوس کو حاصل ہو گیا تو اوس کا دعا کرنا گویا کہ خدا کا کرنا ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ

خود دعا کریں گے تو اوس کو قبول ہی فرماویں گے۔ اور اس اتحاد اصطلاحی کی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے۔ ارشاد ہے کہ فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ قراءت جبرئیل کو اپنی قراءت فرمایا دوسری جگہ ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی رمے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رمے فرمایا پھر اگر صوفی بیچارے کہہ دیں تو اون پر کفر کے فتوے کیوں لگتے ہیں۔ ذرا تو انصاف سے کام لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

واسطہ مخلوق نے اندر میاں ✿ بیخبر زاں لابہ کردن جسم وجاں

یعنی درمیان میں مخلوق واسطہ نہیں ہوتی۔ اور اوس دعا کرنے سے جسم وجاں سب بے خبر ہیں۔

بندگان حق رحیم وبردبار ✿ خوے حق دارند در اصلاح کار

یعنی خدا کے بندے رحیم وبردبار (ہوتے ہیں) اور اصلاح کار میں خوئے حق رکھتے ہیں۔

مہرباں بے رشوتاں یاری گراں ✿ مشفقاں ومستعاں غمخوار گاں

یعنی مہربان بے رشوت کے مدد کرنے والے مشفق اور مدد کرنے والے اور غمخوار۔

از ترحم دستگیراں شافعاں ✿ در مقام سخت ودر روز گراں

یعنی ترحم کی وجہ سے دستگیر اور شافع مقام سخت میں اور روز گراں میں (مولانا فرماتے ہیں کہ)

ہیں بجو ایں قوم را اے مبتلا ✿ ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا

یعنی اے مبتلا اس قوم کو تلاش کر اور بلا سے پہلے اُن کو غنیمت سمجھ۔

رست کشتی از دمِ آن پہلوان و اہلِ کشتی را بجہد خود گمان

یعنی کشتی چھوٹی تو اُس پہلوان کی دعا سے اور اہل کشتی کو اپنی کوشش پر گمان تھا۔

کہ مگر بازوئے ایشاں در حذر بر ہدف انداخت تیرے از ہنر

یعنی کہ یقیناً اُن کے بازو نے بچنے میں ہنر بدف پر تیر ڈالا۔ مطلب یہ کہ وہ کشتی چھوٹی تو اُن کی دعا سے اور اہل کشتی سمجھے کہ ہم نے جو کوشش کی تھی اُسکی بدولت ہم چھوٹ گئے۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

پا رہاند روبہان را در شکار و آن ز دُم دانند روباہان غرار

یعنی لومڑی کو شکار میں پاؤں بچاتا ہے (کہ اُس سے بھاگ جاتی ہیں اور بچ جاتی ہیں) اور وہ مغرور لومڑیا اُس (بچنے) کو دُم سے سمجھتی ہیں۔

عشقہا با دُم خود بازند کاین می رہاند جان ما را از کمین

یعنی وہ اپنی دُم کیساتھ عشقبازی کرتی ہیں کہ ہماری جان کو کمین سے یہی چھڑاتی ہے۔

از ضلالت بوسہا بر دُم زنند رقص گیرند و ز شادی بر جہند

یعنی گمراہی کی وجہ سے دُم پر بوسے دیتی ہیں اور رقص کرتی ہیں اور خوشی سے کودتی ہیں (معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہوگی کہ لومڑی اپنی دُم کو اپنے بچنے کا آلہ خیال کرتی ہے اسی بنا پر مولانا نے یہ لکھا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

روبہا پا را نگہدار از کلوخ پا چو نبود دُم چہ سود اے چشم شوخ

یعنی اے روباہ کلوخ سے پاؤں کی حفاظت کر کہ جب پاؤں نہ ہوگا تو اے شوخ چشم دُم کا کیا فائدہ۔ اب اس مثال کو مطابق فرماتے ہیں کہ۔

ما چو روباہان و پائے ما کرام میرہاند مان ز صد گون انتقام

یعنی ہم تو لومڑیوں کی طرح ہیں اور ہمارے پاؤں (اولیاء) کرام ہیں کہ ہم کو حق تعالیٰ کے سینکڑوں قسم کے انتقاموں سے (اپنی دعا سے) بچاتے ہیں۔

حیلۂ باریک ما چون دُم ماست عشقہا با زیم با دُم چپ و راست

یعنی ہمارے حیلہائے دقیقہ مثل ہماری دُم کے ہیں کہ ہم دُم کیساتھ چپ و راست عشقبازی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمکو بلاؤں سے چھڑاتی تو ہے اُن بزرگوں کی دعا۔ اور ہم اپنی تدابیر سے سمجھتے ہیں تو وہی مثل ہوئی کہ لومڑی کو آفات سے بچاتا تو ہے پاؤں اور سمجھتی ہے کہ دُم نے بچایا۔

دم بجنبا نیم ز استدلال و مکر تاکہ حیران ماند از ما زید و بکر

یعنی ہم استدلال و مکر کی دُم ہلاتے ہیں تاکہ ہم سے زید و بکر حیران ہوں۔ یعنی ہم تدابیر کرتے ہیں اور اس لئے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بڑے عاقل ہیں۔

طالب حیرانئ خلقان شدیم دست طمع اندر الوہیت زدیم

یعنی لوگوں کی حیرانی کے ہم طالب ہیں اور طمع کا ہاتھ الوہیت میں مارتے ہیں۔ یعنی افسوس ہے کہ ہم بڑا بننا چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تدابیر اور افعال کو دیکھکر ہماری تعریف کریں یہ حق تو خدا کا ہے کہ وہ یہ چاہے کہ میری مصنوعات کو لوگ دیکھکر حیران ہوں انسان کا یہ حق نہیں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ۔

تا بافسون مالک دلہا شویم این نمی بینیم ما کاندر گویم

یعنی تاکہ افسوں سے ہم دلوں کے مالک ہو جاویں اور ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ہم (خود) گڑھے میں ہیں۔

در گوے و در چہے اے قلتبان دست وادار از سبال دیگران

یعنی اے دیوث تو خود گڑھے اور کنوئیں میں ہے تو دوسرے کے کپڑوں سے دست اُٹھا یعنی ابھی سے تم اوروں کو کیا بلا رہے ہو۔ بلکہ

چون بہ بستانے رسی زیبا و خوش بعد ازان دامان خلقان گیر و کش

یعنی جب تو کسی زیبا و خوش باغ میں پھونچ جاوے گا اُس کے بعد لوگوں کا دامن پکڑنا اور کھینچنا۔

اے مقیم حبس چار و پنج و شش نغز جائے دیگران را ہم بکش

یعنی اے وہ شخص کہ چار و پنج و شش کی قید میں مقیم ہے۔ اس عمدہ جگہ میں تو دوسرونکو
بھی کھینچ لے۔ مصرعہ ثانی تسخراً ہے اور چار سے مُراد عناصر اربعہ اور پنج سے مُراد
حواس خمسہ اور شش سے مُراد جہات ستہ اور مقصود ان سب سے ناسوت مطلب یہ کہ
اے شخص جو کہ ابھی ناسوت ہی میں پھنسا ہوا ہے ذرا اس مقام خوش میں ہمیں بھی بُلا نا۔
اور ذرا اوروں کی بھی خبر لینا یہ صرف استہزا کے طور پر ہے یعنی تم خود ایسی جگہ ہو
اورونکو معاف رکھو۔

اے چو خربندہ حریف کون خر بوسہ گاہے یافتی مارا ببر

یعنی اے خربندہ کیطرح کون خر کا حریف ہے تو نے تو ایک بوسہ گاہ پالیا ہے ہمیں
بھی لیچل۔ اس میں بھی مصرعہ ثانی استہزاءً ہے اور خربندہ اُسکو کہتے ہیں جو گدہے کے پیچھے
اُس کو ہکاتا ہوا چلتا ہے اور کون خر سے مراد دنیا۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ وہ خربندہ
کون خر سے لگا رہتا ہے اسی طرح تم دنیا میں لگے ہوئے ہو۔ تو اب تم نے تو وہی
کون خر بوسہ گاہ پالی ہے بھئی ذرا ایسی جگہ تو ہمیں بھی لے چلنا۔ نعوذ باللہ۔

چوں نداد بندگی دوست دست میل شاہی از کجایت خاستست

یعنی جب تیری مدد دوست کی بندگی نے نہیں کی ہے تو تیرے اندر میلان شاہی کہاں سے
آگیا۔ مطلب یہ کہ ابھی چھوٹے تو بن تو چھوٹے بنے نہیں اور بڑے بننے کی تمنا ہے۔

در ہوائے آنکہ گویندت زہے بستہ بر گردن جانت زہے

یعنی اُس محبت میں کہ لوگ تمکو اچھا کہیں تم نے اپنی گردن جان پر ایک زہ کمان کی باندہلی
ہے یعنی اس کے مارے اپنے گلے میں پھانسی ڈال رکھی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

روبہا ایں دم حیلت را بہل وقف کن دل بر خداوندان دل

یعنی اے روباہ اس حیلہ کی دُم کو چھوڑ اور دل کو اہل دل پر وقف کردے۔ یعنی اُنکا
ہو رہ۔

در پناہ شیر کم ناید کباب روبہا تو سوئے جیفہ کم شتاب

یعنی شیر کی پناہ میں کباب کم نہیں آتے۔ اے روباہ تو مردار کیطرف مت دوڑ۔

مطلب یہ کہ بزرگوں کی خدمتیں رہ کہ انشاءاللہ دنیا بھی سنوری رہے گی اور دین بھی درست رہے گا۔ اور یہ بات مشاہد ہے جس کا دل چاہے آکر مشاہدہ کرے کچھ دن کسی کامل کے پاس رہ کر دیکھئے انشاءاللہ دنیا کی بھی پریشانی نہیں رہے گی آگے فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

تو دلا منظور حق آنگہ شوے | کہ چو جزوے سوئے کل خود روی
حق ہمی گوید نظر ما بر دل است | نیست بر صورت کہ آن آب و گل است
تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست | دل فراز عرش باشد نے بہ پست
در گل تیرہ یقین ہم آب ہست | لیک ازان آیت نشاید آبدست
زانکہ گر آبست مغلوب گل است | پس دل خود را مگو کایں ہم دلست
زان دلے کز آسمانہا برترست | آن دل ابدال یا پیغمبر است
پاک گشتہ آن ز گل صافی شدہ | در فزونی آمدہ وافی شدہ
ترک گل کردہ سوئے بحر آمدہ | رستہ از زندان گل بحرے شدہ
آب ما محبوس گل ماندست ہین | بحر رحمت جذب کن ما را ز طین
بحر گوید من ترا خود در کشم | لیک می لافی کہ من آب خوشم
لاف تو محروم مے دارد ترا | ترک آن پنداشت کن در من درآ

آب گل خواہد کہ در دریا رود — گل گرفتہ پائے او را مے کشد

گر رہاند پائے خود از دست گل — گل بماند خشک او شد مستقل

آن کشیدن چیست آن گل آب را — جذب تو نقل و شراب ناب را

ہمچنین ہر شہوتے اندر جہان — خواہ مال و خواہ جان و خواہ نان

خواہ باغ و مرکب و تیغ و مجن — خواہ ملک و خانہ و فرزند و زن

ہر یکے زینہا ترا مستے کند — چون نیابے آن خمارت بشکند

این خمار غم دلیل آن شدہ است — کہ بدان مفقود مستے ات بدست

جز باندازہ ضرورت زین مگیر — تا نگردد غالب و بر تو امیر

سرکشیدی تو کہ من صاحب دلم — حاجت غیرے ندارم واصلم

آن چنانکہ آب در گل سرکشد — کہ منم آب و چرا جویم مدد

دل تو این آلودہ را پنداشتے — لاجرم دل ز اہل دل برداشتے

خود روا دارے کہ آن دل باشد این — کہ بود در عشق شیر و انگبین

لطف شیر و انگبین عکس دلست — ہر خوشے را آن خوش از دل حاصل است

پس بود دل جوہر و عالم عرض — سایۂ دل چون بود دل را غرض

آن دلے کو عاشق مالست و جاہ — یا زبون این گل و آب سیاہ

یا خیالاتے کہ در ظلمات او — مے پرستد شان برائے گفتگو

دل نباشد غیر آن دریائے نور | دل نظرگاہِ خدا وانگاہ کور

نے دل اندر صد ہزاران خاص عام | در یکے باشد کدام است آن کدام

ریزۂ دل را بہل دل را بجو | تا شود آن ریزہ چون کوہے ازو

دل محیط ست اندرین خطۂ وجود | زر ہمی افشاند از احسان وجود

از سلام حق سلامتہا نثار | مے کند بر اہل عالم ز اختیار

ہر کرا دامن درست ست و معد | آن نثار دل بر آنکس مے رسد

دامن تو آن نیاز ست و حضور | ہین منہ در دامن آن سنگ فجور

تا نہ دردد دامنت آن سنگہا | تا بدانے نقد را از رنگہا

سنگ پر کردی تو دامن از جہان | ہم ز سنگ سیم و زر چون کودکان

آن خیال سیم و زر چون زر نبود | دامن صدقت درید و غم فزود

کے نماید کودکان را سنگ سنگ | تا نگیرد عقل دامن شان بچنگ

پیر عقل آمد نہ آن موئے چو شیر | مو نمی گنجد درینجا اے فقیر

اوپر مولانا نے اہل اللہ کیطرف رجوع کرنے کی ترغیب دی تھی - یہ مضمون بھی اُسی کا تتمہ ہے اور فرماتے ہیں کہ اے دل تو منظور منظر رحمت حق اُسوقت ہوگا جب کہ تو جزو کی طرح اپنے کل کیطرف راجع ہوگا - اور اس سے اتصال پیدا کرے گا اس شعر میں بظاہر دلکو خطاب ہے - مگر فی الحقیقت اس کے مخاطب اہل دل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو تمہارا دل منظور حق اُسوقت ہوگا جبکہ اُسکو اہل اللہ

کے قلوب سے اتصال ہو اس سے معلوم ہوا کہ جزو سے مراد قلوب عوام ہیں اور
کل سے مراد قلوب عرفا۔ اب سمجھنا چاہیئے کہ قلوب عوام کو جزو اُن کے نقصان
کے بنا پر کہا گیا ہے۔ اور قلوب اہل اللہ کو کل اون کے کمال کے بنا پر فرمایا
گیا ہے۔ اور یہ جزویت اور کلیت تشبیہی ہے نہ کہ تحقیقی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا
تو اب سنو۔ کہ کوئی اعتراض کر سکتا تھا کہ حدیث میں وارد ہے۔ ان اللہ لاینظر
الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم ونیاتکم اور قلوب میں ہمارا قلب بھی داخل ہے
اور شرط کوئی ہے نہیں۔ تو ہمارا دل منظور نظر حق کیوں نہ ہو گا۔ اور اس کی منظوری
اس شرط پر کیوں معلق ہو گی۔ مولانا آگے اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ
حق سبحانہٗ فرماتے ہیں کہ ہماری نظر دل پر ہے۔ صورت پر نہیں اور صورت کے
منظور حق منظور نہ ہونیکی وجہ ہے کہ وہ آب و گل ہے اور آب و گل منظور نظر
نہیں ہو سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کوئی اور شئے ہے جو مغائر ہے
آب و گل کے اور تمہارا دل آب و گل سے علیحدہ نہیں لہذا وہ صورت میں داخل ہو گا
اور قلوب میں داخل نہ ہو گا۔ جب صورت میں داخل ہو گا تو منظور نظر نہیں ہو سکتا۔
اور قلوب میں داخل ہونا اُس کا موقوف ہے اتصال بقلوب اہل اللہ پر۔
پس ثابت ہوا کہ اُسکا منظور حق ہونا موقوف ہے اتصال بہ قلوب اہل اللہ پر۔
وہو المدعے تمکو غلطی یوں ہوئی کہ تم اپنے دل کو دل سمجھ بیٹھے حالانکہ وہ دل نہیں۔
کیونکہ دل مجردات سے ہے اُس کا مرتبہ تو عرش سے بھی بالا ہے وہ کوئی ناسوتی
شئے نہیں پس اگر اسپر تجرد غالب ہے تو وہ دل ہے اور اگر جسمانیت کا غلبہ ہے
تو وہ دل نہیں اور تیرے دل پر جسمانیت اور ناسوتیت غالب ہے پس وہ دل
کیسے ہو سکتا ہے اسکو تم یوں سمجھو کہ جوہڑ سے میں یقیناً پانی ہوتا ہے لیکن وہ
پانی اس قابل نہیں ہے کہ اُس سے وضو یا استنجا کیا جاوے کیونکہ گو وہ اپنی ذات
کے لحاظ سے پانی ہے لیکن مٹی سے مغلوب ہو کر اُس نے مٹی کا حکم حاصل
کر لیا ہے پس یہ ہی حالت تمہارے دل کی ہے کہ گو وہ اپنی ذات سے مجرد اور

قلب ہے مگر انہماک فی الناسوت کے سبب وہ بھی حکماً ناسوتی ہوگیا ہے اور اس قابل نہیں کہ احکام قلب اُس کے لئے ثابت ہوں ۔ پس اب نہ کہنا کہ میرا دل بھی دل ہے اور اُسکو بھی منظور حق ہونا چاہیئے تیرا اور تیرے امثال کا دل ہرگز دل نہیں ۔ کیونکہ وہ ناسوت میں منہمک ہے بلکہ دل تو اہل اللہ کا دل ہے ۔ خواہ انبیا ر ہوں یا اولیا ر کیونکہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ دل عرش سے بالاتر ہے اور جو عرش سے بالاتر ہو وہ قلب ولیار اللہ یا قلب انبیار ہے پس ثابت ہوا کہ دل حقیقۃً قلب اہل اللہ ہے وہ گل سے پاک اور کامل و مکمل ہے وہ گل یعنے عالم ناسوت کو چھوڑ کر سمندر بن ملگیا ہے ۔ اور عالم ناسوت کی قید سے چھوٹ کر اور بحر حقیقی یعنی حق سبحانہ سے اتصال پیدا کرکے خود بھی ایک سمندر ہوگیا ہے پس جو قلب اس سے اتصال پیدا کریں گے وہ بھی دل سمندر ہو جائیں گے ۔ یہاں تک پہونچکر مولانا پر ایک حال طاری ہوتا ہے اور مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارا پانی یعنی دل مٹی یعنی عالمِ ناسوت میں مقید ہوکر رہگیا ہے اے بحر رحمت ہم کو اس جیلخانہ سے نکالئے اور اپنے ساتھ متصل کرکے ہمارے پانی یعنی دلکو بھی سمندر بنا دیجئے اُس کے بعد اس سے افاقہ ہوتا ہے اور پھر مضمون سابق کیطرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ سمندر یعنی اہل اللہ تم سے یہی کہتا ہے کہ میں تم کو بھی اپنے اندر جذب کرسکتا ہوں مگر زحمت تو یہ ہے کہ تم غرور میں مرے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ میں تو خود پانی ہوں مجھے اس پانی کی کیا ضرورت ہے یہ تمہاری شیخی تمہیں محروم کررہی ہے ۔ پس تم غرور کو چھوڑ دو اور مجھ میں ملکر دریا ہو جاؤ ۔ اب مولانا اس کھیچے کا منشا بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آب و گل یعنی تمہارا دل بالطبع تو یہی چاہتا ہے کہ دریا میں جا ملے لان الجنس الی الجنس یمیل لیکن مٹی اُس کے پاؤں کو پکڑ کر کھینچتی ہے اور جانے نہیں دیتی ۔ ایسی حالت میں اگر وہ مٹی سے اپنا پاؤں چھڑا لے تو مٹی خشک رہجائے اور وہ اس سے نکل کر چلا جاوے ۔ اب یہ سمجھو کہ مٹی کے پانی کو کھینچنے کا کیا مطلب ہے وہ یہ کہ تم کو خواہش ہے نقل اور شراب

ناب کی یہی وہ کشش ہے جو دل کو اتصال یا اہل اللہ سے مانع ہوتی ہے اور طرح طرح
کے حیلوں سے اُس کو اتصال سے روکتی ہے علی ہٰذا دنیا میں جو مرغوب چیز ہے خواہ
مال ہو خواہ جان خواہ عزیز و اقارب خواہ باغ خواہ سواری خواہ تلوار خواہ ڈھال خواہ
ملک خواہ گھر خواہ بیوی بچے سب کی یہی حالت ہے اور اُنہوں نے تم کو مست
کر رکھا ہے کیونکہ جب وہ تم کو نہیں ملتے تو اُن کے خمار سے تمہارا بدن ٹوٹتا رہتا ہے
یہ خمار غم اسکی دلیل ہے کہ تم ان اشیاء میں مست ہو لیکن یہ مناسب نہیں بلکہ ضرورت
سے زیادہ ان اشیاء کو مت حاصل کرو تاکہ یہ تم پر غالب اور حاکم ہو کر تم کو برباد کر دیں
غرض کہ تو نے ان اشیاء میں مست ہو کر یہ خیال باطل ذہن میں جما لیا کہ میں صاحبدل
ہوں اور میرا دل منظور حق ہے ۔ اور میں واصل ہوں ۔ اور اس بنا پر تو اہل اللہ سے
کھنچ بیٹھا ۔ جسطرح کہ جوہڑے کا پانی یہ سمجھکر کہ میں خود پانی ہوں اور مجھے آب بحر کی مدد
کی کیا ضرورت ہے بحر سے کھنچ بیٹھتا ہے ۔ اور تو نے اپنے دل کو دل سمجھ لیا
پس لامحالہ تو نے اہل دل سے قطع تعلق کر لیا ۔ اچھا تو ہی انصاف سے کہدے کہ
کیا تو اس کو جائز رکھتا ہے کہ دل کی یہ حالت ہو کہ خدا سے غافل ہو کر دودھ اور شہد
وغیرہ لذائذ کی محبت میں گرفتار ہو جاوے ۔ ہم نہیں خیال کرتے کہ تو اگر ذرا بھی انصاف
سے کام لے گا تو اس کو جائز رکھے گا ۔ تو اب تو ہی انصاف کرے کہ تیرا دل جسکی یہی
حالت ہے دل کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں ۔ اُمید ہے تو یہی کہیگا کہ نہیں اور واقع
میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ دل کا کام یہ ہرگز نہیں کہ وہ لذائذ دنیویہ میں مصروف ہو اسلئے
کہ دودھ اور شہد وغیرہ کی خوبی تو خوبیٔ دل کا عکس ہے ۔ اور جس دنیوی چیز میں جو کوئی اچھائی
ہے وہ دل ہی سے حاصل ہے ۔ کیونکہ دل اگر ٹھیک ہو تو ہر چیز میں مزہ ہے اور اگر اُسکی
حالت خراب ہو تو پھر کسی چیز میں بھی لطف نہیں جب یہ حالت ہے تو دل اصل ہوا اور تمام
عالم اُسکا تابع اور عکس ۔ اب تم سمجھ لو کہ عکس دل کیونکر مطلوب دل ہو سکتا ہے ۔ پس ثابت
ہوا کہ جو دل مال اور جاہ کا عاشق ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ وہ اس جوہڑے کا
مغلوب ہے یا یوں کہو کہ وہ ان اشیاء کا مغلوب ہے جو ایک وہم و خیال سے زیادہ

وقعت نہیں رکھتیں اور جنکو وہ گھپ اندھیرے میں واقعیات سمجھکر پوج رہا ہے محض برائے
نام اور کہنے کو دل ہے ورنہ حقیقت میں دل نہیں۔ کیونکہ دل تو وہی ہے جو نور سے لبریز
ہوا سکے علاوہ کوئی دل نہیں کیونکہ ناممکن ہے کہ دل محل نظر خداوندی ہو اور پھر اندھا اور
بے نور ہو۔ پس اصل دل تو لاکھوں عوام اور خواص میں بھی نہ ملے گا۔ بلکہ ایک آدھ ہی کے
پاس ہوگا۔ لہذا اسکو تلاش کرو۔ اور دیکھو کہ وہ کون ہے اور اپنے دل کو جسکو دلکا ایک ذرا
سا ٹکڑا کہنا چاہیئے چھوڑ کر دل کو ڈھونڈو۔ تاکہ یہ ریزہ ہی اسکی بدولت پہاڑ بنجاوے یاد رکھو
کہ افاضہ اور استفاضہ کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اول مستفیض کی طلب
بشرائط کی دوم مفیض کی عنایت وسخاوت کی سو یاد رکھو کہ مفیض کی طرف سے تو تقصیر نہیں
کیونکہ دل اپنے افاضہ اور احسان وجود کے لحاظ سے عالم وجود کو محیط ہے اور وہ اپنے احسان
اور اپنی سخاوت کا سونا لٹا رہا ہے۔ اور حق سے سلامتی حاصل کرکے اپنے اختیار سے
عالم پر سلامتیاں بکھیر رہا ہے۔ جسکا دامن درست اور پھیلا ہوا ہے۔ وہ بکھیر اس تک
پہونچتی ہے اور وہ اس سے مستفیض ہوتا ہے اب اگر کمی ہے تو تمہاری طرف سے کہ تمہارا
دامن درست اور پھیلا ہوا نہیں۔ لہذا تم محروم ہو۔ پس تم کو چاہیئے کہ دامن کو خالی رکھو
اور اسکو پھیلاؤ۔ لیکن دامن سے متعارف دامن مراد نہیں بلکہ وہ دامن عجز اور حاضر خدمت
ہونا ہے۔ پس تم اس دامن کو پھیلاؤ اور خالی رکھو یعنی نافرمانی کے اینٹ پتھر اس میں نہ بھرو۔
تاکہ وہ ان پتھروں سے پھٹکر اُس بکھیر کے روکنے کے ناقابل نہ ہوجاوے۔ دیکھنا
سونے اور ملمع میں امتیاز کرنا اور سونے کے بدلے اور کچھ نہ بھرلینا۔ اب تک تو نے
اپنے دامن میں متعارف سونے چاندی وغیرہ کے پتھر بھرے اور تیری مثال لڑکوں کی سی
ہوگئی کہ جسطرح وہ پتھروں کو چاندی سونا سمجھکر دامن بھر لیتے ہیں یوں ہی تو نے اس متعارف
چاندی سونے کو اصل چاندی سونا سمجھکر دامن بھر لیا۔ اس کے بوجھ سے تیرا دامن صدق
وخلوص پھٹ گیا۔ یعنی اُن کی محبت میں پھنسکر تیرے اندر اہل اللہ کے ساتھ نہ اخلاص نہ
رہا۔ اور چونکہ وہ خیالی چاندی سونا اصلی چاندی سونا نہ تھا اسلئے واقع میں غم ہی بڑھا خوشی
کچھ بھی نہ ہوئی۔ گو وہ غم تمکو محسوس نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ تم اس چاندی سونے کو

حقیقی چاندی سونا سمجھتے ہو اور خیال نہیں سمجھتے اور یہ بعید نہیں کیونکہ جب تک عقل ان کو نہیں سنبھالتی۔ اسوقت تک لڑکوں کو بھی ہنر بہتر نہیں معلوم ہوتے بلکہ وہ اس کو سونا ہی سمجھتے ہیں۔ تم کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ بچوں کو تو بچپن کیوجہ سے دہوکہ ہوتا ہے ہم تو بڈھے ہیں ہم کو دہوکہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ بزرگی بعقلست نہ بسال بڑا تو آدمی عقل سے ہوتا ہی سفید بالوں سے نہیں ہوتا یہاں بالوں کو کچھ بھی دخل نہیں پس چونکہ تمہیں عقل نہیں اسلئے اب بھی بچے ہی ہو۔

شرح شبیری

توولا منظور حق آنگہ شوئے ‌‌‌‌ ‌ ‌ کہ چو جزوے سوئے کل خود روی

یعنی اے دل تو منظور حق اُسوقت ہو گا جبکہ جزو کی طرح اپنے کل کیطرف چلا جاوے گا یعنی تم اپنی اصل کیطرف رجوع ہو جاؤ اُسوقت منظور حق ہو سکتے ہو۔

حق ہمی گوید نظر مان بر دل است ‌ ‌ نیست بر صورت کہ آن آب و گل است

یعنے حق تعالی فرماتے ہیں کہ ہماری نظر دل پر ہے اور صورت پر نہیں ہے کیونکہ وہ تو آب و گل ہے۔ حدیث میں ہے کہ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم اسی طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست ‌ ‌ دل فراز عرش باشد نے بہ پست

یعنے تم کہتے ہو کہ ہمارے بھی دل ہے (ارے) دل تو بلندی عرش پر ہوتا ہے نہ کہ پستی میں۔ مطلب یہ کہ جو اصل میں دل یعنی جو کہ لطائف میں داخل ہے وہ تو بالائے عرش ہی ہے باقی یہ قلب صنوبری تو متعلق قلب ہے قلب نہیں ہے تو تمہارا اس دل کو دل کہنا غلط ہے آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں۔

در گل تیرہ یقین ہم آب ہست ‌ ‌ لیک ازان آبت نشاید آبدست

یعنی تیرہ کیچڑ میں یقیناً پانی ہوتا ہے لیکن اُس پانی سے تم کو آبدست نہ چاہیئے۔

زانکہ گر آب ست مغلوب گل ست — پس دل خود را مگو کاین ہم دل است

یعنی اس لئے اگرچہ پانی ہے مگر مغلوب گل ہے پس تم اپنے دل کو بھی مت کہو کہ یہ بھی دل ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو کیچڑ میں بھی پانی ہوتا ہے مگر وہ پانی بے کار ہوتا ہے اور کسی کام کا نہیں ہوتا اُس سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح اگرچہ تمہارا قلب صنوبری نام کا دل ہے مگر اصلی دل جس کا کام توجہ الی الحق ہے نہیں ہے

آں دلے کز آسمانہا برتر ست — آں دل ابدال یا پیغمبر ست

یعنی جو دل کہ آسمانوں سے برتر ہے وہ دل یا تو اولیاء اللہ کا ہے یا پیغمبروں کا ہے (اُسکی یہ حالت ہے کہ)

پاک گشتہ آں ز گل صافی شدہ — در فزونی آمدہ وافی شدہ

یعنی وہ گل سے پاک شدہ ہے اور صاف شدہ ہے اور ترقی میں آیا ہوا ہے اور کافی ہو۔

ترک گل کردہ سوئے بحر آمدہ — رستہ از زنداں و گل بحری شدہ

یعنے اُس نے گل کو ترک کر دیا ہے اور بحر کیطرف آیا ہے اور زندان و گل سے چھوٹکر بحر کیطرف آیا ہوا ہے گل سے مراد ناسوت اور بحر سے مراد حضرت حق مطلب یہ کہ وہ دل اولیاء انبیاء کا اس ناسوت سے قطع تعلق کر کے متوجہ بحق ہو چکا ہے۔

آب ما محبوس گل ماندست ہین — بحر رحمت جذب کن ما را ز طین

یعنی ہمارا آب۔ گل میں پھنسا ہوا ہے ہاں اے بحر رحمت ہمکو طین سے جذب کر لے یعنی ہمارا قلب ناسوت میں پھنسا ہوا ہے اے اللہ اُس کو اپنی طرف جذب فرما لیجئے۔

بحر گوید من ترا در خود کشم — لیک میدانی کہ من آب خوشم

یعنی بحر کہتا ہے کہ میں تجھے اپنے میں کھینچ تو لوں لیکن تو تو یہ جانتا ہے کہ میں آب وخوش ہوں۔

لاف تو محروم می دارد ترا — ترک آں پنداشت کن در من درآ

یعنے تیری شیخی تجھے محروم رکھتی ہے تو اس پندار کو ترک کر اور میرے اندر چلا آ۔ مطلب یہ کہ جب دعا کرتے ہیں تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تجھے جذب تو کر لوں مگر تو تو اپنے کو کامل سمجھے ہوئے ہے اس سلئے خود ادہر آنا ہی نہیں چاہتا تو اس بت پندار کو توڑ ڈال اسکے

بعد آپھر دیکھو جذب ہوتا ہے یا نہیں۔

آب و گل خواہد کہ در دریا رود　　گل گرفتہ پائے او را مے کشد

یعنی آب و گل چاہتا ہے کہ دریا میں جاوے مگر گل اُس کے پاؤنکو پکڑے ہوئے کھینچ رہی ہے مطلب یہ کہ قلب متوجہ بحق ہونا چاہتا ہے مگر یہ اشیاء ناسوتی اُسکو اپنی طرف کھینچے ہوتے ہیں اور اُسطرف جانے نہیں دیتیں۔

گر رہاند پائے خود از دست گل　　گل بماند خشک و او شد منتقل

یعنی اگر یہ اپنے پاؤں دست گل سے چھڑالے تو گل تو خشک رہجاوے اور یہ منتقل ہو جاوے مطلب یہ کہ اگر یہ اس ناسوت سے قطع تعلق کر دے تو یہ ناسوت تو یونہیں رہجاوے اور یہ ملکوت کیطرف منتقل ہو جاوے آگے اس مثال کو خود تطبیق دیتے ہیں کہ۔

آن کشیدن چیست از گل آب را　　جذب تو نقل و شراب ناب را

یعنی وہ کھینچنا گل کیطرف سے آب کو کیا ہے تمہارا نقل کو اور شراب ناب کو جذب کرنا ہے۔ نقل کہتے ہیں اُس شئے کو جو بعد شراب کے کھائی جاتی ہے مراد تلذذات و تنعمات مطلب یہ کہ تم جو ان تلذذات و تنعمات میں پھنسے ہوئے ہو بس یہ ہی عالم ناسوت کیطرف کشش ہے۔

ہمچنیں ہر شہوتے اندر جہان　　خواہ مال و خواہ جان و خواہ نان

یعنی ایسطرح ہر شہوت جہان میں خواہ وہ مال ہو خواہ جان ہو خواہ نان ہو۔

خواہ باغ و مرکب و تیغ و مجن　　خواہ ملک و خانہ و فرزند و زن

یعنی خواہ باغ ہو یا مرکب ہو یا تلوار ہو یا ڈھال ہو یا ملک ہو یا گھر ہو یا فرزند و زن ہو۔

ہر یکے زینہا ترا مستی کند　　چون نیابی آن خمارت میکند

یعنے ہر ایک ان میں سے تجھے مستی کرتی ہے اور جب تو ان کو نہیں پاتا ہے تو تجھے خمار کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے یہ جسقدر اشیا ناسوتی ہم نے تمکو بتائی ہیں یہ ہی تم کو مست کئے ہیں اور اپنے اندر لگائے رکھتی ہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تمکو یہ چیزیں نہیں ملتی ہیں تو تمکو ایک قسم کا خمار ہو جاتا ہے جیسے کہ منشیات کو کھانے والوں کو انکو نہ ملنے سے ایک

خمار ہوتا ہے اسیطرح ان اشیاء کے نہ ملنے سے تم کو جو ایک غم ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہی چیزیں جب تمہارے پاس ہوتی ہیں تو تم کو مست رکھتی ہیں آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

این خمار غم دلیل آن شدہ است ۔ کہ بدان مفقود مستیت بدست

یعنی یہ غم کا خمار دلیل اس کی ہے کہ اُس مفقود سے تمکو مستی تھی (اور اس مستی ہی کیوجہ سے ان کیطرف جذب ہوتا ہے اور تمام ملکوت سے دوری ہوتی ہے تو اب تم کو چاہیئے کہ)

جز باندازہ ضرورت زین مگیر تا نگردد غالب و بر تو امیر

یعنی بجز اندازۂ ضرورت کے اس سے مت لے تاکہ یہ تجھ پر غالب اور امیر نہ ہو جاویں۔ (تو تجھے چاہیئے تو یہ تھا مگر تو نے یہ کیا کہ)

سرکشیدی تو کہ من صاحبدلم حاجت غیرے ندارم واصلم

یعنی تو نے سرکشی کی کہ میں تو صاحبدل ہوں اور کسی غیر کی حاجت نہیں رکھتا میں تو واصل ہوں

آنچنانکہ آب در گل سر کشد کہ منم آب و چرا جویم مدد

یعنی جیسے کہ آب گل میں سرکشی کرنے لگے کہ میں تو آب ہوں میں مدد کیوں تلاش کروں۔ (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ اُسی طرح سڑے گا اور کبھی ترقی نصیب نہ ہوگی اسیطرح تم اس پندار میں پھنکر یہیں رہ گئے ہو اور یہ عالم ناسوت تم کو ترقی سے مانع ہو گیا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

دل تو این آلودہ را پنداشتے لاجرم دل ز اہل دل بر داشتے

یعنی دل تو نے اس آلودہ کو سمجھ رکھا ہے اس لئے دل کو اہل دل سے برداشتہ کر رکھا ہے یعنی تم نے چونکہ اس دل کو دل سمجھا ہے جو آلودۂ دنیا ہے اور یہ دل اہل دل کے پاس ہے نہیں تو اس لئے تم اُن سے دل برداشتہ ہو رہے ہو ورنہ اگر تم دل کی حقیقت سمجھ لیتے تو اہل دل سے ہرگز برداشتہ خاطر نہ ہوتے آگے بطور سوال فرماتے ہیں کہ۔

خود روا داری کہ آن دل باشد این کہ بود در عشق شیر و انگبین

یعنے کیا تم جائز رکھتے ہو کہ وہ (تمہارا) دل یہ ہووے جو کہ شیر و انگبین کے عشق میں ہوتا ہے۔

لطف شیر و انگبین عکس دل است ہر خوشی را آن خوشی از دل حاصل است

یعنی شیر و انگبین میں جو لطف ہے وہ عکس دل کا ہے اور ہر خوب کے لئے وہ خوبی دل ہی سے حاصل ہے مطلب یوں سمجھو کہ یہ تو معلوم ہے کہ تمام عالم مظہر ہے اسمار آلہیہ کا اور اُن میں سے مظہر اتم و اکمل و جامع انسان ہے اور دیگر اشیار خاص خاص اسمار کے مظاہر ہیں پھر جسکے مظہر ہیں اُس میں بھی ناقص ہیں اور انسان مظہر یت میں کامل ہے تو اب ایسا ہے گویا کہ مظہر اسمار ہونے میں انسان تو اصل ہے اور باقی سب چیزیں اس کی فرع اور اُسکے عکس ہیں تو فرماتے ہیں کہ شیر و انگبین میں جو لطافت آئی ہے یہ بھی تو مظہر ہے اسم حق کا اور انسان اس اسم کے مظہر میں بھی اکمل ہے تو گویا کہ ان کی لطافت فرع ہے لطافت قلب کی تو کیا تم یوں چاہتے ہو کہ تمہارا قلب جو کہ اصل ہے وہ فرع اور تابع بن جاوے آگے اور اوصاف فرماتے ہیں کہ۔

پس بود دل جوہر و عالم عرض ‌ ‌ ‌ سایۂ دل چوں بود دل را غرض

یعنی پس دل تو (اصل ہونے کے اعتبار سے) جوہر ہوگا اور یہ تمام عالم (تابع ہونے کے اعتبار سے) عرض ہوا۔ تو دل کا مقصود سایۂ دل کسطرح ہو جاوے گا۔ یعنی جو شئے کہ تابع تھی وہ اُس کا مقصود کس طرح بنجاوے گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ

آن دلے کو عاشق مالست و جاہ ‌ ‌ ‌ یا زبون ایں گل و آب و سیاہ

یعنی وہ دل جو کہ عاشق مال و جاہ ہے یا اس آب و سیاہ و گل میں مغلوب ہو رہا ہے۔

یا خیالاتے کہ در ظلمات او ‌ ‌ ‌ می پرستد شان برائے گفتگو

یعنی یا وہ خیالات کہ جو ظلمات میں ہیں اُن کی پرستش کرتا ہے (تو ایسا دل) برائے گفتن ہی ہے۔

دل نباشد غیر آن دریائے نور ‌ ‌ ‌ دل نظرگاہ خدا وانگاہ کور

یعنی دل بجز دریائے نور کے نہیں ہوتا دل نظر گاہ خدا کی ہوا ور پھر اندھا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو دل کہ عاشق مال و جاہ یا خیالات ظلمانی ہے وہ دل ہی نہیں بلکہ دل تو وہ ہے جو کہ خالص نورانی ہے اس لئے کہ دل نظر گاہ حق ہے۔ بھلا جو شئے کہ خدا کی نظر گاہ ہو وہ کہیں اندھی بھی ہو سکتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نے دل اندر صد ہزاران خاص وعام　　در یکے باشد کدام است آن کدام

یعنی کیا دل لاکھوں خاص وعام میں ایک ہی میں نہیں ہوتا اور وہ کہاں ہے کہاں ہے مطلب یہ کہ اہلِ دل والا تو لاکھوں میں ایک ہی ہوتا ہے اور پھر وہ بھی بہت کمیاب ہے۔

ریزۂ دل را بہل دل را بجو　　تا شود آن ریزہ چوں کوہے ازو

یعنی ریزۂ دل کو ترک کر اور (اہل) دل کو تلاش کر وتاکہ یہ ریزہ بھی اُس کی وجہ سے مثل ایک کوہ کے ہوجاوے۔ ریزۂ دل سے مراد دل صنوبری ہے۔ مطلب یہ کہ اُس کی طرف سے التفات ہٹاؤ اور اہل دل کو تلاش کرو کہ اُن کی صحبت سے تمہارا یہ دل بھی کام کا ہوجاوے گا۔

دل محیط است اندریں خطہ وجود　　زر ہمی افشاں داز احسان وجود

(یعنی اہل دل اس خطہ وجود کو محیط ہیں اور احسان وجود سے زرافشانی کر رہے ہیں۔

از سلام حق سلامتہا نثار　　میکند بر اہل عالم ز اختیار

یعنی حق تعالیٰ کے سلام سے سلامتیاں اہل عالم پر اپنے اختیار سے نثار کر رہے ہیں۔ اہل دل سے یہاں مراد قطب الارشاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قطب الارشاد جو ہوتا ہے تمام خطہ عالم پر محیط ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کیطرف سے سلامتیوں کو اہل عالم پر نثار کرتا ہے۔

ہر کرا دامن درست ست او معد　　آن نثار دل برآنکس مے رسد

یعنی جس شخص کا دامن درست ہے اور درست ہے وہ ذا اہل دل کا نثار اُسپر پہونچتا ہے۔

دامن تو آن نیاز است وحضور　　ہین منہ در دامن آن سنگ فجور

یعنی تمہارا دامن وہ نیازمندی اور حضور ہے تو تم اپنے دامن میں سنگ فجور مت بھرو۔

تا ندرد دامنت زان سنگہا　　تا بدانی نقد را از رنگہا

یعنی تاکہ تمہارا دامن اُن پتھروں سے پھٹ نہ جائے اور تاکہ تم نقد کو رنگوں سے دمتماز کرکے جان لو۔ مطلب یہ ہے اگر تمکو نیازمندی اور حضور قلب حاصل ہے تو تمپر وہ نثار ابھی پہونچیگا اور تم اُس سے فیضیاب ہوگے۔ اور اگر تم نے اس دامن نیاز وحضور کو سنگہائے فسق و فجور بھر کر پھاڑ لیا تو اُسوقت تم اُن فیوض کو اُن حضرات سے حاصل نہیں کر سکتے۔

سنگ پُر کردی تو دامن از جہاں　　ہم ز سنگ سیم و زر چوں کودکاں

یعنی تم نے دامن کو اس جہان سے پُر ز سنگ کر لیا ہے اور سیم و زر کے پتھروں سے بھی مثل بچوں کے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نادان بچے پتھروں کو روپئے پیسے سمجھکر اُن سے دامن بھر لیتے ہیں اسی طرح تمنے ان ملذذات و تنعمات کو لذیذ جانکر اُنسے اپنے دامن کو پر کر لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمہارا وہ دامن نقدی پارہ پارہ ہو جاتا ہے

آں خیال سیم و زر چوں زر نبود　　دامن صدقت درید و غم فزود

یعنی وہ خیال سیم و زر کا جب زر نہ تھا تو تمہارے دامن صدق کو اسنے پھاڑ دیا اور غم زیادہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس کو تم زر سمجھتے تھے چونکہ اصل میں وہ زر نہ تھا لہذا اُس کو جب تم نے اپنے دامن میں بھرا تو پتھروں نے تمہارے دامن نیاز و حضوری و تقویٰ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

کے نماید کودکاں را سنگ سنگ　　تا نگیرد عقل دامن شاں بچنگ

یعنی بچوں کو سنگ سنگ کب معلوم ہوتا ہے جب تک کہ اُن کے دامن کو عقل چنگل میں نہ پکڑ لے۔ مطلب یہ کہ جب تک بچوں کو عقل نہیں آتی اُسوقت تک وہ پتھر کو پتھر نہیں سمجھتے بلکہ اونکو روپیہ پیسے سمجھکر اُن سے خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تک ہمکو عقل باطن حاصل نہ ہو گی اُسوقت تک ہم ان تلذذات و تنعمات کو مایۂ حیات سمجھیں گے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ ہمتو بچے نہیں ہماری عمر تو اسی برس کی ہو گئی ہے تو ہم جو اس دنیا میں لگے ہوئے ہیں ہم اس میں داخل نہیں ہیں۔ مولانا اسکا جواب دیتے ہیں کہ

پیر عقل آمد نہ آں موئے چو شیر　　مو نمی گنجد درینجا اے فقیر

یعنی پیر تو عقل ہوتی ہے نہ وہ دودھ جیسے بال اور اے درویش اس جگہ بال بھی نہیں سماتا۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگی بعقلست نہ بسال

اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کہ اتنے برس کے بوڑھے ہو گئے کام تو اس سے چلتا ہے کہ عقل ہو۔ تو جب دین کی عقل تم کو نہیں ہے تو تم ابھی بچے ہو۔ ایک اور جگہ مولانا خود فرماتے ہیں کہ ؎ خلق اطفال اند جز مست خدا ٭ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا ٭ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

چوں رہید آں کشتی و آمد بکام ٭ شد نماز آں جماعت ہم تمام

فجفجے افتاد شاں با ہمدگر ٭ کیں فضولے نیست از ما بدر

ہر یکے با ہمدگر گفتند سر ٭ از پس پشت دقوقی مستتر

گفت ہر یک من نکردستم کنوں ٭ ایں دعا نے از بروں نے از دروں

گفت مانا ایں امام ما ز درد ٭ بوالفضولانہ مناجاتے بکرد

گفت آں دیگر کہ اے یار قریں ٭ مر مرا ہم می نماید ایں چنیں

او فضولے بودہ است از انقباض ٭ کرد بر مختار مطلق اعتراض

چوں نگہ کردم سپس تا بنگرم ٭ کہ چہ میگویند آں اہل کرم

یک از ایشاں را ندیدم در مقام ٭ رفتہ بودند از مقام خود تمام

نے چپ و نے راست نے بالا و زیر ٭ چشم تیز من نشد بر قوم چیر

دُرہا بودند گوئی آب گشت ٭ نے نشان پا و نے گرد بدشت

در قباب حق شدند آندم ہمہ ٭ در کدامیں روضہ رفتند آں ہمہ

در تحیر مانده ام کایں قوم را / چوں بپوشانید حق از چشم ما

آنچناں پنہاں شدند از چشم او / مثل غوطہ ماہیاں در آب جو

سالہا در حسرت ایشاں بماند / عمرہا در شوق ایشاں اشک راند

تو نگوئی مرد حق را در نظر / کے در آید با خدا ذکر بشر

خر ازیں میخسپد ایں جای فلاں / کہ بشر دیدی تو ایشاں را نہ جاں

کار ازیں ویراں شدہ است ای مرد خام / کہ بشر دیدی تو ایشاں را چو عام

تو ہمہ دیدی کہ ابلیس لعیں / گفت من از آتشم آدم ز طیں

چشم ابلیسانہ را یکدم ببند / چند بینی صورت آخر چند چند

اے دقوقی با دو چشم ہمچو جو / ہیں مبر امید و ایشاں را بجو

ہیں بجو کہ رکن دولت جستن است / ہر گشادے در دل اندر بستن است

از ہمہ کار جہاں پرداختہ / کو و کوئے گو بجاں چوں فاختہ

نیک بنگر اندریں اے محتجب / کہ دعا را بست حق بر استجب

ہر کرا دل پاک شد از اعتدال / آں دعایش می رود تا ذو الجلال

جب تک کہ وہ کشتی گرداب سے نکلے اور منزل مقصود تک پہونچے۔ اتنے میں ان لوگوں کی نماز بھی ختم ہو گئی اور مقتدیوں میں آپسمیں کھُس پھُس ہونے لگی کہ جس نے یہ دعا کی ہے ہمیں میں سے کوئی ہے ہم سے باہر نہیں ہے وہ دقوقی کے پیٹھ کے پیچھے چھپے ہوئے چپکے چپکے آپسمیں اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے اور ہر ایک کہتا تھا کہ بھائی میں۔ نے تو یہ حرکت نہیں کی نہ لبیں بیش زبان سے۔ جب سب نے انکار کر دیا تو کسی نے کہا

کہ ہو نہ ہو یہ ہمارے امام صاحب ہیں کہ اُن کی تکلیف سے متاثر ہو کر خواہ مخواہ دعا کی ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یار کہتے تو ٹھیک ہو مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر وہ خواہ مخواہ ہیں کہ انھوں نے دوسروں کی تکلیف سے منقبض ہو کر مختار مطلق کی مزاحمت کی۔ اب دقوقی کہتے ہیں کہ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ دیکھوں تو سہی یہ حضرات کیا باتیں کر رہے ہیں تو مجھے ایک بھی وہاں نہ دکھائی دیا کیونکہ وہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے چلدیئے تھے میں نے ہر چند اُن کو دیکھا لیکن میری تیز نظر نہ اُنپر دائیں جانب غالب آئی نہ بائیں جانب نہ اوپر نہ نیچے۔ یعنی وہ مجھے کہیں نہ دکھائی دیئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ موتی تھے جو پچھل کر پانی ہو گئے کہ نہ پاؤں کا نشان ہے نہ جنگل میں دھول اڑتی ہے۔ غرضکہ وہ حق سبحانہ کے قبوں میں چلے گئے۔ اور معلوم نہیں کہ وہ کس باغ میں چلدیئے مجھے حیرت ہے کہ ان لوگوں کو حق سبحانہ نے دفعۃً میری نظر سے کیوں غائب کر دیا۔ اور اس میں کیا مصلحت تھی وہ دفعۃً یوں غائب ہو گئے جیسے مچھلیاں ندی میں غوطہ مار جاتی ہیں غرضکہ دقوقی برسوں اسی طرح افسوس کرتے رہے اور بہت زمانہ تک اونکے اشتیاق میں روتے رہے تم یہ اعتراض نہ کرنا کہ اہل اللہ کی نظر میں خدا کے ساتھ آدمیوں کا بھی کہیں ذکر آتا ہے۔ جب کہ نہیں آتا تو یا تو یہ واقعہ غلط ہی یا دقوقی ولی کامل نہ تھے۔ اس لیئے کہ وہ انسانوں کے طالب تھے۔ کیونکہ تمہارا گدھا اس مقام پر اس لئے سو جاتا ہے اور تم حقیقت تک پہونچنے سی محروم رہ جاتے ہو کہ تم اہل اللہ کو عام آدمیوں کی طرح آدمی سمجھتے ہو۔ اور اُنکو جان کی طرح مطلوب نہیں سمجھتے۔ اور کام یوں ہی بگڑا ہے کہ تم کو اُن کی حقیقت نہ معلوم ہوئی بلکہ اُنکو بھی عوام کے مثل ایک معمولی آدمی سمجھا۔ اور جسطرح ابلیس نے کمالات آدم کو نظر انداز کر کے صرف صورت پر نظر کی تھی اور کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں اس لیئے کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور یہ مٹی سی

یوں ہی تم نے اُن کو اُسی نظر ابلیسانہ سے دیکھا۔ اور صورت میں عوام سے مشابہت دیکھکر اپنے جیسا سمجھ لیا۔ ارے بھلے مانس آخر صورت کو کب تک مد نظر رکھے گا۔ اس ابلیسی آنکھ کو بند کر اور اُن کی حقیقت کو دیکھ اے دقوقی آپ اس معترض کی طرف التفاف نہ کریں اور اپنی ندی کی طرح آنسو بہانے والی آنکھوں سے آنسو بہاتے رہیں اور امید منقطع نہ کریں اور برابر اُن کو ڈھونڈھتے رہیں۔ ہاں خوب ڈھونڈھیے۔ اس لیئے کہ مدار دولت ڈھونڈھنا ہی ہے۔ اور اہل اللہ کے ساتھ دلبستگی ہی ہر مشکل کے حل ہونے کا ذریعہ ہے۔ آپ دنیا کے تمام کام چھوڑ کر جستجو میں لگ جایئے اور فاختہ کی طرح کو کو کرتے رہیئے اگر کسی محجوب کو میری اس گفتگو میں شک ہو تو میں اُس سے کہوں گا کہ دیکھ حق سبحانہ نے دعا کو استجب کے ساتھ ملایا ہے اور کہا ہے ادعونی استجب لکم اس سے ثابت ہوا کہ طلب ہی حصول مقصد کا سبب عادی ہے اور جسکا دل نجاسات باطنیہ و امراض روحانیہ سے پاک ہوتا ہے اُس کی دعا حق سبحانہٗ تک پہونچکر مقبول بھی ہوتی ہے

شرح شبیری

اُس جماعت اولیا کا دقوقی کی دعا و شفاعت کو سنکر سمجھنا اور غائب ہو جانا اور دقوقی کا حیران ہونا کہ یہ لوگ ہوا میں اڑ گئے یا زمین میں چھپ گئے

چوں رہید آں کشتی و آمد بکام شد نماز آں جماعت ہم تمام

یعنی جب وہ کشتی چھوٹ گئی اور اپنے مقصود پر آگئی تو اس جماعت کی نماز بھی پوری ہو گئی۔

فجفجے افتاد شاں باہمدگر کیں فضولی راکہ کرد از ما ز شر

یعنی اُن لوگوں میں آپسمیں ایک پر کچ پچ پڑگئی کہ اس فضول حرکت کو ہم میں سے کسنے کیا ہے شر کی وجہ سے۔

ہر یکے با ہمدگر گفتند سر از پس پشت دقوقی مستتر

یعنی ہر ایک نے ایک دوسرے سے چپکے چپکے دقوقی کی پس پشت کہا۔ یعنی سب نے ایک دوسرے سے انکی پس پشت پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے

گفت ہر یک من نکردستم کنوں ایں دعائے از بروں نے از دروں

یعنی ہر ایک نے کہا کہ میں نے اسوقت یہ دعا نہ باہر سے کی ہے اور نہ اندر سے یعنی نہ لب سے کچھ دعا کی اور نہ دل سے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو اتنا تو کشف ہوا کہ کسی نے دعا کی ہے اور یہ بھی ہوا کہ کی ہے ہم میں سے ہی مگر یہ پتا نہ چلا کہ کس نے کی ہے اس لیئے یہ ساری گڑبڑ ہوئی۔

گفت مانا کایں امام ما ز درد بو الفضولانہ مناجاتے بکرد

یعنی وہ بولے کہ یقیناً ہمارے اس امام نے درد کی وجہ سے بوالفضولوں کی طرح یہ مناجات کی ہے۔

گفت آں دیگر کہ اے یار یقیں مر مرا ہم می نماید ایں چنیں

یعنی دوسرے نے کہا اے یار یقیناً مجھے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

او فضولے بودہ است از انقباض کرد بر مختار مطلق اعتراض

یعنی وہ انقباض کی وجہ سے فضولی ہو گیا ہے کہ مختار مطلق پر اعتراض کیا۔ مطلب یہ کہ کشتی کو ڈوبتے دیکھکر اوسکو انقباض ہوا اور دل دکھا تو حق تعالیٰ پر اعتراض شروع کر دیا۔ اعتراض سے یہ مراد ہے کہ اللہ میاں نے ڈوبانا چاہا اور اسنے اُن کے خلاف منشاء دعا کی۔ جب اُن کا اسپر اتفاق ہو گیا کہ ان ہی حضرت کی

یہ دعا ہے تو وہ سب اُن کے پیچھے سے چلدیئے آگے خود کہتے ہیں کہ۔

چون نگہ کردم سپس تا بنگرم — کہ چہ می گویند آں اہل کرم

یعنی جب میں نے پیچھے دیکھا تا کہ میں دیکھوں کہ وہ اہل کرم کیا کہہ رہے ہیں۔

یک ازیشاں را ندیدم در مقام — رفتہ بودند از مقام خود تمام

یعنی اُن میں سے ایک کو بھی اُسجگہ میں نے نہ دیکھا اور وہ سارے کے سارے اپنی جگہوں سے چلدیئے تھے۔

نے بچپ نے راست نے بالا و زیر — چشم تیز من نشد بر قوم چیر

یعنی نہ بائیں تھے نہ دائیں نہ اوپر نہ نیچے میری چشم تیز اوس قوم پر غالب ہوسکی

درہا بودند گوئی آب گشت — نے نشان پاؤ نے گردے بدشت

یعنی وہ موتی تھے گویا کہ پانی ہوگئے کہ نشان پاؤں کا نہ کوئی گرد جنگل میں

در قباب حق شدند آندم ہمہ — در کدامیں روضہ رفتند آں رمہ

یعنی وہ سارے اوسیوقت حق تعالیٰ کے قبوں میں چلے گئے (اور نہ معلوم) وہ جماعت کونسے باغ میں چلی گئی۔

در تحیر ماندہ ام کایں قوم را — چوں بپوشانید حق از چشم ما

یعنی میں تحیر میں رہگیا کہ اس قوم کو حق تعالیٰ نے ہماری آنکھ سے کسطرح پوشیدہ کردیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

آنچناں پنہاں شدند از چشم او — مثل غوطہ ماہیاں در آب جو

یعنی وہ لوگ اوس دقوقی کی نگاہ سے ایسے پوشیدہ ہوئے جیسے مچھلیوں کا غوطہ آب جو میں (کہ اوسکا کوئی اثر ہی نہیں رہتا۔ اسی طرح اُن کے جانے کا بھی کوئی نشان وغیرہ کہیں نہ تھا)

سالہا در حسرت ایشاں بماند — عمرہا در شوق ایشاں اشک راند

یعنی دقوقی اون لوگوں کی حسرت میں سالہا سال تک رہے اور ایک عمر تک اونکے شوق میں آنسو بہائے۔ آگے ایک اعتراض کو بیان فرماکر اوسکا جواب فرماتے ہیں کہ

تو نگوئی مرد حق اندر نظر　　کے درآرد با خدا ذکر بشر

یعنی تم کہیں یہ نہ کہو کہ مرد حق اپنی نظر میں خدا کے ساتھ بشر کا ذکر کب لاتا ہے مطلب یہ کہ بھلا جب دقوقی مرد حق ہیں تو اونکو تلاش خدا کرنی چاہیئے تھی یہ ان آدمیوں کی تلاش میں کیوں پڑے۔ اور تلاش بھی ایسی کہ روتے روتے ایک عمر گذار دی۔ آگے جواب فرماتے ہیں کہ۔

خر ازیں میخسپد اینجا اے فلاں　　کہ بشر دیدی تو ایشاں را نہ جاں

یعنی اے فلاں گدہا اسیوجہ سے اسجگہ سوتا ہے کہ تونے اونکو صرف بشر دیکھا جان نہ دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ ترقی سے مانع یہی بات ہے اور سواری یہیں آکر سو رہتی ہے آگے نہیں چلنے دیتی۔ کہ تم اون حضرات کو صرف بشر سمجھے ارے اون کے اندر علاوہ بشریت کے اور صفات بھی تو ہیں کہ وہ اللہ والے تھے دقوقی اونکو بحیثیت اس کے کہ وہ اللہ والے تھے۔ تلاش کر رہے تھے نہ کہ اونکی بشریت کی وجہ سے اونکے متلاشی تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کار ازیں ویراں شدہ است اے مرد خام　　کہ بشر دیدی تو ایشاں را چو عام

یعنی اے مرد خام کام اسیوجہ سے ویران ہو گیا ہے کہ تونے اونکو دیگر عوام کی طرح (صرف) بشر ہی دیکھا۔

تو ہماں دیدی کہ ابلیس لعیں　　گفت من از آتشم آدم ز طیں

یعنی تونے وہی دیکھا جیسا کہ ابلیس لعین نے کہا کہ میں تو آتش سے ہوں اور آدم مٹی سے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ ابلیس نے صرف اون کا مٹی سے ہونا تو دیکھا اور اون کے دیگر کمالات نہ دیکھے۔ اسی طرح تونے ان حضرات کا بشر ہونا تو دیکھا اور اون کے دیگر کمالات پر نظر نہ کی۔

چشم ابلیسانہ را یکدم بہ بند　　چند بینی صورت آخر چند چند

یعنی اُس چشم شیطانی کو ایک دم کے لیئے بند کر لے اور صورت کو آخر کہانتک دیکھے گا۔ یعنی صرف صورت کے دیکھنے کو چھوڑ کمالات پر بھی نظر کر۔ آگے فرماتے

ہیں کہ۔

اے دقوقی با دو چشم ہمچو جو　　ہیں مبر امید وایشاں را بجو

یعنی اے دقوقی اپنی دونوں ندی جیسی آنکھوں سے اونکو تلاش کر اور امید قطع مت کر۔

ہیں بجو کہ رکن دولت جستن است　　ہر کشادے در دل اندر بستن است

یعنی ہاں تلاش کر کہ دولت کا رکن تلاش کرنا ہی ہے اور دلمیں ہر کشادگی بستہ کرنے سے ہی ہے۔ مطلب یہ کہ اولیا کی تلاش میں لگے رہو کہ یہ طلب اور تلاش ہی وہ شئے ہے کہ جو دولت باطنی کا رکن اعظم ہے اور اولیاء اللہ میں دل لگائے رکھو کہ اس دلبستگی ہی سے کشادگی دلکی حاصل ہوگی۔

از ہمہ کار جہاں پرداختہ　　کو و کو مے گو بجاں چوں فاختہ

یعنی جہان کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر جان و دل سے فاختہ کیطرح کو کو کہتا رہ۔ یعنی تلاش میں لگا رہ۔

نیک بنگر اندریں اے محتجب　　کہ دعا را بست حق بر استجب

یعنی اے محجوب ذرا اسمیں اچھی طرح غور کرلے کہ حق تعالیٰ نے دعا کو استجب پر باندھا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ واذ قال ربکم ادعونی استجب لکم تو دیکھو حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ دعا کرو تو میں قبول کروں گا لہذا چاہیئے کہ حق تعالےٰ سے دعا کرے اور تلاش اور جستجو میں لگا رہے اور فرماتے ہیں کہ۔

ہر کرا دل پاک شد از اعتدال　　آں دعایش میرود تا ذوالجلال

یعنی جس کا قلب کہ اعتدال کی وجہ سے پاک ہوتا ہے تو اس کی دعا حق تعالیٰ تک جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اول قلب کو پاک کرو اوسکے بعد دعا کرو انشاءاللہ ضرور قبول ہوگی۔ چونکہ یہاں دعا کا ذکر آیا ہے تو آگے اس گائے والے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

یاد م آمد آں حکایت کاں فقیر	روز و شب می کرد افغان و نفیر
از خدا میخواست روزے حلال	بے شکال رنج و کسب و انتقال
پیش ازیں گفتیم بعضے حال او	لیک تعویق آمد و شد پنج تو
ہم بگوئیمش کجا خواہد گریخت	چوں ز ابر فضل حق حکمت بریخت
صاحب گاوش بدید و گفت ہیں	اے بہ ظلمت گاو من گشتہ رہیں
ہیں چرا کشتی بگو گاو مرا	ابلہ طرار انصاف اندر آ
گفت من روزی ز حق میخواستم	قبلہ را از لابہ مے آراستم
سالہا بود است کار من دعا	تا کہ بفرستاد گاوے را خدا
چوں بدیدم گاو را برخاستم	روزی من بود کشتم نک جواب
آں دعائے کہنہ ام شد مستجاب	روزی من بود کشتم نک جواب

جب کہ گفتگو ذکر قبول دعا تک پہونچی تو مجھے وہ قصہ یاد آگیا کہ وہ فقیر رات دن چلاتا اور آہ و فغاں کرتا تھا اور خدا سے مشقت اور کمائی اور کہیں آنے جانے کی دقت کے بغیر حلال روزی مانگتا تھا۔ اس کا واقعہ ہم پیشتر کسیقدر بیان کر چکے ہیں مگر بعض موانع پیش آگئے اور شد بد بھی ہو گئی اس لیے اسکو پورا نہ کر سکے۔ لیکن جب کہ فضل خدا کے ابر سے حکمت کا مینہہ بس رہا ہے جو مقتضی ہے اوسکے اتمام کو اس لیے وہ بھاگ کر کہاں جاویگا ہم اوسکو پورا ہی کر کے رہیں گے وہ قصہ یہ ہے کہ اوسکو گائے کے قابض نے دیکھا تو کہا کہ ہاں رے ہاں تیرے ہی ظلم میں میری گائے

مجبوس ہوئی ہے اچھا تو یہ تو بتا کہ تو نے میری گائے کو کیوں مار ڈالا۔ اور او احمق گٹھ کٹے تو ہی انصاف کر کہ یہ کہاں تک تیرے لیئے جائز تھا اوسنے جواب دیا کہ میاں بات یہ ہے کہ میں خدا سے بے مشقت حلال روزی مانگتا تھا اور قبلہ کو الحاح وزاری سے مزین کیا کرتا تھا برسوں تک یہ دعا کرنا ہی میرا کام رہا۔ حتیٰ کہ خدا نے میرے لیئے گائے بھیجدی۔ جب میں نے گائے کو دیکھا تو میں اُس کے پکڑنے کے لیئے اٹھا کیونکہ وہ میری روزی تھی جسکو میں خدا سے مانگتا تھا۔ اور میں نے اوسکو پکڑ لیا اور چونکہ میری وہ دعا جو میں ایک عرصہ سے مانگ رہا تھا مقبول ہو چکی تھی پس میں سمجھتا تھا کہ وہ میری روزی ہے لہذا میں نے مار ڈالا۔ تو مجھ سے جواب طلب کرتا تھا لے یہ جواب ہے۔

شرح شبیری

اوس حلال روزی کو بے کسب و محنت کے طالب کی حکایت کی دوبارہ شرح اور اوسکی دعا کا مستجاب ہونا

یادم آمد آں حکایت کاں فقیر — روز و شب میکرد افغان و نفیر

یعنی مجھے وہ حکایت یاد آگئی کہ وہ فقیر دن رات فغان و نفیر کیا کرتا تھا۔

از خدا میخواست روزی حلال — بے شکار و کسب و رنج انتقال

یعنی وہ خدا سے روزی حلال بے شکار اور کمائی اور رنج انتقال کے مانگا کرتا تھا۔

پیش ازیں گفتیم بعض از حال او — لیک تعویق آمد و شد پنج تو

یعنی ہمنے اوس کا بعض حال پہلے بھی بیان کیا ہے لیکن (درمیانمیں) تعویق آگئی اور وہ ہیچ تو ہو گیا۔

ہم بگوئیمش کجا خواہد گریخت　　چوں ز ابر فضل حق حکمت بریخت

یعنی ہم اُس قصہ کو بیان کریں گے۔ بھاگ کر کہاں جاوے گا۔ جب کہ ابر فضل حق سے حکمت ریختہ ہوئی۔ مطلب یہ کہ جب اوس کے بیان میں بہت سے حکم ہیں تو ہم اوسکو ضرور بیان کریں گے۔ بھاگ کر کہاں جاوے گا بس آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

صاحب گاوش بدید و گفت ہیں　　اے بظلمت گاو من گشتہ رہیں

یعنی اوس شخص کو صاحب گاؤ نے دیکھا تو کہا کہ ارے تیرے ظلم میں میری گائے مرہون ہو گئی ہے۔

ہیں چرا کشتی بگو گاو مرا　　ابلہ طرار انصاف اندر آ

یعنی ارے بتا تو نے میری گائے کو کیوں مارا ارے بیوقوف طرار انصاف تو کر۔

گفت من روزی ز حق میخواستم　　قبلہ را از لابہ مے آراستم

یعنی اُس نے کہا کہ میں حق تعالے سے روزی مانگا کرتا تھا اور قبلہ کو تضرع وزاری سے آراستہ کیا کرتا تھا۔

سالہا بودہ است کار من دعا　　تاکہ بفرستاد گاوے را خدا

یعنی سالہا سال تک میرا کام دعا کرنا تھا یہانتک کہ خدائے تعالے نے ایک گائے بھیجی۔

چوں بدیدم گاو را برخاستم　　روزی من بود کش میخواستم

یعنی جب میں نے گائے کو دیکھا تو میں اوٹھ بیٹھا۔ اور وہ تو میری روزی تھی جس کو میں نے مانگا تھا۔

آں دعائے کہنہ ام شد مستجاب　　روزی من بود کشتم ناسجواب

یعنی وہ میری پورانی دعا مستجاب ہو گئی وہ میری روزی تھی میں نے اُسے مار لیا
بس یہ جواب ہے۔

شرح حبیبی

اوز خشم آمد گریبانش گرفت
چند مشتے زد بروئیش ناشگفت

می کشیدش تا بداؤد نبی
کہ بیا اے ظالم گیج غبی

حجت بارد رہا کن اے دغا
عقل در تن آور و با خویش آ

ایں چہ میگوئی دعا چہ بود مخند
بر سر و ریش من و خویش اے لوند

گفت من با حق دعا ہا کردہ ام
اندریں لابہ بسے خوں خوردہ ام

من یقیں دارم دعا شد مستجاب
سر بزن بر سنگ اے منکر خطاب

گفت گرد آئید ہیں اے مسلمیں
ژاژ بینید و فشار ایں لعیں

اے دغا تا چند خائی ژاژ را
حجت قاطع بگو چہ بود دعا

اے مسلماناں دعا مال مرا
چوں از آنِ او کند بہر خدا

گر چنیں بودے ہمہ عالم بدیں
یک دعا املاک بردندے بکین

گر چنیں بودے گدایان ضریر
محتشم گشتنہ بدندے و امیر

روز و شب اندر دعا اندر ثنا
لابہ گویاں کہ تو دہ مال اے خدا

تا تو ندہی ہیچکس ندہد یقیں
اے کشائندہ تو بکشا بند ایں

کسب کوراں بود لابہ و دعا
جز لب نانے نیابند از عطا

قوم گفتند ایں مسلماں راست گوست
ویں فروشندہ دعا ہا ظلم جوست

این دعا کے باشد از اسباب ملک
کے کشد این را شریعت خود بسلک

بیع و بخشش یا وصیت یا عطا
یا ز جنس این شود ملک ترا

در کدامین دفتر است شرع تو
گاو را تو باز ده یا حبس رو

اندر آ در حبس و در زندان او
ورنه گاوش را بده حجت مگو

او بسوے آسمان می کرد رو
کاے خداوند کریم لطف خو

من دعاہا کرده ام زیں آرزو
واقعه ما را که داند غیر تو

در دل من آں دعا انداختی
صد امید اندر دلم افراختی

من نمی کردم گزافه آں دعا
ہمچو یوسف دیده ام من خوابہا

دید یوسف آفتاب و اختراں
پیش او سجده کناں چوں چاکراں

اعتمادش بود بر خواب درست
در چه و زنداں جز آں را می نجست

ز اعتماد او نبودش ہیچ غم
از غلامی و ملازم بیش و کم

اعتمادے داشت او بر خواب خویش
که چو شمعے میفروزیدش ز پیش

چوں در افگندند یوسف را بچاه
بانگ آمد سمع او را از اله

که تو روزے شه شوی اے پہلواں
تا بمالی ایں جفا بر روے شاں

قائل ایں بانگ ناید در نظر
لیک دل بشناخت قائل ز اثر

قوتے و راحتے و مسندے
در میان جاں فتادش از ندے

چاه شد بر وے بداں بانگ جلیل
گلشن و بزمے چو آتش بر خلیل

ہر جفا که بعد ازانش میرسید
او بداں قوت بشادی می کشید

ہمچنانکه ذوق آں بانگ الست
در دل ہر مومنے تا حشر ہست

تا نباشد در بلاشاں اعتراض — نے ز امر و نہی حق شاں انقباض

لقمۂ تلخے چو شکر مے شود — خار ریحاں سنگ گوہر می شود

لقمۂ حکمے کہ تلخی می نہد — گلشکر آنرا گوارش می دہد

گلشکر آنرا کہ نبود مستند — لقمہ را ز انکار او قے میکند

ہر کہ خوابے دید از روز الست — مست باشد در رہ طاعات مست

مے کشد چوں اشتر مست ایں جوال — بے فتور و بے گمان و بے ملال

کفک تصدیقش بگرد پوز او — شد گواہِ مستیٔ دلسوز او

اشتر از قوت چو شیر نر شدہ — زیر ثقل بار اندک خور شدہ

ز آرزوے ناقہ صد فاقہ برو — مینماید کوہ پیشش تار مو

در الست آنکو چنیں خوابے ندید — اندریں دنیا نشد بندہ مرید

ور بشد اندر تردد صد دلہ — یکزماں شکر ستش و سالے گلہ

پائے پیش و پائے پس در راہ دیں — می نہد با صد تردد بے یقیں

وام دار شرح اینم نک گرو — ور شتابست از الم نشرح شنو

چوں ندارد شرح ایں معنے کراں — خر بسوے مدعی گاؤ راں

گفت کورم خواند زیں جرم آں دغا — پس بلبیانہ قیاس است اے خدا

من دعا کورانہ کے میکردہ ام — جز بخالق گریہ کے آوردہ ام

کور از خلقاں طمع دارد ز جہل — من ز تو کز تست ہر دشوار سہل

آں یکے کورم ز کوراں بشمرید — او نیاز جان و اخلاصم ندید

کوری عشقست ایں کوری من — حب یعمی و یصم ست اے حسن

کورم از غیر خدا بینا بدو
توکہ بینائی ز کورانم مدار
آنچنانکہ یوسف صدیق را
مر مرا لطفت تو ہم خوابے نمود
می نداند خلق اسرار مرا
حق نہانست وکہ داند راز غیب
خصم گفتش رومن کن حق بگو
شید می آری غلط مے افگنی
باکدامی روئے چوں دل مردۂ
غلغلے در شہر افتادہ ازیں
کائے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
تو ہمی دانی و شبہائے دراز
پیش خلق ایں را اگر خود قدر نیست
گاؤ می خواہند از من اے خدا

مقتضائے عشق ایں باشد نکو
دائر بر گرد نقطہ ایں مدار
خواب بنمودی و گشتش متکا
آں دعائے بیحدم بازی نبود
ژاژ می دانند گفتار مرا
غیر علام سر و ستار عیب
رو چہ سوئے آسماں کردی عمو
لاف عشق و لاف قربت میزنی
روئے سوئے آسمانہا کردۂ
آں مسلماناں می نہد رو بر زمیں
گر بدم من سر من پیدا مکن
من ہمی خواندم ترا با صد نیاز
پیش تو ہمچوں چراغ روشنی است
چوں فرستادی نکردم من خطا

یہ جواب سنکر وہ شخص غصہ میں اوس کی طرف بڑھا۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر بلتیا بانہ چند گھونسے اُس کے منہ پر مارے اور یہ کہکر اُسکو کھینچنے لگا کہ او ظالم احمق اور کودن تو داؤد علیہ السلام کے پاس چل۔ اور کہا کہ تو حواس درست کر ہوشمیں آ اور معاملہ کی بات پر لغو دلیلیں چھوڑ تو یہ کیا کہہ رہا ہے کہ میں نے دعا کی تھی۔ بھلا اس معاملہ میں دعا کو دخل کیا۔ نہ تو مجھ سے مسخرا بن کر اور نہ خود اپنے سے۔ اوسکی

پھر یہی جواب دیا کہ جناب میں نے بہت سی دعائیں خدا سے کی ہیں اور اس معاملہ میں میں نے بہت خون جگر کھایا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوئیں اور حق سبحانہ نے مجھے حلال روزی دی تو نہیں مانتا تو اپنا سر پھوڑ لے جب اس نے دوبارہ بھی یہی جواب سنا تو کہا کہ مسلمانوں ذرا یہاں آؤ اور اس ملعون کی بیہودہ بکواس اور لغویت دیکھو۔ ارے دغا باز یہ بکواس کب تک۔ تو اسے چھوڑ اور کوئی معقول وجہ بیان کر تو سمجھ تو سہی کہ تحلیل ملک غیر میں دعا کو کیا دخل۔ ارے مسلمانوں خدا کے لیے انصاف کرو۔ کہ دعا میرے مال کو اس کی ملک کیونکر کر سکتی ہے۔ اگر یہ بھی کوئی طریقہ تملک کا ہوتا تو تمام لوگ آپس میں ایک دوسرے کی ملک کو دعا سے اپنی ملک بنا لیا کرتے۔ نیز اگر ایسا ہوتا تو یہ اندھے بھکاری دولتمند اور امیر ہو جاتے۔ کیونکہ وہ رات دن دعا و ثنا میں مصروف ہیں اور بالحاح وزاری کہتے ہیں کہ اے اللہ تو ہمیں مال دیدے جب تک تو نہ دے گا یقیناً کوئی نہیں دے سکتا۔ اے بندشوں کے کھولنے والے تو ہی اس بندش کو کھول۔ اور کہیں سے مال دے۔ انکی تو رات دن یہی دعا ہی کمائی ہے اسکے سوا اور کچھ وہ کرتے ہی نہیں۔ مگر باانہمہ انکو صرف روٹی کا ایک ٹکڑا ملتا ہے اور تجھکو گائے ملگئی۔ وہ بھی اس طرح کہ مالک کو خبر بھی نہیں۔ یہ مدعی کی تقریر سنکر لوگوں نے کہا کہ واقعی یہ مسلمان سچ کہتا ہے اور یہ جو بہت دعائیں گا رہا ہے اسپر ظلم کرنا چاہتا ہے۔ واقعی بات یہ ہے کہ دعا ملک کا سبب کیسے ہو سکتی ہے اور اس قانون کو شریعت اپنے اندر کیسے شامل کر سکتی ہے آدمی کی جو کوئی شے مملوک ہوتی ہے تو یا بیع سے یا تصدق سے یا وصیت سے یا ہبہ سے یا اسی قسم کے کسی اور سبب سے۔ یہ مسئلہ کسی کتاب میں ہے کہ دعا سے بھی کوئی شے ملک ہو سکتی ہے۔ پس دو صورتیں ہیں یا تو گائے واپس دو۔ یا جیلخانہ جانا منظور کرو۔ اگر گائے نہیں دیتے تو جیلخانہ میں جاؤ۔ اور جیلخانہ جانا منظور نہیں تو گائے دو۔ فضول باتیں مت کرو۔ لوگ یہ کہہ رہے تھے اور وہ آسمان کی طرف

رخ کرکے یہ کہہ رہا تھا کہ اے مالک اے کریم اے رحیم آپ جانتے ہیں کہ میں نے رزق حلال کے لیئے بہت دعائیں کی ہیں اس واقعہ کو کما حقہ آپ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ وہ دعائیں آپ ہی نے میرے دلمیں ڈالی تھیں اور آپ ہی نے میرے دلمیں بہت سی امیدیں پیدا کی تھیں اور میں نے وہ دعائیں خواہ مخواہ نہ کی تھیں بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح بہت سے خواب اپنی کامیابی کے دیکھے تھے تب کی تھیں۔ اب مولانا واقعہ یوسف علیہ السلام کی تفصیل فرماتے ہیں اور اوسکے متعلق مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے آفتاب اور گیارہ ستاروں کو دیکھا تھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں اور انکو اپنی اس صحیح خواب پر ایسا کامل اعتماد تھا کہ قید خانہ میں بھی وہی خواب اونکے پیش نظر تھا اور اس اعتماد کے سبب نہ اونکو اپنی غلامی کا رنج تھا نہ کم و بیش ملامت کا۔ غرضکہ اونکو اپنے اس خواب پر جو اونکے سامنے شمع کی طرح روشن تھا کامل اعتماد تھا۔ یہ تو اس واقعہ کی تفصیل تھی جس کا اس فقیر نے اپنی دعامیں حوالہ دیا تھا اب اونکے اعتماد کا ایک دوسرا واقعہ سنو جو اسی کے ملحقات میں سے ہے۔ جبکہ اونکو کنوئیں میں ڈالا گیا تھا تو حق سبحانہ کی طرف سے اون کے کان میں ایک آواز آئی کہ تم ایک روز بادشاہ ہو جاؤ گے تاکہ تم بھائیوں کی اس زیادتی کو جتلا کر ان کو شرمندہ کر سکو گو یہ آواز دینے والا اونکو نظر نہ آتا تھا مگر وہ اس کے منجانب اللہ ہونے کو اوسکے اثر سے جانتے تھے۔ کیونکہ اس آواز سے ان کے دل میں ایک خاص قوت اور سکون اور اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس آواز کے باعث وہ کنواں ان کے لیئے اسقدر راحت دہ ہو گیا تھا جیسے کوئی باغ یا کوئی خوشی کی محفل جسطرح کہ ان کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کے لیئے آگ گلزار ہو گئی تھی اور اوسکا یہ نتیجہ تھا کہ جو تکلیف انکو بعد کو پیش آتی وہ تکلیف اوس قوت کے سبب مفضے الی السرور ہو جاتی حضرت یوسف علیہ السلام کے دلمیں اوس آواز کی یوں ہی لذت تھی اور وہ لذت اون کے لیئے آلام کو یوں ہی ہلکا کر دیتی تھی جس طرح کہ آواز الست بربکم کی لذت

حشر تک ہر مومن کے دل میں رہے گی۔ جسکا یہ نتیجہ ہے کہ نہ اونکو مصیبتوں میں حق سبحانہ سے کوئی شکایت ہوتی ہے اور نہ اوامر و نواہی سے اُنکی طبیعت میں انقباض ہوتا ہے اس کے سبب کڑوا لقمہ اون کے لیئے شیریں اور خار ریحاں اور پتھر موتی ہو جاتا ہے اور جو لقمہ رحکم کہ مومن کی طبیعت میں تلخی اور بدمزگی پیدا کرتا ہے جس کے سبب وہ اُسکو اوگلنا چاہتا ہے تو فوراً وہ ندائے الست کی گلقند اوسکو خوشگوار بنا دیتی ہے۔ برخلاف اس کے جس کا اس گلقند پر اعتماد نہیں یعنی یہ گلقند اوس کو حاصل نہیں وہ اوسکا انکار کر کے اوسکو اوگل دیتا ہے۔ اور جو شخص روز الست کا خواب دیکھتا ہے یعنی اوسکو معرفت حق سبحانہ حاصل ہو گئی ہے وہ تو راہ طاعات میں مست ہوتا ہے اور مست اونٹ کی طرح اس بوجھ کو کھینچتا ہے۔ نہ اُسکو کچھ شک و شبہ ہوتا ہے نہ وہ اُکتاتا ہے اور نہ سستی کرتا ہے۔ اور تصدیق لسانی کے جھاگ جو اس کے منہ پر ہیں اوسکی باطنی دل سوز مستی کا ثبوت ہوتے ہیں۔ یعنی وہ زبان سے بھی اونکی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اور یہ دلیل ہے اوسکی باطنی مستی کی۔ ہمنے اوپر کہا تھا کہ وہ مست اونٹ کی طرح اس بوجھ کو کھینچتا ہے اب سنو کہ اونٹ کی مستی میں کیا حالت ہوتی ہے۔ وہ قوت میں ایک شیر نر ہو جاتا ہے بھاری بوجھ کے نیچے رہکر کھانے کی بھی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ وہ اونٹنی کی آرزو میں سیکڑوں فاقہ برداشت کرتا ہے۔ اور اوس کی قوت کی یہ حالت ہوتی کہ پہاڑ کے برابر مشکلات کو بھی بال کی مانند حقیر سمجھتا ہے جب معلوم ہو گیا تو اب اس تشبیہ کی حقیقت بھی واضح ہو گئی۔ یہ حالت تو اوسکی تھی جس نے یہ خواب دیکھا تھا۔ اب اوسکی حالت سنو جس نے یہ خواب نہیں دیکھا۔ ایسا شخص دنیا میں عبد اور منقاد نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی گیا تو متردد ہوتا ہے اور سیکڑوں طرح کے خیالات آتے ہیں اگر تھوڑی دیر شکر کرتا ہے تو سال بھر شکایت کرتا ہے۔ راہ میں کبھی پاؤں آگے رکھتا ہے کبھی پیچھے غرضکہ اوسکو یقین حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ متردد رہتا ہے یہ مضمون میں تمہارے پاس رہن رکھتا ہوں اور اس کی شرح کا میں قرض دار ہوں۔ جب

خدا کرے گا ادا کردونگا - اور اگر تم کو بہت جلدی ہے تو میں ایک ساہوکار بتائے دیتا ہوں - اوس سے وصول کرلو - وہ ساہوکار الم نشرح ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے شرح صدر ہماری بوجھوں کو ہلکا کردینے والا بلکہ اونکو اوتار کر الگ رکھنے والا ہے چونکہ تفصیل اس کی بیحد ہے اس لیئے اسکو ختم کرنا چاہیئے اور مدعی گاؤ کی طرف رخ کرنا چاہیئے - ہاں تو وہ شخص حق سبحانہ سے دعا کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ یہ دغاباز مدعی مجھکو اس جرم میں اندھا بناتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ قیاس اوسکا ویسا ہی ہے جیسا شیطان نے کہا تھا کیونکہ میں نے بھیک مانگنے والوں کی طرح اندھے پن سے دعا نہیں کی تھی اور خدا کے سوا کسی سے بھیک نہیں مانگی اندھا بھکاری تو اپنی جہالت سے لوگوں سے طمع رکھتا ہے اور میں تجھ سے کیونکہ ہر مشکل کے آسان کرنے والے آپ ہی ہیں - اس اندھے نے مجھے بھی اندھوں میں شمار کرلیا - اور میری عاجزی اور اخلاص کو نہ دیکھا - مانا کہ میں اندھا ہوں مگر میرا اندھاپن ویسا نہیں ہے جیسا وہ سمجھتا ہے بلکہ وہ اندھاپن ایسا ہے جیسا کہ عشق الٰہی میں ہوتا ہے کیونکہ محبت کا قاعدہ ہے کہ وہ غیر محبوب سے اندھا بہرا کردیتی ہے پس میں غیر خدا سے اندھا ہوں اور خدا کے لحاظ سے بینا اور یہ مقتضائے عشق نہایت ہی اچھا ہے نہ کہ مذموم جیسا کہ وہ احمق سمجھتا ہے اے اللہ وہ تو اندھا ہے اس لیئے مجھے اندھا کہتا ہے اور تو میری حالت کو دیکھتا ہے تو مجھے اندھوں میں داخل نکرنا - پس میں تو اسی دائرہ کے مرکز کے گرد گھومتا ہوں یعنی میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے برا نہ سمجھیں جسطرح آپ نے یوسف علیہ السلام کو خواب دکھلایا تھا اور اسپر اونکو اعتماد ہوگیا تھا - یوں ہی آپ نے اپنی عنایت سے مجھے بھی خواب دکھلایا تھا اور اوسکی بنا پر یہ میری دعائیں تھیں لہذا یہ دعائیں کھیل نہ تھیں لوگونکو میرے اسرار معلوم نہیں اسلیئے وہ میرے بیان کو بکواس سمجھتے ہیں - اس معاملہ میں حق پوشیدہ ہی اور غیب کا راز سوائے آپکے کہ آپ عالم الغیب اور ستار عیب ہیں اور کوئی نہیں جانتا -

اسپر مدعی نے کہا کہ آسمان کی طرف کیا منہ کرتا ہے میری طرف دیکھ اور حق بات کہہ تو دھوکھا کرتا ہے اور غلطی میں ڈالنا چاہتا ہے کہ عشق بازی اور تقرب حق کی شیخی مارتا ہے جب غذائے حرام سے تیرا دل مردہ ہے تو کیا منہ لیکر تو آسمان کی طرف منہ کرتا ہے۔ یہ واقعہ تمام شہر میں مشہور ہو گیا۔ مگر اس فقیر کی یہی حالت تھی کہ وہ سجدے میں پڑ کر حق سبحانہ سے دعائیں کرتا اور کہتا تھا کہ اے اللہ اپنے اس ناچیز بندے کو رسوا نہ کرنا اگر میں برا بھی ہوں تب بھی میرا راز ظاہر نہ کرنا۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں تجھ سے نہایت خشوع وخضوع سے دعائیں مانگتا تھا اور اگر مخلوق کو میری دعا کی قدر نہیں تو تیرے نزدیک تو یہ امر مثل روشن چراغ کے ظاہر ہے۔ یہ لوگ مجھ سے گائے مانگتے ہیں لیکن جبکہ وہ آپکی بھیجی ہوئی تھی تو اُس کے ذبح کرنے میں میرا کوئی قصور نہیں لہذا یہ لوگ مجھ پر خواہ مخواہ ظلم کرتے ہیں۔

شرح شبیری

فریقین کا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے پاس جانا

اوز خشم آمد گریبانش گرفت چند مشتے زد بر ویش ناشگفت

یعنی صاحب گائے غصہ میں آگیا اور اُسکا گریبان پکڑ کر اُس کے منہ پر بیصبر ہو کر چند گھونسے مارے۔

می کشیدش تا بداؤد نبے کہ بیا اے ظالم گیج غبے

یعنی اُسکو داؤد نبی تک کھینچ رہا تھا کہ اے ظالم دیوانہ غبی آ۔ یعنی اُسکو کھینچتا ہوا داؤدؑ کے پاس لیچلا۔

حجت باردر ہا کن اے دغا عقل در تن آور و با خویش آ

یعنی حجت افسردہ کو ترک کر اے دغاباز عقل کو بدن میں لا اور خودی میں آ۔

این چہ میگوئی دعا چہ بد مخند بر سر و ریش من و خویش اے لوند
یعنی تو یہ کہتا ہے دعا کیا ہوتی ہے میرے اور اپنے سر و ریش پر اے رند ہنس مت مطلب یہ کہ میری اور اپنی ہنسی مت کرا۔

گفت من با حق دعاہا کردہ ام اندریں لا بہ بسے خوں خوردہ ام
یعنی اُس نے کہا کہ میں نے تو خدا کے تعالے سے دعائیں کی ہیں اور اس تضرع میں بہت خون پیا ہے۔

من یقیں دارم دعا شد مستجاب سر بزن بر سنگ اے منکر خطاب
یعنی میں یقیں رکھتا ہوں کہ (میری) دعا مستجاب ہو گئی اور اے منکر کلام تو (اپنا) سر پتھر پر مار۔

گفت گرد آئید ہیں اے مسلمیں ژاژ بیند و فشار ایں مہیں
یعنی وہ (گائے والا) بولا کہ اے مسلمانوں جمع ہو جاؤ اور اس ذلیل کی بیہودگی اور فشار دیکھو۔ (اور بولا کہ)

اے دغا تا چند خائی ژاژ را حجت قاطع بگو چہ بود دعا
یعنی اے دغاباز کب تک بیہودہ باتیں کرے گا کوئی حجت قاطع لا دعا کیا ہوتی ہے (اور بولا کہ)

اے مسلمانان دعا مال مرا چو ازاں او کند بہر خدا
یعنی اے مسلمانوں میرے مال کو دعا اوسکی ملک سے کسطرح کر دے گی خدا کے واسطے (بتاؤ تو)

گر چنیں بودے ہمہ عالم بدیں یک دعا املاک بردندے بکیں
یعنی اگر ایسا ہی ہوا کرتا تو سارے عالم میں ایک دعا سے تمام املاک کو کینہ سے لیجایا کرتا۔

گر چنیں بودے گدایان ضریر محتشم گشتہ بدندے و امیر
یعنی اگر ایسا ہوتا تو اندھے فقیر محتشم ہو جاتے اور امیر ہو جاتے داسلیئے کہ

روز و شب اندر دعا اندو ثنا   لابہ گویان کہ تو ماں دہ اے خدا

یعنی رات دن دعا اور ثنا میں تضرع کرنے والے ہیں کہ اے خدا تو ہم کو دے (اور کہتے ہیں کہ)

تا تو ندہی ہیچکس ندہد یقین   اے کشائندہ تو بکشا بند ایں

یعنی جب تک تو نہ دے گا یقیناً کوئی نہ دے گا۔ اے کھولنے والے تو ہی اس بند کو کھول۔

مکسب راں بود لابہ دعا   جز لب تانے نیابند از عطا

یعنی اندھوں کی کمائی تو تضرع و دعا ہی ہے اور بجز ایک ٹکڑہ روٹی کے وہ عطا میں سے کچھ نہیں پاتے مطلب یہ کہ دیکھو اور اندھے جو دعا کرتے ہیں تو اونکو بجز اس کے کہ ایک ٹکڑہ روٹی کا ملجاوے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ یہ کہاں نکلا ہے کہ اوسکو دعا سے گائے ملگئی۔

خلق گفتند ایں مسلماں راست گواست   دیں فروشندہ دعا با ظلم جواست

یعنی لوگ بولے کہ یہ مسلمان سچا ہے اور یہ دعا کا بیچنے والا ظلم کا تلاش کرنے والا ہے۔

ایں دعا کے باشد از اسباب ملک   کے کشد ایں را شریعت خود بسلک

یعنی یہ دعا اسباب ملک سے کب ہو سکتی ہے۔ اور اسکو شریعت اپنی لڑی میں کب کھینچ سکتی ہے مطلب یہ کہ شریعت میں مالک ہونے کا طریقہ دعا کرنا کوئی نہیں ہے۔ بلکہ

بیع و بخشش یا وصیت یا عطا   یا ز جنس ایں شود ملکے ترا

یعنی بیع یا ہبہ یا وصیت یا عطا یا اس کی جنس سے کوئی اور ملک تمہارے سے لیئے ہو۔

در کدامیں دفتر است ایں شرع تو   گاو را تو باز دہ یا حبس رد

یعنی تیری یہ شرع کونسے دفتر میں ہے تو گائے کو یا تو واپس دے یا قید میں

جا۔ (اور بولے کہ)

اندر آ در حبس و در زندانِ او ورنہ گاوش رابدہ حجت مگو

یعنی حبس و زندان میں آ ورنہ گائے اوسکی دے اور حجت مت کر (جب اُسنے دیکھا کہ دنیا میں کوئی میری بات کو نہیں سنتا تو اس نے اللہ میاں سے کہنا شروع کیا)

اوبسوئے آسماں می کرد رو کاے خداوند کریم لطف خو

یعنی اُس نے آسمان کی طرف منہ کیا کہ اے خداوند کریم لطف خو!

من دعاہا کردہ ام زیں آرزو واقعۂ مارا ندا ند غیر تو

یعنی میں نے اس آرزو میں بہت سی دعائیں کی ہیں اور ہمارے واقعہ کو سوائے آپ کے کوئی نہیں جانتا۔

در دل من آں دعا انداختے صد امید اندر دلم افراختے

یعنی میرے دل میں آپ نے ہی وہ دعا ڈالی۔ اور میرے دل میں سو امیدیں آپ نے بلند کیں

من نمی کردم گزافہ آں دعا ہمچو یوسف دیدہ ام بس خوابہا

یعنی میں نے وہ دعا فضول نہ کی تھی۔ مثل یوسف کے میں نے بہت سے خواب دیکھے ہیں۔ مطلب یہ کہ جسطرح کہ یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا اور اُس کی تعبیر سچی ہوئی اسی طرح مجھے بھی یقین ہے کہ میری ان دعاؤں کا اثر بھی یقیناً صحیح ہوگا۔

دید یوسف آفتاب و اختراں پیش او سجدہ کناں چوں چاکراں

یعنی یوسفؑ نے آفتاب اور ستاروں کو اپنے سامنے نوکروں کی طرح سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

اعتمادش بود بر خواب درست در چہ و زندان جز آں را می نجست

یعنی اونکو اپنی خواب پر اعتماد تھا تو کنویں اور زنداں میں سوائے اوسکے (اور کسیکو) تلاش نہ کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ اونکو اسقدر اعتماد تھا کہ کنویں میں گر کر اور زنداں میں رہکر اونکو یہی امید تھی کہ وہ خواب ضرور صحیح ہوگا۔

زاعتماد آں نبودش ہیچ غم　　　　از غلامی واز ملام بیش وکم

یعنی اوس کے اعتماد کی وجہ سے اونکو غلامی اور بیش وکم ملامت سے کوئی غم نہ تھا۔

اعتمادے داشت او بر خواب خویش　　　　کہ چو شمعے میفروزید ش از پیش

یعنی وہ اپنے خواب پر ایسا اعتماد رکھتے تھے کہ وہ شمع کی طرح اون کے آگے جلا کرتی تھی۔

چوں در انگندند یوسف را بچاہ　　　　بانگ آمد سمع او را از الہ

یعنی جب یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں ڈالا تو اُن کے کان میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے آواز آتی تھی۔

کہ تو روزے شہ شوی اے پہلوا　　　　تا بمالی ایں جفا بر روئے شاں

یعنی کہ اے پہلوان تم ایک دن بادشاہ ہوگے یہاں تک کہ اس جفا کو اون کے منہ پر ملوگے۔ یعنی تم اونپر اس امر کو ظاہر کروگے اور اونکو شرمندہ کروگے۔

قائل ایں بانگ نامد در نظر　　　　لیک دل بشناخت قائل را اثر

یعنی اس آواز کا قائل دیکھنے میں نہ آیا لیکن دل نے قائل کا اثر پہچان لیا۔

قوتے و راحتے و مسندے　　　　در میان جاں فتادش زاں ندے

یعنی ایک قوت اور ایک راحت اور ایک مسند اوس آواز سے اونکی جان میں پڑ گیا۔

چاہ شد بر وے بداں بانگ جلیل　　　　گلشن و بزمے چو آتش بر خلیل

یعنی اوس آواز جلیل کی وجہ سے کنواں اونپر گلشن و بزم ہوگیا جیسے کہ آتش حضرت خلیلؑ پر۔

ہر جفا کہ بعد از انش میرسید　　　　او بداں قوت بشادی میکشید

یعنی اوس کے بعد اونپر جو جفا پہونچتی تھی وہ اوسکو اوس قوت کیوجہ سے خوشی سے کھینچتے تھے۔

ہمچنانکہ ذوق آں بانگ الست　　　　در دل ہر مومنے تا حشر ہست

یعنی جیسا کہ لوس بانگ الست کا ذوق حشر تک ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

تا نباشد در بلاشاں اعتراض ۔۔۔ نے ز امر و نہی حق شاں انقباض

یعنی یہاں تک کہ بلا میں اونکو اعتراض نہیں رہتا۔ اور امر و نہی حق سے اونکو انقباض نہیں رہتا۔

لقمۂ تلخے چو شکر مے شود ۔۔۔ خار ریحاں سنگ گوہر میشود

یعنی لقمۂ تلخ مثل شکر کے ہو جاتا ہے اور خار ریحاں اور سنگ گوہر ہو جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اوس خواب پر اعتماد تھا اسی طرح مومنین کاملین کو اوس روز الست کے عہد پر اعتماد ہے اور اوس خطاب کا ایک لطف اون کے دل کے اندر موجود ہے اوس ذوق کی وجہ سے تمام مصائب اونکو شیریں معلوم ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

لقمۂ حکمے کہ تلخی مے نہد ۔۔۔ گلشکر آنرا گوارش می دہد

یعنی جس حکم کا لقمہ کہ تلخی رکھتا ہے گلشکر اوس کو گوارش دیتا ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی حکم اونکو بظاہر تلخ معلوم ہوتا ہے تو وہ گلشکر اوس خطاب کا اوسکو لذیذ اور گوارا کر دیتا ہے جیسا کہ مثلاً کڑوی دوا کو گلقند ملا کر کھلاویں تو لذیذ ہو جاتی ہے اسی طرح وہ حکم جو بظاہر تلخ تھا اس رضا کے گلقند میں ملا کر شیریں اور لذیذ اور گوارا ہو جاتا ہے۔

گلشکر آنرا کہ نبود مستند ۔۔۔ لقمہ را از انکار او قے میکند

یعنی جس شخص کا سہارا گلشکر نہ ہو وہ لقمہ کو انکار کی وجہ سے قے کر دیتا ہے لقمہ سے مراد احکام ہیں یعنی جسکو مرتبہ رضا حاصل نہ ہو وہ اُن احکام کو بجا نہیں لا سکتا

ہر کہ خوابے دید از روز الست ۔۔۔ مست باشد در رہ طاعات مست

یعنی جو کوئی روز الست میں خواب دیکھتا ہے تو وہ راہ طاعات میں مست ہوتا ہے۔

می کشد چوں اشتر مست ایں جوال ۔۔۔ بے فتور و بے گمان و بے ملال

یعنی مست اونٹ کی طرح اس جوان (احکام) کو بے فتور اور بے شبہ اور

بے ملال کے کھینچتا ہے۔

کفک تصدیقش بگرد پوز او　　　　شد گواہ مستئے دلسوز او

یعنی اوسکی تصدیق کے جھاگ اوس کے منہ کے گرد اوسکی مستی دلسوز گے گواہ ہیں۔ کفک سے مراد کلام۔ مطلب یہ کہ اوسکا کلام بتارہا ہے کہ اسمیں کوٹ کوٹ کر مستی بھری ہوئی ہے اس لیئے کہ اوس کے کلام میں ایک سوزش ہوتی ہے۔

اشتر از قوت چو شیر نر شدہ　　　　زیر ثقل بار اندک خور شدہ

یعنی شتر (مستی کی وجہ سے) قوت میں شیر نر ہو گیا ہے اور بوجھ کے ثقل کے نیچے تھوڑی خوراک والا ہو گیا ہے مطلب یہ کہ اسقدر مست ہے کہ بھوک بھی اوسکو پوری طرح نہیں لگتی اور یہ قاعدہ ہے کہ جب مستی سوار ہوتی ہے تو بھوک وغیرہ سب غائب ہو جاتی ہے۔

ز آرزوئے ناقہ صد فاقہ برو　　　　مینماید کوہ پیشش تار مو

یعنی ناقہ کی آرزو میں اوپر سو فاقہ ہیں اور اوس کے آگے پہاڑ تار مو کی برابر معلوم ہوتا ہے۔

دار الست آنکو چنیں خوابے ندید　　　　اندریں دنیا نشد بندہ و مرید

یعنی الست میں جس نے ایسا خواب نہ دیکھا وہ اس دنیا میں بندہ و مرید (حق) نہوا۔

ور بشد اندر تردد صد دلہ　　　　یک زماں شکر ستش و سالے گلہ

یعنی اور اگر ہو گیا تو تردد میں صد دلہ ہوتا ہے اوسکو ایک زمانہ شکر ہے تو ایک سال تک گلہ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ایسا شخص بندہ و مرید ہو بھی گیا تو ایک طرف نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ تردد میں رہتا ہے کبھی شاکر و صابر ہوتا ہے کبھی کافر نعمت ہوتا ہے۔

پائے پیش و پائے پس در راہ دیں　　　　می نہد با صد تردد بے یقیں

یعنی راہ دین میں ایک پاؤں آگے ایک پیچھے سو تردد اور بلا یقین کے رکھتا ہے غرضکہ اوس کو دین کی باتوں پر یقین نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ تردد ہی میں رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دام دار شرح اینم تنگ گرد　　　ور شتابست از الم نشرح شنو

یعنی ہم اوس کی شرح کرنے کے قرضدار رہے اور یہ گرو ہے اور اگر جلدی ہے تو الم نشرح سے سن لو مطلب یہ کہ ہم اسکی شرح کو پھر بیان کریں گے ابھی اسکو نہیں تک رکھتے ہیں اور اگر تمہیں اسکی جلدی ہے اور تم قرض کرنا نہیں چاہتے تو الم نشرح سن لو کہ اوسمیں ہے کہ الم نشرح لك صدرك ووضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك یعنی کیا ہم نے آپکی سینہ کو نہیں کھولا اور آپ سے اوس بوجھ کو جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی الگ نہیں کر دیا۔ تو دیکھو شرح صدر کے بعد بوجھ سے ہلکا ہونا فرمایا ہے اسی طرح جب اوس خواب روز الست کیوجہ سی شرح صدر ہو جاوے گا تو ان احکام کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاوے گا اب آگے چاہے بیان کریں گے یا نہ کریں گے۔ کچھ تو یہاں بھی بیان کر دیا آگے فرماتے ہیں کہ

چوں ندارد شرح ایں معنی کراں　　　جز بسوے مدعے گاوراں

یعنی جب کہ اس معنی کی شرح کنارہ نہیں رکھتی تو گدھے کو اوس مدعی گاو کیطرف چلاؤ یعنی اوسکا قصہ بیان کرو۔ اب آگے اوس دعا کرنے والے کی دعا جو اوپر اوس نے حق تعالے سے شروع کی تھی بیان فرماتے ہیں کہ۔

گفت کورم خواند زیں جرم آں دغا　　　پس بلیسانہ قیاس ست اے خدا

یعنی اوس دعا کرنے والے نے کہا کہ اے خدا اس دغا باز نے مجھے اس جرم کی وجہ سے اندھا کہا ہے تو یہ قیاس تو ابلیسانہ ہے۔ مطلب یہ کہ اسنے اندھوں کی دعا سے میری دعا کو مشابہ کیا ہے تو گویا کہ مجھے اندھا کہا تو یہ قیاس تو ابلیسانہ ہے کہ جیسے اوس نے آدم علیہ السلام کی صرف صورت کو دیکھا اور ان کے کمالات پر نظر نہ کی اسی طرح اس شخص نے بھی میری دعا کو اونکی دعا کی طرح کہدیا۔ اور اوسمیں اور اسمیں کچھ فرق نہ کیا۔

من دعا کورانہ کے می کردہ ام　　　جز بخالق گریہ کے آوردہ ام

یعنی میں نے اندھوں کی طرح دعا کب کی ہے اور بجز خالق کے حاجت کسی اور

کے پاس) کب لایا ہوں مطلب یہ کہ اور فقرا تو اپنی حاجت کو مخلوق کے آگے پیش کرتے ہیں اور میں نے تو بجز حق تعالےٰ کے کسی اور سے کہا ہی نہیں ہے پھر میں ان اندھوں کی طرح کہاں ہوں۔

کور از خلقاں طمع دارد ز جہل　　　　من ز تو کز تست ہر دشوار سہل

یعنی اندھا تو مخلوق سے جہل کی وجہ سے طمع رکھتا ہے اور میں آپ سے کہ آپ سے تمام دشوار سہل ہیں۔ یعنی اس دعا کرنے والے نے حق تعالےٰ سے عرض کیا کہ اندھے تو مخلوق سے احتیاج پیش کرتے ہیں مگر میں تو آپ ہی سے عرض کرتا ہوں پھر میں ان جیسا کہاں ہوا۔

آں یکے کورم ز کوراں بشمرید　　　　او نیاز جان و اخلاصم ندید

یعنی اُس ایک اندھے نے مجھے اندھوں میں سے گن لیا اور اس نے میرا نیاز جان اور اخلاص نہ دیکھا۔

کوری عشقست ایں کوری من　　　　حب یعمی و یصم است اے حسن

یعنی یہ میری کوری کوری عشق ہے اور اے حسن محبت اندھا بہرا بنا دیتی ہے مطلب یہ کہ میں عاشق حق ہوں اس لیئے محبت نے بیشک مجھے اندھا بہرا بنا دیا ہے باقی ان اندھوں میں سے میں نہیں ہوں۔

کورم از غیر حق بینا بدو　　　　مقتضائے عشق ایں باشد بگو

یعنی میں غیر حق سے تو کور ہوں اور حق تعالےٰ کا بینا ہوں۔ اور کہدو کہ مقتضائے عشق یہی ہوتا ہے۔

تو کہ بینائی ز کورانم مدار　　　　دائرم بر گرد لطفت اے مدار

یعنی (اے اللہ) آپ بینا ہیں تو مجھے اندھوں میں سے مت رکھیئے۔ اور اے مدار میں تو آپ کے لطف کے گرد دائرہ ہوں۔ مطلب یہ کہ میں تو آپ ہی کے لطف کا محتاج ہوں تو مجھے اندھا نہ بنایئے سبحان اللہ دیکھئے اس شخص کو حق تعالےٰ پر کیا ناز اور کیا بھروسہ تھا کہ کسی طرح جانب مخالف کا شبہ ہی نہ ہوتا تھا۔ آگے

عرض کرتا ہے کہ۔

آنچنانکہ یوسف صدیق را — خواب بنمودی وگشتش متکا

یعنی جیسا کہ یوسف صدیق کو آپ نے ایک خواب دکھا دیا تھا اور وہ ان کے لیے تکیہ گاہ بنگیا تھا (اور انکو اس کے سچے ہونے کا پورا یقین تھا)۔

مر مرا ہم لطف تو خوابے نمود — آں دعائے بیحدم بازی نبود

یعنی مجھکو بھی آپ کے لطف نے ایک خواب دکھا دیا ہے اور وہ میری دعا بیحد کوئی کھیل نہ تھا۔

می نداند خلق اسرار مرا — ژاژ مے دانند گفتار مرا

یعنی لوگ میرے اسرار کو جانتے نہیں ہیں اور میری باتوں کو بیہودہ جانتے ہیں (اب آگے لوگوں کا معذور ہونے کو بیان کرتے ہیں کہ)

حق شانست وکہ داند راز غیب — غیر علام سر و ستار عیب

یعنی ان لوگوں کو (اعتراض کرنے کا) حق ہے (اس لیے کہ) راز غیب کو سوائے علام غیب اور ستار عیوب کے کون جانتا ہے (لہذا اگر یہ لوگ مجھپر اعتراض کرتے ہیں تو ان کی بھی خطا نہیں ہے) جب اسنے اسقدر دعا کی تو وہ گائے والا بولا کہ

خصم گفتش حق بگو اے تند خو — رو چہ سوئے آسماں کردی عمو

یعنی مقابل نے اوس سے کہا کہ اے تند خو سچ کہہ اور چچا آسماں کی طرف کیا منہ کیا ہے مطلب یہ کہ دعا کیا کر رہا ہے سچ بتا کہ کیوں میری گائے کو ذبح کیا۔

شید می آری غلط می افگنی — لاف عشق ولاف قربت میزنی

یعنی مکر لاتا ہے غلطی میں ڈالتا ہے اور عشق (حق) اور قرب (حق) کی شیخی مارتا ہے

باکدامیں روئے چوں دل مردۂ — روبسوئے آسمانہا کردۂ

یعنی جب کہ تو دل مردہ ہے تو کوں سے منہ سے آسمان کی طرف منہ کیا ہے مطلب یہ کہ لوگوں کے مال کھا کھا کر دل تو تیرا مردہ ہو چکا ہے اور اب آسمان کی طرف منہ کر کے اللہ میاں سے کس منہ سے عرض کر رہا ہے۔ دیکھئے غضب خدا کا یہ کمبخت

اسی کا تو غلام ہے اور یہ سارا مال اسی دعا کنندہ کا ہے اور پھر چپ نہیں ہوتا سچ یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اسکو جب ہی رسوا بھی فرمایا جب اس کا ظلم اس درجہ کو پہونچ گیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

غلغلے در شہر افتادہ ازیں　　آں مسلماں می نہد رو بر زمیں

یعنی اس بات کی وجہ سے شہر میں ایک غل پڑا ہوا تھا اور وہ مسلمان منہ زمین پر رکھے ہوئے (کہہ رہا تھا کہ)

کاے خدا ایں بندہ را رسوا مکن　　گر بدم ہم سر من پیدا مکن

یعنی کہ اے خدا اس غلام کو رسوا مت کر اگرچہ میں برا ہوں میرے بھید کو ظاہر مت فرما۔

تو ہمی دانی کہ شبہائے دراز　　کہ ہمی خوانم ترا با صد نیاز

یعنی آپ جانتے ہیں کہ طویل راتوں میں میں آپ کو سو نیاز سے پکارا کرتا تھا۔

پیش خلق ایں را اگر خود قدر نیست　　پیش تو ہمچو چراغ روشنی است

یعنی مخلوق کے سامنے اگر اس کی قدر نہیں ہے تو (اے اللہ) آپ کے سامنے تو ایک چراغ روشنی ہے۔

گاو می خواہند از من اے خدا　　چوں فرستادی نکردم من خطا

یعنی اے اللہ یہ لوگ مجھ سے گائے مانگتے ہیں جب آپ نے بھیجدی تھی تو میں نے خطا نہ کی۔ یعنی جب آپ نے اوسے بھیجدیا تو میں نے فوراً اوسکو پکڑ کر ذبح کر لیا اس لیئے کہ میری دعاؤں کا اثر تھا سبحان اللہ اس شخص کو اپنی دعا پر اور حق تعالیٰ پر کیسا کچھ بھروسہ تھا کہ کسی طرح شبہ پڑتا ہی نہ تھا اب یہ لوگ جو لڑ رہے تھے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے سن لیا اور وہ مکان سے باہر تشریف لائے۔ آگے اوسی کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

چونکہ داود نبی آمد بروں　　گفت ہیں چیست ایں احوال چوں

مدعی گفت اے نبی اللہ داد | گاو من در خانۂ او اوفتاد
کشت گاوم را بپرسش کہ چرا | گاو من کشت او بیاں کن ماجرا
گفت داؤدش بگو اے بوالکرم | چوں تلف کردی تو ملک محترم
ہیں پراگندہ مگو حجت بیار | تا بیکسو گردد ایں دعویٰ وکار
گفت اے داؤدؑ بودم ہفت سال | روز و شب اندر دعا اندر سؤال
ایں ہمی جستم زیزداں کائے خدا | روزیے خواہم حلال و بے عنا
مرد و زن بر نالۂ من واقف اند | کودکاں ایں ماجرا را واصف اند
تو بپرس از ہر کہ خواہی ایں خبر | تا بگوید بے شکنجہ بے ضرر
ہم ہویدا پرس و ہم پنہاں ز خلق | کہ چہ میگفت ایں گدائے ژندہ دلق
بعد ازیں جملہ دعا و ایں فغاں | گاو اندر خانہ دیدم ناگہاں
چشم من تاریک شد نے بہر قوت | شادی آں کہ قبول آمد قنوت
کشتم آں را تا دہم در شکر آں | کہ دعائے من شنید آں غیب داں

قصہ مختصر یہ واقعہ داؤد علیہ السلام تک پہونچایا گیا۔ جب کہ داؤد علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو آپ باہر تشریف لائے اور آکر فرمایا کہ کیا بات ہے اور کیا جھگڑا ہے بیان کرو۔ مدعی نے کہا کہ اے نبی اللہ آپ انصاف فرمائیں واقعہ یہ ہے کہ میری گائے اس کے گھر میں چلی گئی اوسنے اوسکو مار ڈالا۔ اب آپ اس سے دریافت فرمائیے کہ اسنے اوسے کیوں مارا۔ اور اسے حکم دیجئے کہ وجہ بیان کرے۔ داؤد علیہ السلام نے اوس سے فرمایا کہ ہاں میاں بیان کرو کہ تمنے دوسرے کی ملک کو جسمیں تم کو دست اندازی جائز نہ تھی کیوں ضایع کیا اور دیکھو بکواس نہ کرنا معقول بات کہنا تاکہ اس دعوے اور نالش کا آسانی سے فیصلہ ہو جاوے اس نے جواب دیا کہ

حضور سات برس سے میں برابر دعائیں کر رہا تھا اور حق سبحانہ سے دعا میں یہ درخواست
کر رہا تھا کہ اسے اللہ مجھے بے مشقت حلال روزی عطا فرما۔ مرد عورت سب میرے
اس گریہ وزاری سے واقف ہیں اور لڑکے تک اس واقعہ کو بیان کر سکتے ہیں
آپ جس سے چاہیں اس واقعہ کو دریافت فرمالیں۔ وہ بدون سزا کے اور بلا نقصان
اٹھائے اسکو بیان کر دے گا۔ اور ظاہر میں بھی اور خفیہ بھی ہر طرح تحقیق کر لیں
کہ یہ پرانی گدڑی والا فقیر کیا دعائیں مانگتا تھا یہ تو واقعہ تھا اس کے بعد اسی میری
آہ وزاری کے سبب دفعتہً گائے میرے مکان میں گھس آئی اوسکو دیکھتے ہی میری
آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ مگر کھانے کے لیے نہیں بلکہ اس خوشی میں کہ
میری دعا مقبول ہوئی اور میں نے اوسکو اس لیے ذبح کیا کہ میں اس شکریہ میں
اس کو خیرات کر دوں۔ کہ خدائے علام الغیوب نے میری دعا قبول فرمائی۔

شرح شبیری

داود علیہ السلام کا خصمین کی گفتگو کو ظاہر میں سننا

چونکہ داود نبی آمد بروں　　　گفت ہیں چونست ایں احوال چوں

یعنی جب حضرت داود نبی باہر تشریف لائے فرمایا کہ ارے یہ کیا حال ہے کیا ہے

مدعی گفت ای نبی اللہ داد　　　گاو من در خانہ او در فتاد

یعنی مدعی نے کہا کہ اسے نبی اللہ انصاف کیجئے میری گائے اوس کے گھر میں آ گئی

کشت گاوم را بپرسش کہ چرا　　　گاو من کشت او بیاں کن ماجرا

یعنی اس نے میری گائے کو ذبح کر لیا اس سے پوچھئے کہ میری گائے کو کیوں
ذبح کیا ماجرا بیان کرے۔

گفت داودش بگو اے بو الکرم　　　چوں تلف کردی تو ملک محترم

یعنی داؤد علیہ السلام نے اوس سے کہا کہ بو الکرم تو نے ملک محترم کو کیوں تلف کیا

ہیں پراگندہ مگو حجت بیار تا بیکسو گردد ایں دعوے وکار

یعنی ہاں پراگندہ باتیں مت کر حجت بیان کرتا کہ یہ دعویٰ اور کام ایک طرف ہو

گفت اے داؤد بودم ہفت سال روز و شب اندر دعا و در سوال

یعنی وہ (مدعا علیہ) بولا کہ اے داؤد میں سات برس تک رات دن دعا اور سوال میں تھا۔

ایں ہمی جستم ز یزداں کائے خدا روزے خواہم حلال و بے عنا

یعنی میں حق تعالے سے یہ ڈھونڈھا کرتا تھا کہ میں ایک روزی حلال اور بے مشقت کے چاہتا ہوں۔

مرد و زن بر نالہ من واقف اند کودکاں ایں ماجرا را واصف اند

یعنی میرے نالہ پر مرد و زن (سب) واقف ہیں۔ اور بچے اس ماجرے کے بیان کرنے والے ہیں۔

تو بہ پرس از ہر کہ خواہی ایں خبر تا بگوید بے شکنجہ و بے ضرر

یعنی آپ جس سے چاہیں اس بات کو پوچھ لیجئے تاکہ وہ بے شکنجہ اور بے ضرر کے کہدے۔ مطلب یہ کہ پوچھنے کے لیئے کسی سزا وغیرہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ جس سے پوچھئے گا سب بتا دیں گے کہ بیشک یہ دعا کیا کرتا تھا۔

ہم ہویدا پرس و ہم پنہاں ز خلق کہ چہ میگفت ایں گدائے ژندہ دلق

یعنی لوگوں سے ظاہر میں بھی پوچھئے اور پوشیدگی میں بھی کہ یہ گدائے کہنہ دلق کیا کہا کرتا تھا۔

بعد ازاں جملہ دعا و ایں فغاں گاؤ اندر خانہ دیدم ناگہاں

یعنی بعد ان دعاؤں اور اس فغان کے میں نے ناگہاں گھر میں گائے دیکھی۔

چشم من تاریک شد نے بہر قوت شادی آنکہ قبول آمد قنوت

یعنی میری آنکھ تاریک ہوگئی نہ کہ قوت کے واسطے (بلکہ) اوس کی خوشی میں کہ

دعا قبول ہو گئی۔ یعنی مجھے دعا کی قبولیت کی اسقدر خوشی ہوئی کہ میں اندھا ہو گیا اور میں نے گائے کو ذبح کر لیا۔

کشتم ایں را تا دہم در شکر آں　　　کہ دعائے من شنید آں غیب داں

یعنی میں نے اوس کو ذبح کر لیا تا کہ میں اوس کے شکر میں اسکو باٹوں کہ میری دعا کو اوس غیب داں نے قبول کر لیا (بس اس لیے میں نے اوسکو ذبح کر لیا)

شرح حبیبی

گفت داؤد ایں سخنہا را لشو　　　حجت شرعی دریں دعوے بگو
تو روا داری کہ من بے حجتے　　　بنہم اندر شرع باطل سنتے
اینکہ بخشیدت خریدے وارثے　　　ریع را چوں می ستانی حارثے
کسب را ہمچوں زراعت داں عمو　　　تا نہ کارے دخل نبود آں تو
انچہ کاری بد روے آں آن تست　　　ورنہ ایں بیداد بر تو شد درست
رو بدہ مال مسلماں کژ مگو　　　رو بجو وام و بدہ باطل مجو
گفت اے شہ تو ہم ایں می گوئیم　　　کہ ہمی گویند اصحاب ستم
پس زواں آہے برآورد و بگفت　　　اے خدائے ہر کجا طاقے و جفت
سجدہ کرد و گفت اے داناے سوز　　　در دل داؤد انداز آں فروز
در دلش نہ انچہ تو اندر دلم　　　اندر افگندی براز اے مفضلم
ایں بگفت و گریہ در شد ہاے ہائے　　　تا دل داؤد بیروں شد ز جائے

یہ جواب سنکر داود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ان باتوں کو دل سے بالکل دھو دو۔

یہ جواب دعوے میں کام آنے والا نہیں ہیں اور کوئی ایسی وجہ بیان کرو جو شرعاً قابل قبول ہو کیا تم جائز رکھتے ہو کہ میں بدون حجت شرعی کے مدعی کے دعوے کو خارج کر کے شریعت میں ایک بدعت قائم کروں۔ اگر تم کو کسی نے وہ گائے صدقۃً یا ہبۃً دی تھی تو بتاؤ کس نے دی تھی اور اگر یہ نہیں تو بتلاؤ کہ آیا تم نے اوسے خریدا ہے یا ورثۃً تم اوس کے مالک ہوئے ہو۔ یا تم نے کھیتی کی تھی جو تم اس پیداوار کے دعویدار ہو۔ کھیتی کرنے سے متعارف کھیتی کرنا ہماری مراد نہیں ہے بلکہ ہماری مراد مطلق کسب ہے۔ کیونکہ کسب بھی مثل کھیتی کرنے کے ہے اور مقصود یہ ہے کہ کیا تم نے کسب کر کے اوسکو حاصل کیا ہے۔ اور اس پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی بوتا نہیں کرتا یعنی کسب نہیں کرتا اسوقت تک پیداوار اور منافع اوسکی ملک بھی نہیں ہو سکتی اور جو کچھ آدمی بوتا اور کاٹتا ہے یعنی کسب سے حاصل کرتا ہے وہ اوسکی ملک ہوتا ہے۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات ہو تو بتاؤ ورنہ ظلم تمپر ثابت ہے۔ جبکہ تم کوئی وجہ معقول نہیں بیان کرتے تو جاؤ اس مسلمان کا مال دو اور اینڈی بینڈی باتیں نہ کرو۔ اگر تمہارے پاس مال موجود نہیں تو جاؤ کسی سے قرض لیکر دو اور خواہ مخواہ کسی کا مال مارنے کی فکر نہ کرو۔ اوسنے یہ فیصلہ سنکر عرض کیا کہ حضور آپ بھی وہی فرماتے ہیں جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں۔ یہ کہکر اوس نے ایک آہ کی۔ اور کہا اے جہاں کہیں کوئی طاق یا جفت ہے سب کے خدا تو میری فریاد سُن۔ یہ کہکر سجدہ میں گر پڑا اور کہا کہ اے میرے سوزش قلبی کے جاننے والے تو داؤد علیہ السلام کے دل میں بھی اس معاملہ کے متعلق روشنی پیدا کردے۔ اور اے کثیر الانعام ان کے دلمیں بھی وہ بات ڈالدے جو راز کے طور پر تو نے میرے دل میں ڈالی ہے۔ یہ کہا اور کہکر ڈہاڑیں مار مار کر رونا شروع کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا دل ٹھکانے نہ رہ سکا۔

شرح شبیری

داود علیہ السلام کا اوس کشندہ گاؤ پر حکم کرنا

گفت داؤد ایں سخنہا را بشو حجت شرعی دریں دعوی بگو
یعنی داود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کو دھو اور اس دعوے میں کوئی حجت شرعی کہہ۔

تو روا داری کہ من بے حجتے بنہم اندر شرع باطل سنتے
یعنی کیا تو جائز رکھتا ہے کہ میں بلا کسی حجت (شرعی) کے شرع میں ایک باطل طریقہ رکھوں۔

اینکہ بخشیدت خریدی وارثے ریع راچوں مے ستانی حارثے
یعنی یہ تجھے کس نے بخشا ہے یا تو نے خریدی ہے یا تو وارث ہے تو پیداوار کو کسطرح لیتا ہے کیا تو حارث ہے۔

کسب را ہمچوں زراعت داں عمو تا نہ کارے دخل نبود آن تو
یعنی اے چچا کسب کو زراعت کی طرح جانوں۔ جب تک تو لو وسے گا نہیں آمدنی تیری ملک نہ ہوگی۔

انچہ کاری بدروی آن آن تست ورنہ ایں بیداد بر تو شد درست
یعنی جو کچھ کہ تو بووے گا اور کاٹے گا وہ تیری ملک ہیں ورنہ یہ بیداد تجھ پر درست ہوگئی۔

رو بدہ مال مسلماں کژ مگو رو بجو وام و بدہ باطل مجو
یعنی جا مال مسلمانوں کا دے کج مت کر جا قرض کر لے اور دے باطل مت ڈھونڈھ

گفت اے شہ تو ہم ایں می گوئیم کہ ہمی گویند اصحاب ستم

یعنی اوس (دعا کنندہ) نے کہا کہ اے شاہ آپ بھی مجھے بھی کہتے ہیں جو کہ اور اصحاب ستم کہتے ہیں۔

اوس شخص کا داؤد علیہ السلام کی داوری سے تضرع کرنا

پس زدل آہے برآورد وبگفت　　کاے خدائے ہر کجا طاق وجفت

یعنی اوس (مدعا علیہ) نے دل سے ایک آہ نکالی اور کہا کہ اے خدا ہر اوس جگہ کے کہ جہاں کوئی طاق وجفت ہے یعنی وہ بولا کہ اے الہ العالمین۔

سجدہ کرد وگفت اے دانائے سوز　　در دل داؤ د انداز آں فروز

یعنی سجدہ کیا اور کہا کہ اے دانائے سوز داؤد کے دلمیں بھی اوس فروز کو ڈالدیجئے

در دلش نہ انچہ تو اندر دلم　　اندر افگندی براز اے مفضلم

یعنی اوس کے دل میں بھی رکھہ دیجئے جو کہ آپ نے میرے دل میں ڈالا ہے اے بزرگ میرے۔

ایں بگفت وگریہ درشد ہائے ہائے　　تا دل داؤد بیروں شد ز جائے

یعنی اوسنے یہ کہا اور گریہ میں ہائے ہائے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ داؤد کا دل اپنی جگہ سے باہر ہوگیا۔

شرح حبیبی

گفت ہیں امروز اے خواہان گاؤ　　مہلتم دہ وین دعاوے را مکاؤ

تا روم من سوئے خلوت در نماز　　پرسم ایں احوال از دانائے راز

خوئے دارم در نماز آں التفات　　معنے قراۃ عینی فی الصلوٰۃ

روزن جانم کشادہ است از صفا　　مے رسد بے واسطہ نامہ خدا

نامہ و باران نور از روزنم　　می فتد در خانہ ام از معدنم

دوزخ است آں خانہ کاں بے روزنست — اصل دیں اے بندہ روزن کردن است
تیشہ در ہر بیشۂ کم زن بیا — تیشہ زن در کندن روزن ہلا
یا نمیدانے کہ نور آفتاب — عکس خورشید برونست از حجاب
نور آں دانے کہ حیواں دید ہم — پس چہ کرمنا بود بر آدمم
من چو خورشیدم درونِ نور غرق — من ندانم خویش کرد از نور فرق
رفتنم سوئے نماز و آں خلا — بہر تعلیم ست رہ مر خلق را
کژ نہم تا راست گردد ایں جہاں — حرب و خدعہ ایں بود اے پہلواں
نیست دستورے وگرنہ ریختم — گرد از دریائے راز انگیختم
ہمچنیں داود میگفت ایں نسق — خواست گشتن عقل خلقاں محترق
پس گریبانش کشید از پس یکے — کہ ندارم در یکے اش من شکے
با خود آمد گفت را کوتاہ کرد — لب بہ بست و عزم خلوت گاہ کرد
در فرو بست و برفت آنگہ شتاب — سوئے محراب و دعائے مستجاب
حق نمودش آنچہ بنمودش تمام — گشت واقف بر سزائے انتقام
دید احوالے کہ کس واقف نہ بود — راز پنہانے کہ حیرانے فزود

جب اوس گریہ وزاری کا حضرت داود علیہ السلام پر نہایت اثر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے مدعی گاؤ آج کی مجھے مہلت دے اور ثبوت دعوے میں کاوش مت کر تاکہ میں خلوت میں جا کر نماز میں مشغول ہوں اور واقف راز سے اسکو دریافت کروں مجھے عادت ہے کہ نماز میں مجھے خاص توجہ بحق سبحانہ ہوتی ہے۔

جو کہ معنی ہیں قرۃ عینی فی الصلوٰۃ کے یعنی نماز میں مجھے خاص راحت حاصل ہوتی ہے
اور اس کا منشا وہی توجہ خاص ہے میری روح میں بوجہ کمال صفا کے ایک
کھڑکی کھلی ہوئی ہے جس سے براہ راست مجھ تک پیغامات خداوندی پہونچتے
ہیں میری اس کھڑکی سے میرے خانۂ قلب میں معدن نور و پیغامات (حق سبحانہ)
سے پیغامات اور نور کی بارش پہونچتی ہے یہ ارشاد تھا حضرت داؤد علیہ السلام کا
قبل اس کے کہ ہم اس کو تمام کریں جملہ معترضہ کے طور پر ایک ضروری بات بتلاتے
ہیں وہ یہ کہ یاد رکھو کہ یہ کھڑکی نہایت قابل قدر ہے اور جس دل میں یہ کھڑکی نہ ہو
وہ گویا کہ ایک دوزخ ہے اور دین کا بہت بڑا مقصد یہی روزن پیدا کرنا ہے پس
تم ٹھہرو اور جنگل میں جاکر تیشہ نہ چلاؤ بلکہ اول تیشۂ مجاہدہ سے یہ کھڑکی چھوڑو۔ اب
تک جو تم نے ایسا نہیں کیا اس کی وجہ یا تو غفلت ہے یا یہ کہ تم اوس نور کو جانتے
ہی نہیں اور سمجھتے ہی نہیں کہ بغیر اے ہو الظاہر۔ ایک یہ حجاب آفتاب اور بھی ہے
اس آفتاب متعارف کا نور اوسی کے نور کا عکس ہے۔ بلکہ تم نور اوسی نور کو سمجھتے ہو
جس کو حیوانات بھی دیکھتے ہیں اگر واقع میں یہی نور نور ہو تو وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ کیونکر
درست ہوگا کیونکہ انسان کو دیگر حیوانات سے اگر کوئی خاص امتیاز ہے تو وہ اسی نور
کے سبب ہے اور جب وہ نور ہی منتفی ہوگا تو "لقد کرمنا بنی آدم" بھی درست نہ ہوگا
اگر یہ کہا جاوے کہ عقل دنیاوی اسکا منشا ہے تو اوسکا جواب یہ ہے کہ عقل دنیاوی
میں تو سب جانور شریک ہیں۔ صرف کمی بیشی کا فرق ہے جو حیوانات ہیں آپس میں
بھی ہے۔ جبکہ یہ مضمون استطرادی ختم ہوا تو اب ہم پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی
گفتگو بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اوس
نور میں آفتاب کی طرح غرق ہوں۔ اور وہ میرے رگ و پے میں یوں سرایت کرگیا ہے
کہ مجھ میں اور نور میں امتیاز نہیں رہا اور میں نور مجسم ہوگیا ہوں۔ اسپر کوئی یہ شبہ نہ کرے
کہ جب آپ نور میں اسقدر درجہ غرق ہیں تو خلوت اور صلوٰۃ نافلہ کی آپ کو کیا ضرورت ہے
(نافلہ کی قید ہمنے اس لیئے لگائی کہ فرائض کے متعلق وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ

میں امتثال امر کے لیئے ایسا کر رہا ہوں) کیونکہ خلوت میں جانا اور نوافل میں مصروف ہونا مخلوق کو راہ حق تعلیم فرمانے کے لیئے ہے۔ میں ٹہرا اس لیئے چلتا ہوں یعنے غیر ضروری کام اس لیئے کرتا ہوں کہ مخلوق خدا ٹھیک ہو اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ روش مماثل ہے الحرب خدعۃ کے کیونکہ جسطرح حرب میں مقصود کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی بات ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اس کے بعد حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے زیادہ بیان کرنے کی اجازت نہیں ورنہ بہت کچھ موتی بکھیرتا اور بہت سے اسرار کو بیان کر کے دریائے اسرار کو گویا خشک کر دیتا۔ غرض داود علیہ السلام اسی قسم کی گفتگو کر رہے تھے اور قریب تھا کہ مخلوق عقول جلکر فنا ہو جائیں استنے میں اس ایک ذات نے جس کی وحدانیت میں مجھے کوئی شک نہیں پیچھے سے انکا گریبان کھینچ لیا یعنی حق سبحانہ نے روکدیا۔ کہ بس کرو اوسپر داود علیہ السلام ہوشمیں آئے اور کلام کو مختصر کیا۔ اور خاموش ہو کر خلوت گاہ میں تشریف لیگئے وہاں جاکر دروازہ بند کر لیا۔ اور فوراً محراب میں تشریف لے گئے۔ اور قبول ہونے والی دعا میں مصروف ہو گئے اسپر حق سبحانہ کو جو کچھ معلوم کرانا تھا تفصیلاً معلوم کرا دیا اور اونکو معلوم ہو گیا کہ کون قابل سزا ہے اُسوقت اونھوں نے وہ حالات دیکھے جن سے کوئی واقف نہ تھا اور وہ راز اونکو معلوم ہوئے جن سے وہ دنگ رہگئے۔

شرح شبیری

گفت ہیں امروز اے خواہان گاو   مہلتم دہ ایں دعاوی را مکاو

یعنی حضرت داود علیہ السلام نے کہ اے مدعی گائے مجھے مہلت دے ان دعووں کو مت کنج وکاو کر۔ مطلب یہ کہ آج مجھے مہلت دیدے۔ یعنی ایک دن کو مقدمہ ملتوی کر دیا۔

تا روم من سوے خلوت در نماز   پرسم ایں احوال از دانائے راز

یعنی تا کہ میں خلوت کی طرف نماز میں جاؤں اور ان احوال کو دانائے راز سے پوچھوں۔ یعنی مجھے مہلت دو تا میں خلوت میں جاکر حق تعالےٰ سے اسکی حقیقت دریافت کرلوں اور فرمایا

خوے دارم در نماز آں التفات　　　معنی قرة عینی فی الصلوٰة

یعنی میں نماز میں اوس التفات کی عادت رکھتا ہوں (جو کہ) قرة عینی فی الصلوٰة کے معنی ہیں۔

روزن جانم کشادست از صفا　　　مے رسد بیواسطہ نامہ خدا

یعنی میری جان نے صفائی کی وجہ سے ایک روزن کھول لیا ہے (کہ اُسمیں سے) نامۂ حق بے واسطہ (ظاہری) کے پہونچتا ہے۔ مطلب یہ کہ نامۂ و پیام حق کے لئے مجھے وسائط ظاہری کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میری جان میں ایک روزن ہے کہ اوس کے ذریعہ سے نامہ و پیام مجھ تک پہونچتے ہیں۔

نامۂ و باران نور از روزنم　　　مے فتد در خانہ ام از معدنم

یعنی نامہ اور باران نور میرے روزن سے میرے گھر میں میرے معدن سے پڑتی ہے۔ یعنی حق تعالےٰ کی طرف سے وہ نامہ اور باراں نور میرے اوس روزن سے میرے قلب میں آتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

دوزخ است آں خانہ کاں بے روزنست　　　اصل دین اے بندہ روزن کردنست

یعنی وہ گھر تو دوزخ ہے جو کہ بے روزن ہے اور اے بندہ اصل دین تو یہ روزن کرنا ہی ہے۔

تیشہ در ہر بیشہ کم زن بیا　　　تیشہ زن در کندن روزن ہلا

یعنی تیشہ ہر بیشہ میں کم مارا اور ٹھہر جا۔ اور روزن کھودنے میں تیشہ مار۔ یعنی اس روزن جان کے کھولنے میں کوشاں رہو اور دنیاوی محبتوں کو بالائے طاق رکھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

یا نمیدانی کہ نور آفتاب　　　عکس خورشید بروں نست از حجاب

یعنی یا کہ تم یہ نہیں جانتے کہ نور آفتاب عکس ہے خورشید کا جو کہ حجاب سے باہر ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو ادسطرف متوجہ نہیں ہوتے تو کیا تم کو اس کی خبر نہیں ہے کہ یہ نور آفتاب ظاہری جو کہ اسقدر چمکدار ہے اوس نور حقیقی کا عکس ہے تو اگر تم جانتے ہو کہ یہ اوسکا عکس ہے تو ضرور اُس کو تلاش کرتے۔ معلوم ہوا کہ تم کو اس کی خبر ہی نہیں ہے۔

پس چہ کرمنا بود بر آدمم　　نور آں دانے کہ حیواں دید ہم

تم تو نور اوسکو جانتے ہو کہ جس کو حیوان نے بھی دیکھ لیا تو پھر ہمارے آدم پر کرمنا کیا ہوگا۔ یعنی اگر نور یہی نور ہے جو کہ حیوانات کو بھی نظر آتا ہے تو پھر ولقد کرمنا بنی آدم کے کیا معنی ہوں گے لہذا تمکو چاہیئے کہ نور کے علاوہ وہ اُس کی اصل اور اوسکی روح کو بھی تو دیکھو۔ آگے پھر حضرت داود علیہ السلام کا قول ہے کہ۔

من نہ انم کرد خویش از نور فرق　　من چو خورشیدم درون نور غرق

یعنی میں مثل خورشید کے نور میں غرق ہوں اور میں اپنے کو نور سے فرق نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ فرمایا کہ میں از سر تا پا نور میں غرق ہوں اور میں اپنے کو اور اوس نور کو الگ الگ ممتاز نہیں کر سکتا اسقدر میں اور وہ نور حقیقی ایک ہوئے ہیں۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ جناب پھر آپ جب اسقدر غرق نور ہیں تو آپکو خلوت ہی کی کیا ضرورت ہے۔ یہیں جلوت ہی میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیے تو اس کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے فرماتے ہیں کہ۔

بہر تعلیم ست رہ مر خلق را　　رفتنم سوئے نماز و آں خلا

یعنی میرا نماز اور خلوت کی طرف جانا مخلوق کو راہ تعلیم کرنے کے لیئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے بے شک خلوت کی ضرورت نہیں ہے اور ان غیر ضروری امور کی حاجت نہیں رہی ہے۔ لیکن اسوقت صرف اسلیئے تاکہ اور لوگ سیکھیں میں خلوت اختیار کرتا ہوں۔ یہاں سے بعض جاہل یہ خیال کرتے ہیں کہ جب سالک منتہی ہو جاتا ہے تو اوس کو نماز روزہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ اوسکو

بسبب معاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ نماز روزہ کرتا ہے تو صرف اس لیے تاکہ نظام عالم خراب نہ ہو جاوے اس خیال کا ویسے تو غلط ہونا صریح ہے اور ظاہر ہے ہاں بعض کو جو ایسے اشعار سے شبہ پڑجاتا ہے کہ دیکھو حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں کہ مجھے نماز کی ضرورت نہیں بلکہ تعلیم خلق کے لیے کرتا ہوں تو اسکو سمجھ لو کہ یہاں نماز و عبادت و خلوت سے مراد غیر ضروری امور ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ فرض تو ضروری ہے ہی مگر جو امور غیر ضروری ہیں اونکی بے شک منتہی کو ضرورت نہیں رہتی مثلاً خلوت کی یا اوراد کی یا نوافل کی تو یہاں بس یہی مراد ہے جیسا کہ سوق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں خلوت اختیار کروں اور نماز وغیرہ پڑھوں تو کیا ویسے حضرت داؤد علیہ السلام نماز وغیرہ نہ پڑھتے تھے ضرور پڑھتے تھے تو بس معلوم ہوا کہ اس نماز وغیرہ سے نوافل اور غیر ضروری عبادت ہی مراد ہیں تو سمجھ لو کہ خواہ کوئی کتنا ہی بزرگ اور ولی ہو جاوے مگر نماز ہرگز معاف نہیں ہوتی۔ تمام اعمال ضروریہ اوسکے ذمہ فرض و واجب رہتے ہیں۔ ہاں جو غیر ضروری مثل خلوت وغیرہ کے ہوتے ہیں اون کی اس منتہی کو ضرورت نہیں رہتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کژ نہم تا راست گردد ایں جہاں ‖ حرب خدعہ ایں بود اے پہلواں

یعنی میں (قدم کو) کج رکھتا ہوں تاکہ یہ جہاں راست ہو جاوے اور حرب خدعہ ہوتا ہے اے پہلوان۔ مطلب یہ کہ میں اپنی حالت کو ایسا ظاہر کرتا ہوں کہ جیسے مبتدی کی حالت ہوتی ہے اور اعمال غیر ضروری کو بھی کرتا ہوں کہ جس سے وہ ضروری معلوم ہوتے ہیں تو جس طرح کہ یہ غیر واقع کو واقع دکھاتا ہے اسی طرح حرب میں بھی غیر واقعی کو واقعی دکھانا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بھی فرمایا کہ میری اس کجی سے کہ غیر ضروری امور کو بھی کر کے غیر واقعی امر کو واقعی دکھاتا ہوں اور لوگ درست ہو جاویں گے اور سمجھیں گے کہ جب نبی کی یہ حالت ہے کہ وہ ان امور غیر ضروریہ کو بھی ترک نہیں کرتے تو ہم کو کس طرح کسی کام کا ترک جائز ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستورے وگرنہ ریختے　　گرد از دریائے راز انگیختے

یعنی اجازت نہیں ہے ورنہ (حضرت داؤدؑ مضامین اور بھی) ریختہ کرتے اور دریائے راز سے گرد اٹھا دیتے۔یعنی اسقدر اسرار بیان کرتے کہ دریائے راز خشک ہو جاتا۔اور اوسمیں سے گرد اٹھنے لگتی۔

ہمچنیں میگفت داؤدؑ ایں نسق　　خواست گشتن عقل خلقان محترق

یعنی داؤدؑ اس طریق سے بیان کر رہے تھے کہ لوگوں کی عقل جلنے لگی یعنی اوس کی سوزش سے لوگوں کے قلوب میں ایک حرارت اور گرمی محسوس ہونے لگی اور قریب تھا کہ یہ لوگ بیخود ہو جاویں۔

پس گریبانش کشید از پس یکے　　کہ ندارم در یکے اش من شکے

یعنی پھر اون کا گریبان ایک نے پیچھے سے کھینچ لیا کہ جس کے ایک ہونے میں میں شک نہیں رکھتا۔مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ علیہ السلام کو روک دیا اور اُن کو اس بیان اسرار سے منع فرما دیا۔تو یہ ہوا کہ۔

با خود آمد گفت را کوتاہ کرد　　لب بہ بست و عزم خلوتگاہ کرد

یعنی حضرت داؤدؑ خودی میں آگئے اور گفتگو کو کوتاہ کر دیا۔اور لب بند کر کے خلوتگاہ کا قصد کیا۔اب خلوت میں کشف حال کے لیے تشریف لے گئے۔

داؤد علیہ السلام کا خلوت میں جانا تاکہ جو کچھ حق ہے ظاہر ہو جاوے

در فرو بست و برفت آنگہ شتاب　　سوئے محراب و دعائے مستجاب

یعنی دروازہ بند کر لیا اور اُسوقت جلدی سے محراب اور دعائے مستجاب کیطرف چلے گئے۔

حق نمودش آنچہ بنمودش تمام　　گشت واقف بر سزائے انتقام

یعنی حق تعالیٰ نے آپ کو پوری طرح دکھا دیا جو کچھ کہ دکھایا۔تو وہ مستحق انتقام پر

واقف ہو گئے۔

دید احوالے کہ کس واقف نہ بود　　　راز پنہانی کہ حیرانی فزود

یعنی ادنھوں نے اون احوال کو دیکھ لیا جن سے کوئی واقف نہ تھا اور اُس رازِ پنہانی کو جس نے کہ حیرانی زیادہ کردی۔

روز دیگر جملہ خصماں آمدند　　　پیش داود پیمبر صف زدند

یعنی دوسرے دن سب خصم آئے اور داود علیہ السلام کے سامنے سب نے صف لگائی۔

ہمچنیں ایں ماجرا ہا باز رفت　　　زود زد آں مدعی تشنیع زفت

یعنی اسیطرح یہ ماجرے پھر چلے۔ اور اُس مدعی نے جلدی سے ایک طعن عظیم مارا (اور کہا کہ)

شرح حبیبی

روز دیگر جملہ خلقاں آمدند　　　پیش داوٗد پیمبر صف زدند
ہمچنیں ایں ماجراہا باز رفت　　　زود زد آں مدعی تشنیع زفت
زود گاوم را بدہ اے نابکار　　　از خدائے خویشتن شرمے بدار
ایچنیں ظلم صریح ناسزا　　　میرود در عہد پیغمبر ھلا
گاؤ کشتہ خوردہ بے ترس و بیم　　　در جواب افزودہ تزویر لئیم
کہ چہ چندیں سال بودم در دعا　　　من طلب کردم ز حق تا او مرا
اے رسول حق چنیں باشد روا　　　ملک من بد گاؤ چوں دادش خدا
گفت داوٗدش خمش کن رو بہل　　　ایں مسلماں را ز گاوت کن بحل

چوں خدا پوشید بر تو اے جواں — رو غمش کن حق ستاری بداں

گفت داؤد یلا کہ حکم است اینچہ داد — از پے من شرع نو خواہی نہاد

رفتہ است آوازہ عدلت چناں — کہ معطر شد زمین و آسماں

بر سگان کور ایں ستم نرفت — زیں تعدی سنگ و کُہ بشگافت تفت

ہمچنیں تشنیع می زد برملا — کاالصلا ہنگام ظلم است الصلا

ایں چنیں ظلم و جفا بر من مکن — یا نبی اللہ مگو زینساں سخن

بعد ازاں داؤدؑ گفتش اے عنود — جملہ مال خویش او را بخش زود

ورنہ کارت سخت گردد گفتمت — تا نگردد ظاہر از وے استمت

خاک بر سر کردہ جامہ بردرید — کہ بہر دم می کنی ظلمے مزید

یکدمے دیگر بدیں تشنیع راند — باز داؤدش بہ پیش خویش خواند

گفت چوں بختت نبود اے بخت کور — ظلمت آمد اندک اندک در ظہور

دید آنگاہ صدر و پیشگاہ — اے دریغ از چوں تو خر خاشاک راہ

رو کہ فرزندان تو با جفت تو — بندگان او شدند افزوں مگو

سنگ بر سینہ ہمی زد با دو دست — می دوید از جہل خود بالا و پست

خلق ہم اندر ملامت آمدند — کز ضمیر کار او غافل بُدند

اگلا دن ہوا اور تمام لوگ عدالت میں حاضر ہوئے۔ اور داؤدؑ علیہ السلام کے سامنے صف بستہ کھڑے ہو گئے اور جو واقعہ کل ہوا تھا آج بھی وہی ہوا۔ اور مدعی نے فوراً زور شور سے ملامت کرنی شروع کی اور کہا کہ او نا لائق خدا سے شرم کر اور میری گائے دیدے۔ ارے پیغمبر خدا کے زمانہ میں ایسا ناز

اور کھلا ظلم ہو غضب کی بات ہے پاجی تو بیدھڑک میری گائے مار کر کھا گیا۔ اور جواب میں باتیں بناتا ہے اور کہتا ہے کہ اتنے برسوں تک میں نے دعا کی ہے اور خدا سے روزی حلال طلب کی ہے اوسنے مجھے وہ گائے دیدی۔ اے پیغمبر خدا بھلا ایسا بھی کہیں ہوتا ہے۔ گائے تو میری تھی خدا نے اسے کیسے دیدی۔ اوسپر داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ بس چپکے رہو جاؤ جھگڑے کو رفع دفع کردو۔ اور گائے اس مسلمان کو معاف کردو۔ جب خدا نے تمہاری پردہ پوشی کی ہے تو تم کو ایسا نہ چاہیئے بس چپ رہو۔ جاؤ حق خدا کو ملحوظ رکھو۔ اوسنے کہا ارے غضب ہو گیا۔ بھلا! یہ کیا حکم اور کونسا انصاف ہے آپ میرے لیئے نئی شریعت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کا انصاف تو اس درجہ مشہور رہے کہ اوسکی خوشبو سے زمین و آسمان معطر ہیں۔ پھر مجھپر یہ ظلم کیوں ہے۔ ایسا ظلم تو اندھے کتوں پر بھی نہیں ہوا۔ اور اس تعدی سے تو پتھر اور پہاڑ پھٹے جاتے ہیں وہ کھلم کھلا اسی طرح ملامت کر رہا تھا۔ کبھی لوگوں سے کہتا تھا کہ دیکھو لوگو یہ ظلم ہو رہا ہے اور کبھی داؤد علیہ السلام سے کہتا کہ دیکھیئے ایسا ظلم مجھپر نہ کیجیے اور اے نبی اللہ ایسی بات نہ فرمایئے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تو اس فیصلہ پر رضامند نہیں تو دوسرا فیصلہ یہ ہے کہ اپنا سارا مال اسے دیدے اور اگر تو اس کو بھی نہ مانے گا تو اور زحمت میں پڑے گا۔ میں نے تجھے پیشتر سے اسلیئے متنبہ کر دیا ہے تاکہ تیری ضد سے تیرا ستم ظاہر نہ ہو جاوے۔ یہ سنکر اوستے سر پر خاک ڈالی۔ کپڑے پھاڑ لیئے اور کہا کہ ہر دم آپ تو ایک نئے ظلم کا اضافہ کرتے ہیں۔ اور کچھ دیر تک اسنے یہ ہی تشنیع و ملامت جاری رکھی۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر اوسے اپنے سامنے بلایا اور کہا کہ چھوٹی قسمت والے تیری تقدیر اچھی نہ تھی اس لیئے رفتہ رفتہ تیرا ظلم ظاہر ہوا۔ تجھ گدھے کی حالت پر سخت افسوس ہے کہ تو نے عز و جاہ کی کچھ قدر نہ کی اور اوسکو خاشاک راہ سمجھا۔ اچھا جا ہم حکم دیتے ہیں کہ تیری بیوی بچے سب اس کے لونڈی غلام ہو گئے دیکھ اب کچھ نہ بولنا یہ سنکر وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی چھاتی پتھر سے کوٹتا تھا اور اپنی جہالت سے مخبوط الحواس بنا ہوا

کبھی اوپر جاتا تھا کبھی نیچے آتا تھا۔ چونکہ لوگ اس واقعہ کی اندرونی حالت سے واقف نہ تھے اس لیے اُنھوں نے بھی ملامت کرنی شروع کی کہ کسقدر ظلم ہے کہ اس کی گائے بھی مار لیگئی اور اُس سے مال بھی دلایا جاتا ہے اور اسی کے بیوی بچوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔

شرح شبیری

زود گاوم را بدہ اے نابکار　　　از خدائے خویشتن شرمی بدار

یعنی اے نابکار میری گائے جلدی سے دے اور اپنے خدا سے شرم کر (اور بولا کہ)

کایں چنیں ظلم صریح ناسزا　　　میرود در عہد پیغمبر ہلا

یعنی کہ ایسا ظلم صریح ناسزا ارے پیغمبر کے زمانہ میں چلتا ہے۔

گاوکشتہ خوردہ بے ترس و بیم　　　در جواب افزودہ تزویر آں لئیم

یعنی گائے کو مار کر بے خوف و بیم کے کھا گیا۔ اور اے لئیم جواب میں تزویر کو زیادہ کرتا ہے (اور کہتا ہے کہ)

کہ چہ چندیں سال بودم در دعا　　　من طلب کردم ز حق داد او مرا

یعنی کہ میں اتنے سال سے دعا میں ہوں اور میں حق تعالیٰ سے طلب کیا کرتا تھا تو مجھے دیدی۔

اے رسول حق چنیں باشد روا　　　ملک من بُد گاو چوں دادش خدا

یعنی اے رسول حق کیا اسطرح جائز ہے کہ میری ملک تھی گائے اور اُسکو خدائے تعالےٰ نے دیدی۔

داؤد علیہ السلام کا مدعی گاؤ پر حکم کرنا کہ گائے کے

خیال سے درگذرے اور اُس مدعے کا داؤد علیہ السلام پر اعتراض کرنا

گفت داؤدش خمش کن رو بہل　　این مسلماں راز گاوت کن بحل

یعنی داؤد علیہ السلام نے اوس سے کہا کہ خاموش رہ اور جا اس مسلمان کو چھوڑ دے اور اپنی گائے اسکو معاف کردے (اس کے بعد داؤد نے اشارۃً اوس کی بے ایمانی پر اس طرح تنبیہہ فرمائی کہ)

چوں خدا پوشید بر تو ای جوان　　رو خمش کن حق ستاری بداں

یعنی اے جوان جب خدا نے تجھ پر پوشیدہ رکھا تو جا خاموش رہ اور حق ستاری کو جان۔ مطلب یہ کہ جب خدا نے تیری حرکتوں کو پوشیدہ رکھا ہے تو اب اسکا حق یہ ہے کہ ایسی بدمعاشیاں مت کر اور خود ہی اپنے کو رسوا مت کر۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا بولا کہ)

گفت وا ویلا چہ حکم ست این چہ داد　　از پے من شرع نو خواہی نہاد

یعنی بولا کہ واویلا یہ کیا حکم ہے اور کیا انصاف ہے آپ میرے واسطے کوئی نئی شرع رکھیں گے۔

رفتہ است آوازۂ عدلت چناں　　کہ معطر شد زمین و آسماں

یعنی آپ کے عدل کا آوازہ تو ایسا چلا ہوا ہے کہ زمین و آسمان معطر ہو رہے ہیں۔

بر سگان کور این استم نرفت　　زیں تعدی سنگ و کہ بشگافت تفت

یعنی اندھے کتوں پر بھی یہ ستم نہیں چلا۔ اور اس تعدی سے سنگ و کوہ بھی جلدی سے پھٹ گئے۔

ہمچنیں تشنیع می زد بر ملا　　کالصلا ہنگام ظلم ست الصلا

یعنی اسی طرح وہ برملا طعن کر رہا تھا کہ جمع ہو جاؤ۔ وقت ظلم ہے جمع ہو جاؤ (اور

کہتا تھا کہ)

اینچنیں ظلم وجفا بر من مکن　　یا نبی اللہ مگو زینسان سخن

یعنی مجھ پر ایسا ظلم وجفا نہ کیجئے اور اے نبی اللہ ایسی بات مت کہیئے (دیکھئے اس نالائق کی آنکھوں پر اسطرح پردہ پڑگیا تھا کہ جانتا تہا کہ ظالم میں ہی ہوں اور فیصل کن نبی ہیں ان کو سب خبر ہو سکتی ہے مگر وہی مرغی کی ایک ٹانگ کیے جارہا تھا آخر حضرت داؤد نے اس سے زیادہ سخت حکم دیا جس کو آگے فرماتے ہیں کہ)

داؤدؑ کا اوس صاحب گاؤ کو حکم کرنا کہ تمام مال اوس مدعا علیہ کو دے

بعد ازاں داؤد گفتش اے عنود　　جملہ مال خویش او را بخش زود

یعنی بعد اس کے داؤدؑ نے اوس سے کہا کہ اے معاند سارا اپنا مال اوس کو جلدی دے۔

ورنہ کارت سخت گردد گفتمت　　تا نہ گردد ظاہر از وے استمت

یعنی ورنہ تیرا کام سخت ہو جاوے گا۔ میں تجھ سے کہتا ہوں تا کہ اوس سے تیرا ستم ظاہر نہ ہو جاوے۔ (دیکھئے داؤد نے اب بھی چاہا کہ ظاہر نہ ہو اب بھی اشارہ ہی سے سمجھایا مگر وہ کب ماننے والا تھا یہ سنکر اُس کی یہ حالت ہوئی کہ)

خاک بر سر کرد و جامہ بر درید　　کہ بہر دم میکنی ظلمے مزید

یعنی خاک سر پر ڈالی اور کپڑے پھاڑ ڈالے (اور کہا) کہ آپ تو ہر دم ایک ظلم مزید کرتے ہیں۔

یکدمے دیگر بدیں تشنیع راند　　باز داؤدش بہ پیش خویش خواند

یعنی تھوڑی دیر اور اسی تشنیع کو چلا تو داؤدؑ نے پھر اوس کو اپنے سامنے بلایا۔

گفت چوں بخت تنبود اے بخت کور　　ظلمت آمد اندکے اندر ظہور

یعنی فرمایا کہ اے کور بخت جب تیرا نصیبا (درست) نہ تھا تو تیرا ظلم تھوڑا تھوڑا ظاہر ہونے لگا ہے۔

دیدۂ آنگاہ صدر و پیش گاہ　　اے دریغ از چوں تو خر خاشاک راہ

یعنی تو نے وقت صدر و پیشگاہ دیکھا ہے تو تجھ جیسے خر اور خاشاک راہ نہایت عجیب ہے۔ یعنی جب تو نے اوس حالت صدر کو دیکھا ہے تو ایک ذرا سی گائے کے پیچھے کیوں جان دیئے دیتا ہے سخت تعجب ہے۔ مگر وہ کب ماننے والا تھا وہ تو اپنی بکواس لگاتا ہی رہا۔

زیں سخن داؤدؑ زو شد خشمناک　　گفت تا خود را نگردانے ہلاک

یعنی ان باتوں سے داؤدؑ اوس سے خشمناک ہو گئے اور فرمایا کہ تو اپنے کو ہلاک مت کرنا۔

رو کہ فرزندان تو با جفت تو　　بندگان او شدند افزوں مگو

یعنی جا کہ تیرے لڑکے اور تیری بیوی سب اوس کے غلام ہیں زیادہ مت بک (یہ سنکر تو اوس کی یہ حالت ہوئی کہ)

سنگ بر سینہ ہمی زد با دو دست　　میدود از جہل خود بالا و پست

یعنی دونوں ہاتھوں سے سینہ پر پتھر مارتا تھا اور اپنے جہل کی وجہ سے اوپر نیچے دوڑتا پھرتا تھا۔ مطلب یہ کہ اس کو سنکر اور بھی باولا ہو گیا اور واویلا شروع کر دی۔

خلق ہم اندر ملامت آمدند　　کز ضمیر کار او غافل بُدند

یعنی لوگ بھی ملامت کرنے لگے اس لیئے کہ باطن کار سے وہ غافل تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ظالم از مظلوم کے داند کسے　　کہ بود مسخرہ ہوا ہمچوں خسے

ظالم از مظلوم آنکس پے برد
کہ سر نفس ظلوم خود برد

ورنہ آں ظالم کہ نفس ست اندروں
خصم ہر مظلوم باشد از جنوں

سگ ہمارہ حملہ بر مسکیں کند
تا تواند زخم بر مسکیں زند

شرم شیراں راست نے سگ را بداں
کہ نگیرد صید از ہمسایگاں

از کمین سگ ساں سوئے داود جست
عامہ مظلوم کش ظالم پرست

روئے در داوُد کردند آں فریق
کانبیے مجتبیٰ بر ما شفیق

ایں نشاید از تو کیں ظلم ست فاش
قہر کردی بے گناہے را بلاش

اب مولانا فرماتے ہیں عوام نے مدعا علیہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کو ظالم سمجھا اور مدعی کو مظلوم حالانکہ معاملہ بالکل برعکس تھا۔ واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص خواہش نفسانی کا یوں ہی مسخر ہو جیسے خس وخاشاک ہوا کا۔ وہ شخص ظالم اور مظلوم میں کیا امتیاز کرسکتا ہے ظالم اور مظلوم کا تو وہی شخص پتہ چلا سکتا ہے۔ جو پہلے اپنے ظالم نفس کا سر کاٹ دے ورنہ یہ ظالم نفس جو اندر چھپا ہوا ہے اپنے دیوانہ پن سے مظلوم ہی کا مخالف ہوگا اور مجانست کے سبب ظالم کا ساتھ دے گا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ کتا ہمیشہ غریب اور حقیر ہی آدمی پر حملہ کرتا ہے۔ اور جہاں تک اوس سے ہوسکتا ہے غریب ہی کو کاٹتا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ شیر ہی کا کام ہے اور کتا کبھی ایسا نہیں کرسکتا کہ ہمسایوں کا شکار نہ چھینے اور عالی حوصلگی سے خود شکار کرے۔ یعنی کسی کمزور کو نہ ستانا اہل اللہ ہی کا کام ہے اہل نفس سے ایسا نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ تو جس کو کمزور دیکھتے ہیں اُسی کو ستاتے ہیں۔ چنانچہ عوام جن کا کام مرتے کو مارنا اور ظالم کی پرستش کرنا ہے کتوں کی طرح داؤد علیہ السلام کو لپٹ پڑے اور ان کی طرف رخ کرکے یوں خطاب کیا کہ اے برگزیدہ اور ہم پر مہربان نبی آپکو یہ زیبا نہیں کیونکہ یہ کھلا ہوا ظلم ہے آپ نے ایک بے قصور شخص پر محض بلاوجہ زیادتی کی۔

شرح شبیری

ظالم از مظلوم کے داند کسے　　کو بود سخرہ ہوا ہمچوں خسے

یعنی ظالم کو مظلوم سے کب کوئی جانتا ہے جو کہ سخرہ ہوا مانند خس کے ہو۔ مطلب یہ کہ جو شخص ہوا و ہوس میں لگا ہوا ہوا اوسکو کیا خبر ہو سکتی ہے کہ کون مظلوم اور کون ظالم اس لیے کہ ایسے شخص پر حقیقت اشیاء منکشف ہی نہیں ہوتی۔

ظالم از مظلوم آنکس پے برد　　کو سر نفس ظلوم خود برد

یعنی ظالم کو مظلوم سے وہ جان سکتا ہے جو کہ اپنے نفس ظالم کے سر کو کاٹ دے

ورنہ آں ظالم کہ نفس ست اندروں　　خصم ہر مظلوم باشد از جنوں

یعنی ورنہ وہ ظالم جو نفس باطن میں ہے وہ ہر مظلوم کا جنون کی وجہ سے دشمن ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ اگر کسی نے نفس کشی نہیں کی ہے تو اوس کا نفس ہمیشہ مظلوم کا دشمن ہوتا ہے اس لیئے کہ اس شخص پر حقیقت کبھی منکشف ہی نہ ہوگی۔

سگ ہمارہ حملہ بر مسکیں کند　　تا تواند زخم بر مسکیں زند

یعنی کتا ہمیشہ حملہ مسکین ہی پر کرتا ہے اور جب تک سکتا ہے مسکین ہی پر زخم مارتا ہے۔

شرم شیراں راست نے سگ را بداں　　کو نگیرد صید از ہمسایگاں

یعنی شرم تو شیروں کو ہوتی ہے نہ کہ کتوں کو جان لو کیونکہ وہ شکار کو ہمسایوں سے نہیں لیتا ہے۔ یعنی فرماتے ہیں کہ شرم تو شیروں کو ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کا شکار نہیں لیتے خود شکار کرتے ہیں ورنہ کتے تو منتظر رہتے ہیں کہ کوئی شکار کرے تو ہم اڑا دیں تو اسیطرح اس مدعی کو بھی شرم نہ تھی اس لیئے کہ سگ خصلت تھا لہذا اوس بیچارہ کے مال کو قبضہ کیئے بیٹھا تھا۔ اور شرم نہ آتی تھی آگے فرماتے ہیں کہ

از کمیں سگساں سوئے داد جست　　عامہ مظلوم کش ظالم پرست

یعنی کمین سے کتوں کی طرح داؤد علیہ السلام کی طرف عوام مظلوم کش اور ظالم پرست بڑھے۔

روئے در داؤدؑ کردند آں فریق ۔۔۔ کاے نبی مجتبےٰ بر ما شفیق

یعنی دو داؤد علیہ السلام کی طرف اوس فریق نے منہ کیا کہ اے نبی برگزیدہ اور ہم پر شفیق۔

ایں نشاید از تو کیں ظلمے است فاش ۔۔۔ قہر کردی بیگناہے را بہ لاش

یعنی آپ کو یہ نہ چاہیئے اس لیئے کہ یہ تو ظلم صریح ہے اور آپ نے ایک بے گناہ پر ایک لاشئے چیز کے ساتھ ظلم کیا۔ مطلب یہ کہ جب اوس ظالم نے بہت واویلا کی تو اور عوام بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے کہ حضرت بے شک یہ تو ظلم صریح ہے اور سچ یہ ہے کہ بظاہر تو ظلم تھا ہی جب تک اصل واقعہ نہ معلوم ہو ظلم ہونے میں کیا شک ہے اب اسوقت تک تو داؤدؑ نے اشارۃً اس کے قصہ کی طرف اشارہ کیا تھا مگر اب بالکل صاف طور پر بیان فرماتے ہیں اس لیئے کہ اوس کا ظلم اور لوگونکی بدگمانی بہت بڑھ گئی تھی۔

شرح حبیبی

گفت اے یاراں زمانِ آں رسید ۔۔۔ کاں سر مکتوم او گردد پدید

جملہ برخیزید تا بیروں رویم ۔۔۔ تا ازاں سرِّ نہاں واقف شویم

در فلاں صحرا درختے ہست زفت ۔۔۔ شاخہا یش انبہ و بسیار جفت

سخت راسخ خیمہ گاہ و میخ او ۔۔۔ بوئے خوں می آیدم از بیخ او

خوں شدہ ست اندر تن آں خوش درخت ۔۔۔ خواجہ را کشتہ ست آں منحوس بخت

مال او برداشتہ ست آں قلتباں ۔۔۔ ویں غلام اوست اے آزادگاں

این جواں مر خواجہ را باشد پسر / طفل بود و او ندارد زیں خبر
تا کنوں حلم خدا پوشید آں / آخر از ناشکرئے ایں قلتباں
کہ عیال خواجہ را روزے ندید / نے بہ نوروز و نہ موسمہائے عید
بینوایاں را بیک لقمہ نجست / یاد نا ورد او ز حقہائے نخست
تا کنوں از بہر یک گاؤ ایں لعین / می زند فرزند او را بر زمیں
او بخود برداشت پردہ از گناہ / ورنہ مے پوشید جرمش را الٰہ
کافر و فاسق دریں دور گزند / پردۂ خود را بخود برمی درند
ظلم مستورست در اسرار جاں / مے نہد ظالم بہ پیش مردماں
کہ بہ بینیدم کہ دارم شاخہا / گاوِ دوزخ را بہ بینید از ملا
پس ہمیں جادست و پایت در گزند / بر ضمیر تو گواہی مے دہند
چوں موکل می شود بر تو ضمیر / کہ بگو تو اعتقادت وا مگیر
خاصہ در ہنگام خشم و گفتگو / مے کند ظاہر سرت را مو بمو
چوں موکل مے شود ظلم و جفا / کہ ہویدا کن مرا اے دست و پا
چوں ہمی گیرد گواہ سر لگام / خاصہ وقت جوش خشم و انتقام
پس ہماں کس کہ موکل میکند / تا لوائے راز بر صحرا زند
پس موکلہائے دیگر روز حشر / ہم تواند آفرید از بہر نشر
اے بد دست آمد در ظلم و کیں / گوہرت پیداست حاجت نیست ایں
نیست حاجت شہر گشتن در گزند / بر ضمیر آتشینت واقف اند
نفس تو ہر دم برآرد صد شرار / کہ بہ بینیدم منم اصحاب نار

جزو نارم سوئے کل خود روم	من نہ نورم کہ سوئے حضرت روم
ہمچناں کایں ظالم حق ناشناس	بہر گاوے کرد چندیں التباس
او ازو صد گاؤ برد و صد شتر	نفس انیست اے پدر ازوے ببر
نیز روزے یا خدا زاری نکرد	یا ربے نامد ازو روزے بدرد
کاے خدا خصم مرا خوشنود کن	گر منش کردم زیاں تو سود کن
گر خطا کشتم دیت بر عاقلہ است	عاقلہ جانم تو بودی از الست
سنگ مے گردد باستغفار دُر	ایں بود انصاف نفس اے جان حُر

لوگوں کی ملامت سُنکر حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا کہ صاحبو اب وہ وقت آگیا ہے کہ یہ رازِ سربستہ ظاہر ہو جاوے۔ اچھا شہر سے باہر چلو تاکہ ہم سب اس راز سے واقف ہو جائیں۔ کیونکہ فلاں جنگل میں ایک بڑا بھاری درخت ہے اوسکی شاخیں بہت کثرت سے اور خوب ملی ہوئی ہیں۔ اور بہت مضبوط خیمہ گاہ ہے اور تنہ بھی اوس کا بہت مضبوط ہے مجھے اوس کی جڑ میں سے خون کی بو آتی ہے کیونکہ اس عمدہ درخت کے اندر ایک خون ہوا ہے۔ یعنی اوس منحوس آدمی نے اپنے آقا کو مار ڈالا ہے اور اوسکو مار کر یہ بھڑوا اوس کا سارا مال لے اڑا ہے اور آج جو یہ رئیس بنا ہوا ہے حقیقت میں اوس آقا کا غلام ہے اور یہ مدعا علیہ اوسکا پوتا ہے۔ یہ اوس زمانہ میں بچہ تھا (باپ اسکا اپنے باپ کی حیات میں فوت ہو چکا تھا) اس لیئے اوسکو اس واقعہ کی مطلق خبر نہیں۔ اب تک تو حق سبحانہ نے اپنے حلم سے اسکو پوشیدہ رکھا لیکن بالآخر حق سبحانہ نے اس بھڑوے کی ناشکری سے کہ اسنے کبھی اس کے بال بچوں کو نہ دیکھا۔ نہ نوروز میں

نہ عید میں نہ کسی تہوار میں اور ان بے ساما نوں کی ایک لقمہ سے بھی کبھی خبر نہ لی
اور ان کے دادا کے پہلے حقوق کو کبھی یاد نہ کیا۔ حتی کہ اب یہ ملعون ایک گائے
کے لیئے اوس کے پوتے کو زمیں پر پٹکنا چاہتا ہے اس گناہ سے پردہ اٹھادیا لہٰذا
فی الحقیقت خود اسی نے اپنے گناہ سے پردہ اوٹھادیا۔ ورنہ حق سبحانہ اس کے
جرم کو چھپائے رکھتے (ف۔ یاد رکھو کہ یہ معنی تو اسوقت ہوں گے جب کہ از ناشکری
ایں قلتبان میں لفظ ناشکری میں ایک بیسیے ہو اور جار مجرور فعل محذوف سے متعلق
ہوں۔ اور اگر دو تی ہوں اور ایں قلتبان ناشکری کا مضاف الیہ نہ ہو بلکہ مبتدا
ہو اور جزاوسکی او بجود برداشت الخ ہو تو معنے یہ ہونگے کہ بالآخر اپنی ناشکری سے
اس بھڑوے نے اپنے گناہ سے خود پردہ اٹھایا۔) اب مولانا فرماتے کہ واقعی حق
سبحانہ نہایت ستار ہیں اور کفار و فساق خود اپنی پردہ دری کرتے ہیں اوسکا
ظلم اوسکے دل میں مستور ہوتا ہے۔ مگر وہ خود اوسکو لوگوں کے آگے رکھد یتا ہے اور
کہتا ہے کہ مجھے دیکھ لو۔ میرے سینگ ہیں۔ اور میں دوزخ کا موذی بیل ہوں۔
تم اس دوزخ کے بیل کو کھلم کھلا دیکھ لو۔ اس سے تم معلوم کر لو کہ خود دنیا ہی میں
تمہارے ہاتھ پاؤں اس ظلم مستور کی گواہی دید یتے ہیں۔ دیکھو جبکہ وہ جرم مستور
تم پر مسلط ہوتا اور تقاضا کرتا ہے کہ تو اپنے حتیال کو ہرگز مت چھپا بلکہ اوسکو
ظاہر کر دے بالخصوص غصہ اور گفتگو کے وقت تو اوسکا تقاضا اور بھی شدید ہوتا
ہے اور وہ بالکل صاف صاف تمہارے راز کو ظاہر کر دیتا ہے اور جب کہ تم پر ظلم وجفا
مسلط ہو کر تقاضا کرتے ہیں کہ اسے ہاتھ پاؤں ہمیں ظاہر کر دو۔ اور جب کہ تمہارا
سر جو کہ تمہارے جرم کا ایک گواہ ہے تمہاری لگام پکڑتا اور اپنے قبضہ میں لاتا ہی
اور تم سے راز کو ظاہر کرا دیتا ہے بالخصوص جوش غضب اور جوش انتقام کے
وقت تو اب سمجھو کہ جو انکو مسلط کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخفی راز کا جھنڈا
صحرا میں گڑ جاتا اور وہ راز آشکار ہو جاتا ہے وہی قیامت میں افشائے راز کیلئے
دوسرے موکل بھی پیدا کر سکتا ہے پھر تم قیامت میں اعضائے کے گواہی دینے سے

کیوں انکار کرتے یا کیوں اوسکو مستبعد سمجھتے ہو اوس کے بعد مولانا توبیخاً فرماتے ہیں
کہ اے دونوں ہاتھوں سے ظلم وجور میں مصروف شخص موکلوں کو مقرر کرکے راز کو ظاہر
کرانے کی کیا ضرورت ہے تیرا جوہر تو خود ظاہر ہے کچھ ضرورت نہیں کہ تو اپنے ظلم کو
ظاہر کرکے مشہور ہو۔ کیونکہ تیرے خطرناک خیال کو جاننے والے بدون ظاہر کئے
بھی جانتے ہیں۔ خود تیرا نفس ہر دم سیکڑوں شرارے اڑا رہا ہے اور کہہ رہا ہے
کہ لوگوں مجھے دیکھ لو۔ میں آتشی ہوں اور میری آتش جو ایک اعتبار سے جزو دوزخ
ہے بالآخر اپنے کل کیطرف راجع ہوگی اور میں نور نہیں ہوں کہ حق سبحانہ کی طرف
متوجہ ہوں (اس مقام پر ایک ضروری امر پر تنبیہہ کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے
وہ یہ کہ مولانا کے کلام میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دو چیزیں متجانس
یا متشابہ ہوں اور اونمیں ایک ادنےٰ اور ایک اعلیٰ ہو تو مولانا ادنیٰ کو جزو اور اعلےٰ
کو کل فرمادیتے ہیں۔ اسی بنا پر کبھی وہ عقول ناقصہ کو جزو اور عقول کاملہ کو کل کہتے
ہیں کبھی قلب ناقص کو جزو اور قلب کامل کو کل فرماتے ہیں۔ کبھی نفس کو آتشیں کہکر
اوس کو جزو اور دوزخ کو کل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ اس اصطلاح کو نہ سمجھنے کے
سبب لوگ مغالطہ میں پڑتے ہیں۔ اور جزویت وکلیت حقیقۃً مراد لیکر توجیہات
باردہ میں مشغول ہوتے ہیں) مثلاً دیکھہ لو کہ اس ناحق شناس ظالم نے ایک گائے
کے لیئے کسقدر حق پوشی کی۔ حالانکہ وہ خود اُس کی دوسو گائیں اور دوسو اونٹ
اڑا لے گیا تھا۔ یہ حالت ہے نفس کی پس تم کو چاہیئے کہ اوس سے قطع تعلق کرو
اور شرارت دیکھو کہ باوجودیکہ اوس نے اسقدر ظلم کیا تھا مگر ایک دن بھی تو خدا کے
سامنے نہ رویا اور سوز دل سے ایک دن بھی تو اوس کے منہ سے اے اللہ نہ نکلا۔
اور کبھی اس نے یہ نہ کہا کہ اے خدا تو میرے مظلوم دشمن کو خوش رکھنا اگر میں نے
اسکا نقصان کیا ہے تو اے اللہ تو میری طرف سے اس نقصان کی تلافی فرمادینا۔ اور
اسکا فائدہ کردینا اگر میں نے نفس کے دہوکہ میں آکر اوسکو مار ڈالا ہے تو میرے اس
جرم کی دیت میرے عاقلہ پر ہے اور میرا عاقلہ تو ہمیشہ سے تو ہی ہے اور میرے جنایات

کی تلافی کرنا تیرا ہی کام ہے۔ اگر وہ ایسا کرتا تو یہ جرم جرم نہ رہتا۔ کیونکہ استغفار کے سبب سے سنگ جرم دُر طاعت بنجاتا ہے۔ اب تم سمجھ لو کہ یہ حالت ہے نفس کے انصاف کی۔ تو پھر اس سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ مظلوم کی حمایت کرے گا۔ بلکہ لامحالہ وہ ظالم کا طرفدار ہو گا (قولنا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ جرم جرم نہ رہتا الخ اسکا مطلب یہ ہے کہ اُسپر جرم کے آثار مرتب نہ ہوتے اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں تعذیب نہ ہوتی۔ بلکہ وہ مستحق اجر ہوتا۔ دنیا میں رسوائی نہونے میں تو کوئی اشکال نہیں لیکن آخرت میں تعذیب نہ ہونے پر یہ اشکال ہے کہ قتل واخذ مال غیر حقوق العباد ہیں ان کو حق سبحانہ بطور خود معاف نہیں فرماتے۔ پھر آخرت میں تعذیب کیوں نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو حق سبحانہ خود معاف نہیں فرماتے۔ لیکن اگر وہ چاہیں تو خود مدعی سے معاف کرا سکتے ہیں پس تعذیب منتفی ہو گئی۔ اور اوس کے طاعت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ اوس گناہ کے سبب۔ بجائے استحقاق عقوبت کے مستحق اجر ہوتا گو وہ گناہ خود سبب استحقاق اجر نہ ہوتا۔ بلکہ سبب استحقاق فی الحقیقت استغفار ہوتا جو کہ ایک عبادت ہے لیکن اس طاعت استغفار کا سبب چونکہ وہ گناہ ہی تھا اس لیے مجازاً اسیکو طاعت کہدیا گیا اور استحقاق اجر کو اسی کی طرف نسبت کر دیا گیا فتنبہ لہ)

شرح شبیری

داؤد علیہ السلام کا قصد کرنا تاکہ اوس کے راز کو ظاہر فرماویں

گفت اے یاران زمان آں رسید ۔۔۔ کاں سر مکتوم او گردد پدید

یعنی داوٗد نے فرمایا کہ اے یارو وقت اوسکا آگیا ہے کہ اوسکا پوشیدہ راز ظاہر ہو جاوے۔

جملہ برخیزید تا بیروں رویم   سوئے صحرا او بداں ہاموں شویم

یعنی سب اٹھو تا کہ ہم باہر جنگل کی طرف چلیں اور اُس میدان میں جاویں۔

مرد و زن از خانہا بیروں روید   تا براں سرِ نہاں واقف شوید

یعنی (فرمایا کہ) اے مرد و عورت گھروں سے باہر چلو تا کہ اوس پوشیدہ بھید پر واقف ہو جاؤ۔

در فلاں صحرا درختے ہست زفت   شاخہایش انبہ و بسیار جفت

یعنی فلاں جنگل میں ایک درخت عظیم ہے اور اوسکی شاخیں انبوہ ہیں اور بہت گھنی ہیں۔

سخت راسخ خیمہ گاہ و میخ او   بوئے خوں می آیدم از بیخ او

یعنی اوسکی خیمہ گاہ اور اوس کی میخ سخت راسخ ہے مجھے اوس کی جڑ میں سے بوئے خون آتی ہے

خوں شدہ ست اندریں آں خوش درخت   خواجہ را کشت است ایں منحوس بخت

یعنی اوس درخت عظیم کی جڑ میں خون ہوا ہے اور اس منحوس بخت نے اپنے خواجہ کو قتل کیا ہے۔

مال او برناخت ست ایں قلتباں   ویں غلام اوست اے آزادگاں

یعنی اور اوس کے مال کو اس دیوث نے لے لیا ہے اور اے آزادو یہ اوسکا غلام ہے۔

ایں جواں مر خواجہ را باشد پسر   طفل بود و او ندارد زیں خبر

یعنی یہ جوان اوس خواجہ کا لڑکا ہے یہ (اسوقت) بچہ تھا اسکو اس بات کی خبر نہیں ہے۔

تا کنوں حلم خدا پوشید آں   آخر از ناشکری ایں قلتباں

یعنی اب تک تو حلم حق نے اوس (کے بھید) کو پوشیدہ رکھا (مگر) آخر اس دیوث کی ناشکری کی وجہ سے (حق تعالیٰ نے اب ظاہر فرمادیا) اور وہ ناشکری یہ ہے۔ کہ

کہ عیال خواجہ را روزے ندید نے بہ نوروز و نہ موسمہائے عید

یعنی عیال خواجہ کو اُس نے ایک دن نہ دیکھا نہ نوروز میں نہ موسمہائے عید میں۔

بینوایاں را بہ یک لقمہ نجست یاد نا در د او ز حقہائے نخست

یعنی اُس نے اون بے نواؤں کو ایک لقمہ کے لیئے (کبھی) تلاش نہ کیا۔ اور اون حقوق پیشین کو یاد نہ کیا مطلب یہ کہ اوس کمبخت نے یہ بھی نہ کیا کہ کبھی عید بقر عید کو یہ سمجھکر کہ انھیں کی مال و دولت لیئے بیٹھا ہوں ان غریبوں کو ایک لقمہ تک نہ دیا۔

تا کنوں از بہر یک گاؤ ایں لعیں میزند فرزند او را بر زمیں

یعنی یہاں تک کہ اب ایک گائے کے واسطے یہ ملعون اوس کے لڑکے کو زمین پر پٹکے دیتا ہے۔

او بخود برداشت پردہ از گناہ ورنہ می پوشید جرمش را الٰہ

یعنی اس نے گناہ پرسے خود پردہ اٹھادیا ورنہ اللہ تعالےٰ نے تو اس کے جرم کو پوشیدہ رکھا تھا۔ مطلب یہ کہ اس کمبخت نے یہ ساری باتیں کرکے خود اپنا فضیحتہ کیا ورنہ حق تعالیٰ نے تو اتنی مدت سے اُس کے جرم کو چھپا ہی رکھا تھا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کافر و فاسق دریں دور گزند پردۂ خود را بخود برمے درند

یعنی کافر اور فاسق اس دور گزند میں خود بخود اپنی پردہ دری کرتے ہیں۔

ظلم مستور ست در اسرار جاں می نہد ظالم بہ پیش مردماں

یعنی ظلم اسرار جان میں پوشیدہ ہوتا ہے تو ظالم اوس کو لوگوں کے سامنے رکھدیتا ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ظالم کے ظلم کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر یہ خود ہی کہتا پھرے تو اسکا کیا علاج۔ اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ حق تعالےٰ پوشیدہ رکھتے ہیں اور یہ مرتکب خود ہی ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

کہ بہ بینیدم کہ دارم شاخہا گاوِ دوزخ را بہ بینید از ملا

یعنی کہ دیکھو کہ میں اپنے سینگ رکھتا ہوں اور دوزخ کی گائے کو ظاہر طور پر دیکھ لو۔ مطلب یہ ہے کہ خود اپنی زبان سے اپنے مظالم اور اون کے اسباب کو ظاہر کرتا پھرتا ہے خاصکر خون کی بابت تو مشہور ہے کہ قاتل چھپا ہی نہیں سکتا ظاہر ہو ہی کے رہتا ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جسطرح یہ اپنے گناہوں کو اضطراراً ظاہر کر دیتا ہے اور اوراسکی زبان وغیرہ اوس کے گناہو نپر دنیا ہی میں گواہی دیتی ہے۔ اسیطرح قیامت میں بھی اعضار گواہی دیدیں گے فرماتے ہیں کہ۔

ظالم کے ہاتھ پاؤں زبان کا دنیا ہی میں گواہی دینا

پس ہمیں جا دست و پایت بے گزند　　　بر ضمیر تو گواہے مے دہند
یعنی بس اسی جگہ (دنیا ہی میں) تیرے ہاتھ پاؤں بے گزند کے تیرے باطن پر گواہی دیتے ہیں۔

چوں موکل می شود بر تو ضمیر　　　کہ بگو تو اعتقادت وا مگیر
یعنی جب کہ تمہارے اوپر وہ بھید موکل ہو جاتا ہے کہ کہدے اور اپنے اعتقاد کو واپس مت لے۔

خاصہ در ہنگام خشم و گفت گو　　　میکند ظاہر سرت را مو بمو
یعنی خاصکر وقت خشم و گفتگو میں کہ وہی موکل تیرے بھید کو مو بمو ظاہر کر دیتا ہے۔

چوں موکل می شود ظلم و جفا　　　کہ ہویدا کن مرا اے دست و پا
یعنی وہ ظلم و جفا جسطرح مسلط ہو جاتا ہے کہ (کہتا ہے کہ) اے ہاتھ پاؤں مجھے ظاہر کر دے۔

چوں ہمی گیرد گواہ سر لگام　　　خاصہ وقت جوش و خشم انتقام
یعنی جسطرح کہ وہ گواہ سر لگام پکڑ لیتا ہے خاصکر وقت جوش اور خشم اور انتقام (کہ اسوقت تو اور اچھی طرح بتا دیتا ہے کہ دیکھو میں نے ایسا کیا تھا ایسا کیا تھا

تم مجھے کیا سمجھتے ہو وغیرہ وغیرہ تو جسطرح کہ دنیا میں یہ ظلم مسلط ہو جاتا ہے اسیطرح آخرت میں بھی کوئی ستے مسلط ہو کر سب ایک ایک تم سے پوچھ لیگی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس ہماں کس کہ مسلط می کند تا لوائے راز بر صحرا زند

یعنی پس وہی ذات جو کہ اوسکو مسلط کر دیتی ہے تاکہ علم راز کو صحرا پر لگا دے۔

پس موکلہائے دیگر روز حشر ہم تواند آفریدا ز بہر نشر

یعنی پس دوسرے موکلین حشر کے دن وہی ذات نشر کے واسطے پیدا فرمادیگی (اور اسوقت کہا جاوے گا کہ)

اے بدو دست آمدہ ظلم و کیں گو ہرت بدست حاجت نیست ایں

یعنی اے شخص جو کہ دونوں ہاتھوں سے ظلم و کیں میں آیا ہوا ہے تیری ذات ظاہر ہو گئی ہے۔ اب اس (اظہار) کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

نیست حاجت شہرہ گشتن در گزند بر ضمیر آتشینت واقف اند

یعنی ظلم میں مشہور ہونے کی حاجت نہیں ہے تیرے ضمیر آتشیں پر سب لوگ واقف ہیں۔

نقس تو ہر دم بر آرد صد شرار کہ بہ بینیدم منم اصحاب نار

یعنی تمہارا نفس ہر دم سو شرار نکالتا ہے کہ مجھے دیکھو میں اصحاب نار سے ہوں

جزو نارم سوئے کل خود روم من نہ نورم کہ سوئے حضرت شوم

یعنی میں تو جزو نار ہوں اپنے کل کی طرف جاتا ہوں میں نور نہیں ہوں جو حضرت حق کی طرف جاؤں۔ مطلب یہ کہ تمہارا نفس ہر دم معاصی کو اور گناہوں کو ظاہر کر رہا ہے اور ہر دم دوزخ کی طرف جا رہا ہے۔

ہمچناں کایں ظالم حق ناشناس بہر گاوے کرد چندیں التباس

یعنی جس طرح کہ اس ظالم نا حق شناس نے ایک گائے کے واسطے کتنے مکر کئے (حالانکہ)

نفس اینست آیدراز وے ببر — اوازیں صد گاؤ بردو صد شتر

یعنی وہ اس سے سو گائیں اور سو اونٹ لیجا چکا تھا تو اے بابا نفس یہی ہے اس سے قطع تعلق کردو۔ مطلب یہ کہ جس طرح اس شخص کو باوجود اتنا مال ودولت لے لینے کے چین نہ آتی تھی اسی طرح نفس کو تمہارے دولت ایمان کو لیکر چین نہیں آتا۔ اول تو یہ شرارت اور سرزوری کرتا ہے او سپر طرہ یہ کہ۔

یاربے نامد ازو روزے بدرد — نیز روزے با خدا زاری نکرد

یعنی ایک دن بھی خدا سے زاری نہیں کی اور اُس سے ایک دن بھی درد کے ساتھ یارب نہ آیا۔ یعنی ایک تو اتنا ظلم کیا پھر کبھی اتنی توفیق نہ ہوئی کہ خدا ہی سے دعا کر لیتا کہ اگر خدا کے سامنے عاجزی کرتا تو حق تعالیٰ کبھی اوس کو رسوا نکرتے رسوا تو اپنی ہٹ دھرمی سے ہوا کہ جانتا تھا کہ میں ظالم ہوں اور پھر بھی اسی پر اڑا رہا کہ میری خطا ہی نہیں ہے اور اگر یہ بھی نہ کرتا تو اتنا تو کرتا کہ اون مظلومین کے لیے دعا کرتا اور کہتا کہ۔

گر منش کردم زیاں تو سود کن — کاے خدا خصم مرا خوشنود کن

یعنی کہ اے خدا میرے دشمن کو خوش کر دیجئے اور اگر میں نے اوسکا نقصان کیا ہے تو آپ نفع کر دیجئے (تو اس طرح ہی دعا کرتا تب بھی حق تعالےٰ معاف فرما دیتے اور کہتا کہ)

عاقلہ جانم تو بودی از الست — گر خطا کشتم دیت بر عاقلہ است

یعنی (کہ اے خدا) اگر میں نے خطاءً مار ڈالا ہے تو دیت عاقلہ پر ہے اور میری جان کے عاقلہ روز الست سے آپ ہی ہیں۔ مطلب یہ کہ عرض کرتا کہ یا الٰہی میں نے تو اوس کو مار ڈالا اب آپ اوس کی دیت دیجئے یعنی اوسکو خوش کر دیجئے تو اگر یہ دعا کرتا تو اوس کا مال اوس کے پاس رہتا اور حق تعالیٰ اُسے بھی خوش کر دیتا اس لیئے کہ۔

ایں بود زانصاف نفس اے جانِ حُر — سنگ می گردد ز استغفار دُر

یعنی استغفار کی وجہ سے پتھر بھی موتی ہو جاتا ہے تو اے جان حُر نفس کا انصاف توبہ ہے۔ یعنی نفس کو اس طرح رکھو کہ اگر ایک طرف زیادتی ہو جاوے اور کسی وجہ سے کوئی کام ہو جاوے تو پھر استغفار کر لو اوس کے ذریعہ سے اوس تعدی اور زیادتی کی تلافی ہو جاوے گی۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہٹ دھرمی کی تو آخر فضیحت ہوا۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

چوں بروں رفتند سوے آں درخت
گفت دستش را ز پس بندید سخت

تا گناہ و جرم او پیدا کنم
تا لوائے عدل بر صحرا زنم

گفت اے سگ جد ایں را کشتہ
تو غلامے خواجہ زیں رو کشتہ

خواجہ را کشتی و بردی مال او
کرد یزداں آشکارا حال او

آں زنت او را کنیزک بودہ است
با ہمیں خواجہ خطا بنمودہ است

ہر چہ زو زائیدہ مادہ یا کہ نر
ملک وارث باشد آنہا سر بسر

تو غلامے کسب و کارت ملک او ست
شرع جستی شرع بستاں رو نکو ست

خواجہ را کشتی بہ استم زار زار
ہم بر اینجا خواجہ گویاں زینہار

کارد را از اشتاب کردی زیر خاک
از خیالے کہ بدید سے سہمناک

نک سرش با کارد در زیر زمیں
باز کاوید ایں زمیں را ہم چنیں

نام ایں سگ ہم نوشتہ کارد بر
کرد با خواجہ چنیں مکر و ضرر

ہمچنیں کردند چوں بشگافتند
در زمیں آں کارد با سر یافتند

ولولہ در خلق افتاد آں زماں
ہر یکے زنار ببرید از میاں

جملہ از داود گشتہ عذر خواہ
زانکہ بد ظن گشتہ بودند و تباہ

بعد ازاں گفتش بیا اے داد خواہ
داد خود بستاں تو ازایں روسیاہ

ہم بداں تیغش بفرمود او قصاص
کے کند مکرش ز علم حق خلاص

حلم حق گرچہ مواساہا کند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

خوں نخسپد در فتد در ہر دلے
میل جست و جوئے و کشف مشکلے

اقتضائے داورے رب دیں
سر برآرد از ضمیر آں و ایں

کاں فلاں خواجہ چہ شد حالش چہ گشت
ہمچنانکہ جوشد از گلزار کشت

جوشش خوں باشد آں واجستہا
خارش دلہا و بحث و ماجرا

چونکہ پید اگشت سر کار او
معجز داود شد فاش و دوتو

خلق جملہ سر برہنہ آمدند
سر بسجدہ بر زمینہا مے زدند

ما ہمہ کوران اصلے بودہ ایم
وانچہ مے فرمودہ نشنودہ ایم

وز تو ما صد گوں عجائب دیدہ ایم
لیک معذوریم چوں بے دیدہ ایم

سنگ با تو در سخن آمد شہیر
کز برائے غزو طالوتم بگیر

تو بہ سنگ و فلاخن آمدی
صد ہزاراں خصم را برہم زدی

سنگہابت صد ہزاراں پارہ شد
ہر یکے مر خصم را خونخوارہ شد

آہن اندر دست تو چوں موم شد
چوں زرہ سازی ترا معلوم شد

کوہہا با تو رسائل شد شکور
با تو مے خوانند چوں مقرے زبور

صد ہزاراں چشم دل بکشادہ شد
از دم تو غیب را آمادہ شد

واں قوی تر از ہمہ کاں دائم است	زندگی بخشنے کہ سرمد قائم است
جان جملہ معجزات اینست خود	کہ بہ بخشد مردہ را جاں ابد
کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد	ہر یکے از ما حستار اندہ شد

جب باہر نکلکر درخت کے پاس پہونچے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کی مشکیں کس لو تاکہ میں اسکا جرم اور گناہ ظاہر کروں اور تاکہ انصاف کا جھنڈا صحرا میں قائم کروں۔ یعنی انصاف کو عالم آشکار کروں۔ یہ حکم دے کر آپ مدعی کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ او نالائق تونے اس مدعا علیہ کے دادا کو مارا ہے اور تو حقیقت میں غلام ہے اور اس ذریعہ سے تو سردار بن گیا ہے تو آقا کو مار کر اوس کا مال لے اڑا ہے۔ اب حق سبحانہ نے تیرا حال ظاہر کر دیا اور وہ جو تیری بیوی ہے وہ اوس کی لونڈی ہے اُس نے بھی اس آقا پر زیادتی کی ہے لہذا جو کچھ نر و مادہ بچے اوس سے پیدا ہوئے ہیں وہ اُس آقائے مقتول کے وارث کی ملک ہیں اور چونکہ تو غلام ہے اس لیئے جو کچھ تونے کمایا ہے سب اوسی کی ملک ہے تونے شرعی فیصلہ چاہا تھا بہت بہتر ہے لے یہ شرعی فیصلہ ہے تونے اپنے آقا کو اسی جگہ ظلماً مارا ہے حالانکہ وہ تجھ سے کہتا تھا کہ اے مجھے مت مار مجھے چھوڑ دے چونکہ تو قتل کر کے ڈرا اور تیرے متخیلہ نے کوئی صورت تیرے پیش نظر کر دی اس لیئے فوراً تونے خنجر کو زمین میں دفن کر دیا۔ دیکھو زمین میں وہ سر چھری سمیت موجود ہے اچھا لوگو اس زمین کو کھود دو اور دیکھو کہ اوس چھری پر اس پاجی کا نام بھی لکھا ہوا ہے دیکھو اس پاجی نے اپنے آقا کے ساتھ یہ فریب کیا اور اوسکو اسقدر ضرر پہونچایا۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی اور اس زمین کو کھودا تو اُس میں سے سر اور چھری دونوں برآمد ہوئے۔ یہ دیکھکر لوگوں میں ایک شور مچ گیا اور سب نے اپنی اپنی کمر سے زنار توڑ ڈالے یعنی سب نے حضرت داؤد علیہ السلام

سے معذرت کی کیونکہ وہ اُن سے بدظن ہو کر اپنی عاقبت خراب کر چکے تھے اوس کے بعد حضرت داود علیہ السلام نے مدعا علیہ سے فرمایا کہ او مظلوم آ اور اس روسیاہ سے اپنا انتقام لے۔ اور فرمایا کہ اسی خنجر سے اس سے قصاص لے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ آپ فریب سے گویا کہ دائرہ علم الٰہی سے نکلنا چاہتا تھا مگر نکل کب سکتا تھا حلم حق سبحانہ بہت درگذر کرتا ہے مگر جب کہ آدمی حد سے تجاوز کرتا ہے تو پھر حق سبحانہ اوسکو رسوا کر دیتے ہیں۔ خون خاموش نہیں رہتا بلکہ ہر دل میں اوس کی تفتیش کی رغبت اور اس عقدہ مشکل کو حل کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور عدل خداوندیکا اقتضا لوگوں کے دلوں میں یوں ظہور کرتا ہے کہ وہ سوچتے ہیں کہ فلاں شخص کیا ہوا اور اوس کا کیا حال ہوا۔ یہ خیالات ان کے دل میں یوں ہی پیدا ہوتے ہیں کہ جسطرح باغ میں کھیتی اور یہ تمام تفتیش اور دلوں کی کھٹک اور پوچھ کچھ سب خون کا جوش ہوتی ہیں غرضکہ جبکہ اس قصہ کا راز ظاہر ہوا تو حضرت داود علیہ السلام کا معجزہ ظاہر اور عظیم ہو گیا۔ سب لوگ ننگے سر آئے اور زمین پر سربسجود ہوئے اس کے بعد کہا کہ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم اصلی اندھے تھے اور جو کچھ آپ نے فرمایا اوسکو ہم نے بگوش قبول نہ سُنا اور ہم نے آپ کے سیکڑوں طرح کے عجائبات دیکھے۔ لیکن چونکہ ہم اندھے ہیں اس لیئے معذور ہیں آپ معاف فرمائیں۔ ہم جانتے ہیں کھلم کھلا آپ سے پتھر نے گفتگو کی اور کہا کہ آپ طالوت کی مصاحبت میں جنگ کریں گے اس جنگ کے لیئے آپ مجھے لے لیجئے۔ نیز آپ تین پتھر اور ایک گوپیا لیکر جنگ میں شریک ہوئے اور لاکھوں دشمنوں کو اُنھیں پتھروں سے فی النار کر دیا۔ آپ کے پتھروں کے بہت سے ٹکڑے ہوتے تھے اور ایک ٹکڑا دشمن کو ہلاک کرتا تھا۔ نیز جبکہ آپ کو صنعت زرہ بافی معلوم ہوئی تو آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہونے لگا۔ نیز پہاڑ شاکر ہو کر آپ کے ہم آواز ہوئے اور آپ کے ساتھ ساتھ قاریوں کی طرح زبور پڑھتے ہیں نیز لاکھوں باطنی آنکھیں کھلگئیں اور آپ کے وعظ سے غیب بینی پر آمادہ ہو گئیں اور سب سے بڑھکر جو کہ ہمیشہ رہنے

والی ہے یہ بات ہے کہ آپ وہ حیات عطا فرماتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور سب معجزات کی جان آپ کا یہ معجزہ ہے کہ آب حیات ابدی عطا کرتے ہیں الحمدللہ کہ ظالم مر گیا اور اس کے سبب دنیا زندہ ہوگئی اور ہم میں سے ہر ایک خدا کا بندہ ہوگیا۔ ورنہ اوسنے تو ہم سب کو تباہ کر دیا تھا کہ ہم اوسکی باتوں میں آکر آپ پر اعتراض کرنے لگے تھے اور ایمان کھو بیٹھے تھے۔ فقط

شرح شبیری

لوگوں کا اوس درخت کی طرف باہر جانا

چوں بروں رفتند سوئے آں درخت　　گفت دستش را زپس بندید سخت

یعنی جب اوس درخت کی طرف باہر کو چلے تو داؤدؑ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھوں کو پیچھے مضبوط باندھ دو (یعنی مشکیں کس لو)

تا گناہ و جرم او پیدا کنم　　تا لوائے عدل بر صحرا زنم

یعنی تاکہ میں اوس کے گناہ اور جرم کو ظاہر کروں اور تاکہ عدل کا جھنڈا صحرا پر لگا دوں۔

گفت اے سگ جدّ ایں را کشتۂ　　تو غلامے خواجہ زیں رو گشتۂ

یعنی داؤدؑ نے فرمایا کہ اے کتے تونے اُس کے جد کو مارا ہے تو غلام ہے خواجہ (امن، قتل کی وجہ) سے ہوگیا ہے۔ جد مجازاً کہدیا ورنہ مقتول اس شخص مدعا علیہ کا باپ تھا مطلب یہ کہ آپ نے فرمایا کہ ارے کُتے تو اس کے باپ کو مار کر خود خواجہ بن بیٹھا ہے ورنہ اصل میں غلام ہے۔

خواجہ را کشتی و بردی مال او　　کرد یزداں آشکارا حال او

یعنی تونے آقا کو قتل کیا ہے اور اوس کا مال تو لیگیا ہے تو خدائے تعالےٰ نے اوسکا حال ظاہر کر دیا ہے۔

آں زنت اور اکنیزک بودہ است ۔ باہمیں خواجہ جفا بنمودہ است

یعنی وہ تیری بیوی اوس کی باندی تھی اوسنے اُس خواجہ کے ساتھ جفا کی ہے۔

ہر چہ اوزا ئیدہ مادہ یا کہ نر ۔ ملک وارث باشد آنہا سربسر

یعنی جو کچھ کہ اوس عورت نے لڑکا یا لڑکی جنا ہے تو وہ سب اس وارث کی ملک ہیں سربسر۔

تو غلامے کسب و کارت ملک اوست ۔ شرع جستی شرع بستان نکوست

یعنی تو غلام ہے اور تیرا سارا کسب اور تمام کام اوس کی ملک ہیں۔ تو شرع کو ڈھونڈھتا تھا شرع لے۔ جا خوب اچھی ہے۔ یعنی تو فیصلہ شرع کا چاہتا تھا لے یہ فیصلہ شریعت کا ہے۔

خواجہ را کشتی باستم زار زار ۔ ہم برا ینجا خواجہ گویاں زینہار

یعنی تو نے آقا کو ظلم سے زار زار کر کے اسی جگہ مارا ہے اور خواجہ کہہ رہا تھا کہ اسے جانے دے۔

کارد از اشتاب کردی زیر خاک ۔ از خیالے کہ بدیدی سہمناک

یعنی چھری کو جلدی سے تو نے ایک خیال کی وجہ سے جس کو تو نے خوفناک سمجھا تھا زیر خاک کر دیا ہے یعنی اس خیال سے کہ کہیں خون آلود چھری کوئی دیکھ نہ لے اوسکو بھی زیر خاک دفن کر دیا ہے۔

نک سرش با کارد در زیر زمیں ۔ باز کاوید ایں زمیں را ہمچنیں

یعنی یہ اوس کا سر مع چھری کے زیر زمین ہے (اے لوگو) تم اس زمین کو اسطرح کھودو

نام ایں سگ ہم نوشتہ کارد بر ۔ کرد با خواجہ چنیں مکر و ضرر

یعنی اس کتے کا نام چھری پر لکھا ہوا ہے اس (نمکحرام) نے آقا کے ساتھ ایسا مکر اور ضرر کیا ہے۔

ہمچنیں کردند چوں بشگافتند ۔ در زمیں آں کارد با سر یافتند

یعنی لوگوں نے اسی طرح کیا اور جب زمین کو کھولا تو زمین میں اُس چھری کو مع سر

کے پایا۔

ولولہ افتاد در خلق آں زماں ہر یکے زنار ببرید از میاں

یعنی اوسیوقت لوگوں میں ایک شور پڑ گیا اور ہر ایک نے کمر سے زنار توڑ دی۔ یعنے چونکہ پہلے اُن لوگوں نے حضرت داوٗد علیہ السلام پر اعتراض کیا تھا اور نبی پر اعتراض کفر ہے تو اب بعد اظہار قصہ کے اون سب نے اُس کفر سے توبہ کی اوسیکو زنار توڑنے سے تعبیر فرمایا ہے اوسیکو خود فرماتے ہیں کہ۔

جملہ از داوٗد گشتہ عذر خواہ زانکہ بدظن گشتہ بودند و تباہ

یعنی سب کے سب داوٗد سے عذر خواہ ہوئے۔ اس لیئے کہ سب بدظن اور تباہ ہو چکے تھے۔ یعنی چونکہ اوس اعتراض کیوجہ سے بدظن اور تباہ ہو رہے تھے اس لیئے سب نے معافی مانگی۔

داود علیہ السلام کا خونی سے قصاص لینے کا حکم کرنا بعد الزام حجت کے اوسپر

بعد ازاں گفتش بیا اے دادخواہ دادِ خود بستاں تو ازیں روسیاہ

یعنی بعد اس کے اوس (دعا کنندہ) سے فرمایا کہ اے دادخواہ تو اس روسیاہ سے اپنی داد لے (پہلے صاحب گاو مدعی تھا اور اب کشندہ گاو مدعی ہے لہذا اوسکو دادخواہ کہدیا۔ یعنی فرمایا کہ اب تو اس سے اپنا بدلہ لے)

ہم بداں تیغش بفرمود او قصاص کے کند مکرش ز علم حق خلاص

یعنی اوسی تلوار سے اوسکو قصاص لینے کو فرمایا۔ اور علم حق سے اوس کا مکر کب چھوٹ سکتا ہے۔

حلم حق گرچہ مواساہا کند چونکہ از حد بگذری رسوا کند

یعنی حلم حق اگرچہ بہت مواسات کرتا ہے (مگر) جبکہ تم حد سے گذر جاؤ تو رسوا کر دیتا ہے (دیکھو اس کی بات کو حق تعالے نے کتنی مدت تک چھپایا مگر اب جو یہ استقدر حد سے بڑھا تو آخر رسوا کر دیا۔ نعوذ باللہ منہ اللھم استر عیوبنا واغفر لنا وارحمنا

همت مولینا) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

خوں نخسپید و دفتند در ہر دلے میل جست و جوئے وکشف مشکلے

یعنی خون سوتا نہیں ہے اور ہر دل میں جستجو اور کشف مشکل کا میلان پڑتا ہے۔

اقتضائے داوری رب دیں سر برآرد از ضمیر آن و ایں

یعنی رب العالمین کی داوری کا اقتضا اس کے اور اُس کے دلوں سے سر نکالتا ہی (اسطرح کہ کہتے ہیں کہ۔)

کاں فلاں چوں شد چہ شد حالش چہ گشت ہمچنانکہ جوشد از گلزار کشت

یعنی کہ وہ فلاں کیونکر ہوا کیا ہوا اور حال اُسکا کیا ہوا۔ اسطرح کہ جیسے گلزار میں سے کھیتی جوش مارتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب خون ہوتا ہے تو لوگ جو تہمیں ہوتے ہیں اور ہر ایک شخص اسی جستجو میں خود بخود لگ جاتا ہے۔

جوشش خوں باشد آن و اجتہا خارش دلہا و بحث ماجرا

یعنی یہ جستجوئیں جوش خون کی وجہ سے ہوتی ہیں اور خارش قلوب اور بحث وماجرا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ خون جوش مارتا ہے تو دلوں میں ایک خارش پیدا ہو جاتی ہے اور سب تلاش میں لگ جاتے ہیں۔ اور یہ بات آجکل بھی ہے مشہور ہے کہ خون سر چڑھکر بولتا ہے۔ اللہم احفظنا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ پیدا گشت سر کار او معجزہ داود شد فاش و دوتو

یعنی جب کہ اوس کا بھید ظاہر ہو گیا۔ تو داود علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہو گیا۔ اور دوہرا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح انھوں نے بتایا تھا جب اُسی طرح نکلا تو سبکو آپکا معجزہ معلوم ہو گیا اور فہرست معجزات میں ایک زیادتی ہو گئی۔

خلق جملہ سر برہنہ آمدند سر بسجدہ بر زمینہا مے زدند

یعنی سارے سر برہنہ آئے اور سجدہ میں زمین پر مارتے تھے (اور کہتے تھے کہ

ما ہمہ کوران اصلی بودہ ایم وانچہ مے فرمودۂ نشنودہ ایم

یعنی ہم سارے اصلی اندھے تھے اور آپ جو فرماتے تھے ہم اوسکو نہ سنتے تھے۔

لیک معذوریم چوں نے دیدہ ایم ورتو ما صد گوں عجائب دیدہ ایم

یعنی ہم نے تو آپ سے سیکڑوں قسم کے عجائبات دیکھے ہیں لیکن جب ہم اندھے ہیں تو معذور ہیں مطلب یہ کہ ہم نے آپ سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں مگر کیا کریں بصیرت تو حاصل نہیں ہے لہذا ہم معذور ہیں کہ اسمیں بھی یہی نہ سمجھا کہ آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ اور یہ سمجھکر چپ نہ رہے آگے اُن عجائبات میں سے کچھ بیان کرتے ہیں کہ۔

سنگ با تو در سخن آمد شہیر کز برائے غزو جالوتم بگیر

یعنی پتھر آپ سے باتوں میں آیا۔ مشہور ہے کہ (اوس نے کہا کہ) مجھے جالوت کی لڑائی کے واسطے لے لو (اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب داؤدؑ طالوت کے ساتھ جالوت سے لڑنے کو چلے ہیں تو ایک پتھر نے کہا تھا کہ اے داؤدؑ مجھے لیلو میرے ذریعہ سے تم جالوت کو قتل کروگے تو ایسا ہی ہوا)

تو بسنگ و فلاخن آمدے صد ہزاراں خصم را برہم زدے

یعنی آپ (جنگ جالوت میں) تین پتھر اور گوپھیہ کے ساتھ آئے تھے اور لاکھوں دشمنوں کو درہم برہم کر دیا تھا (اس طرح کہ)

سنگہائیت صد ہزاراں پارہ شد ہر یکے مر خصم را خونخوارہ شد

یعنی آپ کے پتھر لاکھوں ٹکڑے ہوئے اور ہر ایک دشمن کے لیئے خونخوار ہو گیا۔ یعنی ہر ایک پتھر کے بہت سے ٹکڑے ہوتے تھے اور جس کے وہ ٹکڑا لگتا تھا وہ اوسکو مار دیتا تھا۔

آہن اندر دست تو چوں موم شد چوں زرہ سازی ترا معلوم شد

یعنی لوہا آپ کے ہاتھ میں موم ہو گیا جب کہ آپ کو زرہ سازی معلوم ہوئی (یہ تو بہت ہی مشہور ہے)

کوہہا با تو رسائل شد شکور با تو میخوانند چوں مقرے زبور

یعنی پہاڑ آپ کے ساتھ ہم آواز ہوئے درانحالیکہ شکر کرنے والے تھے اور وہ

آپ کے ساتھ قاری کی طرح زبور پڑھتے تھے

صد ہزاراں چشم دل بکشادہ شد — از دم تو غیب را آمادہ شد

یعنی لاکھوں چشم دل آپ کے دم سے کھلگئیں۔ اور غیب کے لیئے آمادہ ہوگئیں

واں قوی تر از ہمہ کاں دائم است — زندگی بخشی کہ سرمد قائم است

یعنی وہ معجزہ جو کہ سب سے قوی ہے اور دائم ہے حیات (روحانی) کا بخشتا ہی کہ (یہ معجزہ) ہمیشہ کے لیئے قائم ہے مطلب یہ کہ اور سب معجزات تو آپکے ہیں ہی مگر آپ سے جو حیات روحانی میسر ہوتی ہے یہ ایسا معجزہ ہے کہ ہمیشہ کے لیئے قائم ہیں۔

جان جملہ معجزات اینست خود — کہ بہ بخشد مردہ را جان ابد

یعنی تمام معجزات کی روح ہے کہ مردہ کو جان ابدی بخشتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو روحانی مردے ہیں اونکو حیات ابدی اور حیات روحانی بخشتا ہے تو یہ معجزہ بھی تمام معجزات کی روح اور اصل ہے اب آگے مولانا قصہ کے نتیجہ اور انجام کے طور پر فرماتے ہیں کہ

کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد — ہر یکے از نو خدا را بندہ شد

یعنی ظالم مارا گیا اور ایک جہان زندہ ہوگیا اور ہر شخص از سر نو خدا کا بندہ ہوا (اس لیئے کہ اس کے معاملہ میں سب نے نبی پر اعتراض کیا تھا تو سب قریب بہ کفر پہونچ گئے تھے اب جب کہ یہ مارا گیا تو سب کو حقیقت حال معلوم ہوگئی اور سب گویا کہ از سر نو مسلمان ہوئے) آگے مولانا اس قصہ کو مقصود پر منطبق فرماویں گے۔ جس کو انشاء اللہ ربع ثالث میں بیان کیا جاوے گا۔

الحمد للہ ربع ثانی دفتر سوم کلید مثنوی کا بتاریخ ۸ رجب ۱۳۳۲ھ ختم ہوا۔ اس کے آگے انشاء اللہ ربع ثالث آتا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہ